اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیۡرًا

سیرت النبی ﷺ پر تحقیقی مجلہ

شمارہ نمبر ۱۴، جولائی تا دسمبر ۲۰۲۱ء، جلد نمبر ۷

زر تعاون فی شمارہ= /300روپے

شاہد ریسرچ فاؤنڈیشن

پتہ:C-327/3، بلاک نمبر ا، گلستانِ جوہر، کراچی۔

موبائل نمبر:0322-2413267،ای میل:shahidrf322@gmail.com

قومی مجلس مشاورت

بین الاقوامی مجلس مشاورت

محترم مقالہ نگاران سے گذارشات

(۱)۔ مقالات سیرت طیبہ کی مختلف جہتوں کے حامل ہوں۔

(۲)۔ مقالے کا اسلوب نگارش تحقیقی ہو۔

(۳)۔ ملکی اور بین الاقوامی مسائل کا حل سیرت طیبہ کی روشنی میں تلاش کیا جائے۔

(۴)۔ مقالہ عملی اور اطلاقی پہلو کا حامل ہو۔

(۵)۔ مقالات اردو، عربی، فارسی اور انگریزی زبان میں تحریر کیے جاسکتے ہیں۔

(۶)۔ مقالات A4 سائز پر "ایم ایس ورڈ" پر کمپوز کرا کے ای میل کے ذریعے ارسال کیے جائیں۔

(۷)۔ مقالے کے ساتھ انگریزی زبان میں اس کی تلخیص ضرور شامل کی جائے۔

(۸)۔ وہی مقالات شاملِ اشاعت ہوں گے جن کی پروف ریڈنگ کرائی گئی ہو۔

(۹)۔ حوالہ، حواشی اور کتابیات مروجہ معیاری طریقہ پر تحریر کی جائیں۔

(۱۰)۔ مقالے کی اشاعت کے لیے اپنی باری کا انتظار کیا جائے۔

(۱۱)۔ کسی بھی مقالے کی اشاعت کے لیے ادارے کی طرف سے نام زد کردہ ماہرین کی تائید ضروری ہے۔

(۱۲)۔ ناقابل اشاعت مقالات واپس ارسال نہیں کیے جائیں گے۔

(۱۳)۔ اشاعت کی صورت میں مقالہ نگار کو مجلے کے دو اعزازی نسخے روانہ کیے جائیں گے۔

(۱۴)۔ سیرت پر مشتمل کتب پر تبصرے کے لیے ادارے کو کتاب کے دو نسخے ارسال کیے جائیں۔

نوٹ: شائع شدہ مقالات کے صحتِ متن اور حوالہ جات کی ذمہ داری مقالہ نگار پر عائد ہوتی ہے۔ مقالہ نگار کی رائے سے مجلس ادارت کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

حسنِ ترتیب

محور خیال:

(اداریہ)

”بے نور سی لگتی ہے اس سے بچھڑ کر زندگی“

پروفیسر دلاور خاں

اگر ہم اپنے قرب وجوار کے ماحول کا طائرانہ جائزہ لیں تو یہ حقیقت آشکارہ ہوتی دکھائی دیتی ہے ہر شخص میں کوئی نہ کوئی ایک علم وفن پایا جاتا ہے اور یہی منفرد علم وفن اس کا طرہ امتیاز بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس ایسا مشاہدہ خال ہو گا کوئی شخص کسی خاص علم وفن میں مقید ہونے کی بجائے اس کی فکری وعلمی شخصیت ایک تراشیدہ ہیرے کی مانند جس کا ہر ہر پہلو تابناک ہو ایسی ہی شخصیات میں ایک معروف نام ڈاکٹر خضر حیات نوشاہی کا بھی ہے آپ بہ یک وقت ایک عظیم صوفی، محقق، مدرس، ماہر لسانیات، نثر نگار، ادیب وشاعر، خطیب ومقالہ نگار، مترجم کتب کثیرہ خاندان نوشاہیہ کے چشم وچراغ، دارالفقرہ ساہن پال کے بانی ومنتظم، آپ نے کئی قومی وبین الاقوامی کانفرنسز میں وقیع مقالہ جات پیش کیے اس کے علاوہ مختلف ٹی وی چینلز پر آپ کو بہ طور صوفی اسکالر مدعو کیا جاتا، ان تمام کے باوجود آپ کی عالمی شہرت بہ طور صوفی سلسلہ قادریہ نوشاہیہ اور فارسی ادب میں آپ کا ملکہ ہے، کتب بینی آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا ڈاکٹر صاحب نے جو علمی ورثہ چھوڑا ہے اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی، کتب خانہ ہمدرد کراچی، فہرستہائے خطی فارسی، کتب خانہ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، گنجینہ آذر (فہرست مخطوطات ذخیرہ پروفیسر سراج الدین آذر، پنجاب یونیورسٹی لائبریری)، گنجینہ شوق (فہرست مخطوطات فارسی ذخیرہ پروفیسر ڈاکٹر نواز علی شوق، کراچی یونیورسٹی)، فہرست مخطوطات عربی وفارسی جھنڈیر لائبریری، اردو ترجمہ لطائف اشرفی، اردو ترجمہ تاریخ بلوچی، اردو ترجمہ مثنوی گوہر منظوم، ترتیب وجمع الجواہر از پیر محمد راشد روضہ دھنی، ترتیب دیوان میاں محمد سرفراز خان کلہوڑو، مکاتیب راشدی بنام ڈاکٹر محمد باقر اور ترجمہ معیار سالکان طریقت (از میر علی شیر قانع ٹھٹوی)۔

ڈاکٹر صاحب سے مراسم تو درینہ تھے ہی مگر طرفین کے ذوق سیرت نے اس میں ایک نئی روح پھونک دی۔ ہوا کچھ اس طرح کہ ڈاکٹر حاجی محمد حنیف طیب صاحب سابق وفاقی وزیر نے حضرت ڈاکٹر

خضر نوشاہی صاحب کے اعزاز میں المصطفیٰ میڈیکل سینٹر گلشن اقبال میں ایک استقبالیہ کا اہتمام کیا گیا، جس میں ہم بھی مدعو تھے تقریب کے اختتام پر ڈاکٹر صاحب سے مصافحہ کیا تو آپ نے راقم کو سینے سے لگایا اور دعاؤں سے نوازا اور کہا کہ آج میں تمہیں یاد ہی کر رہا تھا دیکھو اللہ تعالیٰ نے کیسے ملا دیا۔ آپ نے فرمایا میں آپ سے ایک نشست کرنا چاہتا ہوں ہو سکے تو کل ڈاکٹر عبد الجبار قریشی کی قیام گاہ پر تشریف لے آئیں۔ دوسرے دن عزیزم ڈاکٹر فیاض شاہین کی معیت میں قریشی صاحب کے دولت کدے پر پہنچ گئے جہاں آپ پہلے ہی سے ہمارے منتظر تھے دعا سلام کے بعد آپ نے مجلس کا مدعا بیان فرمایا کہ ہم چاہتے ہیں کہ منظم و مربوط انداز میں سیرت کو فروغ دیا جائے احقر نے ڈاکٹر صاحب کے اس پروگرام میں شانہ بشانہ جدوجہد کا عندیہ دیا کہ عصر حاضر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توہین آمیز خاکے مغرب میں شائع کئے جارہے ہیں اس کا بہترین جواب یہ ہے ہم سیرت پر ایک ریسرچ جرنل اردو اور انگریزی زبان میں جاری کریں جس سے تمام موجود احباب نے اتفاق کیا۔ مختلف احباب نے جرنل کا نام تجویز کرنے کو کہا اور ڈاکٹر صاحب نے اس کا نام "شاہد" تجویز کیا اور اس کی حکمت بھی بیان کیں اس طرح جرنل کا حتمی نام شاہد قرار پایا۔ اس مرحلے کے بعد مجلس ادارت کے لیے سرپرست اعلیٰ ڈاکٹر عبد الجبار قریشی، مدیر اعلیٰ ڈاکٹر خضر حیات نوشاہی، احقر مدیر اور ڈاکٹر فیاض شاہین معاون مدیر منتخب قرار پائے اور شاہد ریسرچ جرنل کو شاہد ریسرچ فاؤنڈیشن کے تحت جاری کیا جائے گا۔ یوں جنوری تا جون ۲۰۱۵ء کے شمارے کو شائع کرنے کا آغاز ہوا جو تاحال جاری ہے۔

آپ جب بھی کراچی تشریف لاتے تو احقر کے غریب خانے کو ہمیشہ رونق بخشتے اور یہ نشست کئی گھنٹوں پر محیط ہوتی جس میں کئی اہل علم و دانش آپ کے مواعظ حسنہ سے مستفید ہوتے۔ آخری بار آپ جنوری ۲۰۲۱ء میں اپنے صاحبزدگان اور بہو کے ساتھ تشریف لائے، جو ایک روحانی محفل کی صورت اختیار کر گئی جس میں آپ کے عقیدت مندوں کے علاوہ علماء و مشائخ بھی شریک رہے واپسی پر آپ نے راقم اور اہل خانہ کو ڈھیروں دعاؤں سے نوازا۔ کیا معلوم تھا کہ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ یہ آخری نشست ہو گئی؟

آپ ۱۴؍جولائی ۲۰۲۱ء میں اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے آپ کے صاحبزادگان، خلفاء اور مریدین کو آپ کے مشن کو جاری و ساری رکھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین!

محنت و مزدوری کی اہمیت سیرت طیبہ کی روشنی میں

ڈاکٹر شاکر حسین خان

(وزٹنگ فیکلٹی ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک لرننگ یونیورسٹی آف کراچی)

Abstract:

The importance of hard work and Wages in the light of Sira-e-Taibay

"Islam is the religion of nature. It provides guidance to human beings in all areas of life. Men can live a successful life by following these golden principles of Islam. If all the people of the world live in obedience to the command of Allah, then the world can become a model of paradise. Men needs food to live and the best food is what a person eats from his hard earned money. In Islam, earning halal food is worship and obedience to Allah. The virtue and importance of earning a living through hard work has been mentioned in the Holy Quran and Sira-e-Taibay. An obligated person has a right not only to himself but also to provide for and support others. Therefore, every healthy person should work hard to earn a halal livelihood, benefit himself and become a source of sustenance and support for other members of the society.

In this article" The importance of hard work and Wages in the light of Sira-e-Taibay", the researcher has highlights the importance of hard work and Wages in detail and tried to prove that a responsible and healthy person should work hard and become a source of welfare for the society".

Keywords: Islam, hard work, wages, society.

خلاصہ:

اسلام دین فطرت ہے۔ یہ انسانوں کو زندگی کے تمام شعبوں میں رہنمائی مہیا کرتا ہے۔ انسان اسلام کے ان سنہرے اصولوں پر عمل کر کے کامیاب زندگی گزار سکتا ہے۔ اگر دنیا کے تمام انسان اللہ کے حکم کی اطاعت کر کے زندگی گزاریں تو دنیا جنت کی نظیر بن سکتی ہے۔ انسان کو زندگی گزارنے کے لیے کھانے کی ضرورت ہوتی ہے اور سب سے اچھا کھانا وہ ہی ہے جو انسان اپنی محنت کی کمائی سے کھاتا ہے۔ اسلام میں رزق حلال کمانا اللہ کی عبادت و اطاعت ہے۔ قرآن مجید اور سیرت طیبہ میں محنت مزدوری سے روزی کمانے کی فضیلت و اہمیت بیان کی گئی ہے۔ ایک مکلف انسان کا صرف اپنی ذات پر ہی حق نہیں بلکہ اس کے فرائض میں دوسروں کی کفالت و معاونت کرنا بھی شامل ہے۔ اس لیے ہر صحت مند انسان کو چاہیے کہ وہ خوب محنت کر کے رزق حلال کمائے، خود بھی مستفیض ہو اور معاشرے کے دوسرے افراد کی کفالت و معاونت کا ذریعہ بھی بنے۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے کام کرنے میں کبھی شرمندگی محسوس نہیں کی۔ اپنے ذاتی کام چاہے بکریوں کی حفاظت یا ان کی دیکھ بھال ہو یا اپنی نعلین کی مرمت، محنت مشقت کے کام ہوں یا تجارت ہر کام کو خوش اسلوبی سے ادا کیا۔ غزوہ خندق کو دیکھیں تو آپ ﷺ اپنے اصحاب کے ہمراہ خندقیں کھودنے میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔

خاکسار نے اپنے اس مقالے " محنت و مزدوری کی اہمیت سیرت طیبہ کی روشنی میں " میں محنت مزدوری کے فضائل، فوائد اور اس کی اہمیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ایک مکلف اور صحت مند انسان کو خوب خوب محنت مزدوری کر کے معاشرے کی فلاح و بہبود کا ذریعہ بننا چاہیے۔

سابقہ کام کا جائزہ:

محنت و مزدوری کی اہمیت پر روایتی انداز میں تو بہت کچھ لکھا جاتا رہا ہے لیکن تحقیقی اسلوب میں اس طرح کا کام نادر و نایاب نظر آتا ہے۔ محنت کی عظمت جیسے عنوانات پر اسباق ہمیں پرائمری سطح پر بھی نظر آتے ہیں ضرورت اس امر کی ہے کہ اس عنوان کے تحت باقاعدہ طور پر تحقیقی اسلوب میں کام کیا جائے۔

کسب کا معنیٰ و مفہوم:

کسب "عربی زبان میں ثلاثی مجرد کے باب سے مشتق اسم ہے اردو معلیٰ میں بھی اصل معنی میں بطوراسم استعمال ہوتا ہے۔"کسبِ حلال" دوالفاظ کا مرکب ہے جس کے معنٰی "حلال کمائی" کے ہیں۔ دینی اصطلاح میں اس سے مراد کسی شخص کا جائز و قانونی ذرائع استعمال کرتے ہوئے محنت ومشقت یا تجارت کے ذریعے روزی کمانا "کسب حلال" کہلاتا ہے۔اگرمال ودولت کو ناجائز ذرائع مثلاً ربوٰی، رشوت، چوری، ڈاکہ زنی، ملاوٹ اور دیگر غلط امور سے حاصل کیا گیا ہے تو وہ مال ناجائز ہے۔ تجارت (Trade)، زراعت (Agriculture)، مویشیوں کی افزائش (Cattle breeding)، لوہار (Blacksmith)، معمار(Masonry)، کپڑا بنائی (Fabric making)، کاغذ سازی(Paper Making)، کتابت وطباعت اور دیگر محنت مزدوری کے کام کرنا جائز اور حلال طریقے ہیں۔ ہمارا دین ہمیں جائز طریقوں سے ہی روزی کمانے کا حکم دیتا ہے۔

الکاسب قوائد کی رو سے اسمِ فاعل ہے۔اس کا مادہ تخریج کَسَبَ ہے۔ اردو میں اس کا مفہوم کمانے والا، حاصل کرنے والا ہوتا ہے۔ قرآن مجید، کتب لغت، کتب حدیث و روایت اور کتب سیرت میں یہ اصطلاحاً اور لغواً بہت سے معانی میں استعمال ہوا ہے۔

نیکی کے کاموں کے لیے "کسب" کا استعمال:

نیکی کے کاموں کے لیے "کسب" کالفظ استعمال ہوا ہے مثال کے لیے آیت قرآنی ملاحظہ کیجیے: "لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ"(1) "اُن کے لیے ان کے عمل ہیں اور تمہارے لیے تمہارے عمل ہیں"۔

اور ارشاد ہوا:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ۔(2) زیادہ کا مکلف نہیں کرتا اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے جو کام جس نے کیا ہے ان کا نفع اس کے لیے ہے اور برے کام جس نے کیے ہیں اُس کا وبال اس کے لیے ہے۔

پیشے کے لیے "کسب" کا استعمال:

قرآن مجید میں کسب کی اصطلاح پیشے کے حوالے سے بھی استعمال ہوئی ہے جس کے تحت اس کام کی اجرت پر عامل کا حق ہو گا۔اس مفہوم کے لیے درجِ ذیل آیت ملاحظہ کیجیے:

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ۔(3) "ہر شخص اپنے کسب میں گروی ہے"

ایک معروف روایت میں ہے کہ "الکاسب حبیب اللہ" محنتی اللہ کا دوست ہے۔ مذکورہ روایت کے متعلق کسی نے جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن سے سوال کیا کہ کیا "الکاسب حبیب اللہ" حدیث شریف ہے یا موضوع؟ حوالہ جات کے ساتھ وضاحت درکار ہے! اس سوال کا جواب دیا گیا کہ ذخیرہ احادیث میں تتبع اور تلاش کے باوجود مذکورہ الفاظ سے ہمیں کوئی حدیث نہیں مل سکی، البتہ مفسرین نے اسے بغیر سند کے ذکر کیا:

وفيه مدح للسعي في طلب الرزق كما ورد: الكاسب حبيب الله، وهو لاينافي التوكل"(.حاشيه الشهاب علي تفسير البيضاوي =عنايه القاضي وكفاية الراضي (7/ 84)

وفي المثنوى كر توكل ميكنى در كار كن ... كشت كن پس تكيه بر جبار كن رمز الكاسب حبيب الله شنو ... از توكل در سبب كاهل مشو۔"(روح البيان (5/ 229)

"ففي هذا مدح للسعي في طلب الرزق كما ورد في الحديث: «الكاسب حبيب الله وهو لاينافي التوكل."(مراح لبيد لكشف معنى القرآن المجيد (2/ 205)

"وهي {لِتَسْكُنُوا فِيهِ}؛ أي: في الليل، ثم بعلة الثاني، وهو النهار، وهي {وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ}؛ أي: في النهار بأنواع المكاسب، وفي هذا مدح للسعي في طلب الرزق، كما ورد في الحديث: "الكاسب حبيب الله" وهو لاينافي التوكل."تفسير حدائق الروح والريحان في روابي علوم القرآن (21/ 262)

باقی حلال کسبِ معاش کی ذخیرہ احادیث میں بہت فضیلت وارد ہوئی یہاں تک کہ کسبِ معاش کے ذرائع میں سے تجارت اور محنت کو سب سے افضل اور اطیب ذریعہ معاش قرار دیا گیا ہے۔"عن عباية بن رفاعة بن رافع بن خديج، عن جده رافع بن خديج، قال: قيل: يا رسول الله، أي الكسب أطيب؟ قال: " عمل الرجل بيده وكل بيع مبرور ." (مسند أحمد ط الرسالة (28/ 502) "حضرت رافع بن خدیج (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دریافت کیا گیا کہ کون سی کمائی حلال وطیب ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: "یعنی انسان کے ہاتھ کی مزدوری اور ہر سچی بیع و شراء (جس میں جھوٹ فریب نہ ہو)۔" فقط واللہ اعلم۔(4)

قبیح افعال کے لیے "کسب" کا استعمال:

قرآن میں قبیح افعال کے لیے بھی یہ اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ آیت قرآنی ملاحظہ کیجیے:

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَ اَحَاطَتْ۔۔(5) "ہر گز نہیں جس نے برائی کو کمایا اور اس کی خطائیں اسی شخص پر مسلط ہو گئیں۔"

خیر کی اصطلاح:

قرآن کریم نے مال کو "خیر" سے تعبیر کیا جس کے معنٰی اچھائی کے ہیں جیسا کہ ارشاد ہوا:
يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلْ مَا أَنفَقْتُم مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا تَفْعَلُواْ مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّهَ بِهِ عَلِيمٌ۔(6)

"آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں۔ آپ فرمادیجیے کہ جو مال خرچ کرنا چاہو وہ والدین اور رشتے داروں اور جو معاشرے میں تنہا رہ گئے ہوں اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور جو خیر چاہو اللہ اس کو جانتا ہے۔"

فضل کی اصطلاح:

قرآن مجید میں رزق حلال کے لیے فضل کی اصطلاح بھی استعمال ہوئی ہے۔جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا:فَإِذَا قُضِيَتِ ٱلصَّلَوٰةُ فَٱنتَشِرُواْ فِي ٱلْأَرْضِ وَٱبْتَغُواْ مِن فَضْلِ ٱللَّهِ۔(7) **"پھر جب صلوٰۃ ادا ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرو۔"**

اور ارشاد ہوا:فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۚ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ-(8) **"پڑھو جتنا قرآن میں سے آسان ہو، اسے علم ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے، اور کچھ اور لوگ بھی جو اللہ کا فضل تلاش کرتے ہوئے زمین پر سفر کریں گے"۔**

رسل عظام کو ہدایت:

اللہ رب العٰلمین کا فرمان ہے: يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ۔۔۔(9) **"اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اچھا کام کرو، بیشک میں تمہارے کاموں کو جانتا ہوں"۔**

آیت مذکورہ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حکم تمام رسولوں کو تھا-ہر ایک رسول کو اُن کے زمانے میں یہ ندا فرمائی گئی۔ قرآن مجید، کتب تفسیر اور دیگر ذرائع سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نبی نے کوئی نہ کوئی کسب معاش اختیار فرمایا۔کسی نے زراعت کا پیشہ اختیار کیا تو کسی نے مویشیوں کی افزائش کی، کسی نے لوہے کی صنعت کو فروغ دیا تو کسی نے کپڑے کی۔ کسی نے لکڑی کا کام کیا تو کوئی معمار تھا۔ الغرض اپنے ہاتھ سے رزق حلال کمایا۔

انبیاء کرام کے پیشے:

اللہ رب العلمین نے نوحؑ سے فرمایا: وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا۔(10) ”اور بناؤ ہمارے حکم سے ایک کشتی ہمارے سامنے۔“

آیت مذکورہ سے ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا نوحؑ لکڑی کا کام جانتے تھے اور انہوں نے بڑھئی کا پیشہ اختیار کیا ہوگا۔ جیسا کہ بعض لوگوں نے انبیاء کرام کے اختیار کیے گئے پیشوں میں ذکر کیا ہے۔ ابراہیم و اسمٰعیل سلام علیہما نے کعبۃ اللہ کی بنیادیں تلاش کر کے اس کے اوپر کے حصے کی آرائش کی۔ گویا معمار تھے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام ایک بڑے دانشور، ماہر معاشیات او رانتظامی امور کے ماہر تھے۔ اللہ رب العلمین نے انہیں ذہنی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ جب انہیں سرکاری عہدے کی پیشکش ہوئی تو انہوں نے وزیر خزانہ و خوراک کے منصب کو پسند فرمایا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا: قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ۔(11) ”کہا (یوسف نے) کہ مجھے ملکی خزانوں پر مامور کردو بیشک میں ان کی حفاظت کا علم جاننے والا ہوں۔“

گویا سیدنا یوسف علیہ السلام کی مثال ایک ملازمت پیشہ فرد کی سی ہے۔ جنھوں نے عزیز مصر کا وزیر خزانہ و خوراک کے منصب پر فائز ہو کر اپنی ذہنی محنت کے عیوض روزی کمانے کی آمادگی کا اظہار فرمایا تھا۔ اسلام انسان کو اپنے ذاتی ذرائع استعمال کر کے روزی کمانے کی اجازت دیتا ہے۔ دنیا کا زیادہ تر معاشی کاروبار اپنی ذاتی محنت اور ذہنی صلاحیتوں کی بنا پر چل رہا ہے۔

اللہ رب العلمین نے نبی داؤدؑ کے لیے لوہے کو موم کی طرح نرم فرما دیا تھا یعنی لوہے کو پگلانے کا طریقہ سکھا دیا تھا۔ قرآن مجید میں بیان ہوا: وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ مِنَّا فَضْلًا يَاجِبَالُ أَوِّبِي مَعَه وَالطَّيْرَ وَأَلَنَّا لَه الْحَدِيدَأَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ۔-(12) ”اور اُن کے لیے ہم نے لوہے کو نرم کر دیا کہ کشادہ زِرہیں بناؤ اور کڑیوں کو اندازے سے جوڑو اور نیک عمل کرو۔“

اللہ رب العلمین نے ارشاد فرمایا: وَعَلَّمْنَاه صَنْعَة لَبُوسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُم مِّن بَأْسِكُمْ فَهَلْ أَنتُمْ شَاكِرُونَ۔(13) ”اور ہم نے اُسے (داؤدؑ کو) تمہارے لیے لباس بنانے کا ہنر سِکھایا تاکہ لڑائی کے ضرر سے تمہارا بچاؤ ہو۔“

حدیث شریف میں بھی ہے کہ: عَنْ الْمِقْدَامِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :وَإِنَّ نَبِيَّ اللَّهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَام كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ۔۔ حضرت مقدام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ کے نبی حضرت داود ؑ بھی اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے۔"(14)

مفتی محمد شفیع رقم طراز ہیں کہ "تفسیر ابنِ کثیر میں امام حدیث حافظ ابنِ عساکر کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت داوٗد علیہ السّلام اپنی خلافت و سلطنت کے زمانے میں بھیس بدل کر بازاروں وغیرہ میں جاتے اور مختلف اطراف سے آنے والے لوگوں سے پوچھا کرتے تھے کہ "داوٗد کیسا آدمی ہے؟" چوں کہ سلطنت میں عدل و انصاف عام تھا اور سب انسان آرام و عیش سے کرتے تھے۔ کسی کو حکومت سے کوئی شکایت نہ تھی۔ اس لیے جس سے سوال کرتے، وہ حضرت داوٗد علیہ السّلام کی حمد و ثنا اور عدل وانصاف پر اظہارِ شکر کرتا تھا۔ حق تعالیٰ نے ان کی تعلیم کے لیے ایک فرشتے کو بشکل انسان بھیج دیا۔ جب داوٗد علیہ السلام اس کام کے لیے نکلے تو یہ فرشتہ ان سے ملا حسبِ عادت اُس سے بھی وہی سوال کیا۔ فرشتے نے جواب دیا کہ داوٗد بہت اچھا آدمی ہے اور سب آدمیوں سے وہ اپنے نفس کے لیے بھی اور اپنی امت و رعیّت کے لیے بھی بہتر ہے، مگر اُس میں ایک عادت ایسی ہے کہ وہ نہ ہوتی تو بالکل کامل ہوتا۔ داوٗد علیہ السّلام نے پوچھا وہ کیا عادت ہے؟ فرشتے نے کہا" وہ اپنا کھانا پینا اور اپنے اہل و عیال کا گزارہ مسلمانوں کے مال یعنی بیت المال میں سے لیتے ہیں۔ یہ بات سُن کر حضرت داوٗد علیہ السّلام نے اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف الحاح وزاری اور دعا کا اہتمام کیا کہ مجھے کوئی ایسا کام سِکھا دیں جو میں اپنے ہاتھ کی مزدوری سے پورا کروں اور اُس کی اُجرت سے اپنا اور اپنے اہل و عیال کا گزارہ کروں اور مسلمانوں کی خدمت اور سلطنت کے تمام کام بلا معاوضہ کروں۔ اُن کی دُعا کو حق تعالیٰ نے قبول فرمایا۔ اُن کو زِرہ سازی کی صنعت سکھادی۔"(15)

صلاحیت کا تصور روزِ اول سے ہی مسلمہ ہے۔ موسیٰ سلام علیہ کے حوالے سے قرآن مجید کی آیت ملاحظہ کیجیے:

قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ۔(16)"کہنے لگی ایک بیٹی (شعیبؑ کی) اے باباجان انہیں ملازمت پر رکھ لیں کیوں کہ بہتر ملازم جو آپ رکھیں وہ جو طاقت ور اور امانت دار ہو۔"

چناں چہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے سیدنا شعیب علیہ السلام کے ہاں مدائن میں محنت مزدوری کی۔سیدنا زکریا علیہ السلام کے متعلق حدیث شریف میں ہے کہ: عن ابي هريرة ، ان رسول الله ﷺ قال:" کان زکریا نجارا۔ (17)"ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زکریا علیہ السلام بڑھئی تھے۔"

معلوم ہوا کہ انبیاء کرام کھانے پینے اور دیگر انسانی و معاشی ضروریات سے مبرا نہیں تھے۔ کھانے پینے اور دیگر حوائج ضروریہ کی تکمیل کے لیے رسول اللہ ﷺ کی سعی پر قرآن مجید کی نص موجود ہے۔ایک مقام پر ارشاد ہوا: اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبۡحًا طَوِيۡلًا(18)"بیشک دن میں آپ کے لیے بڑی مصروفیات ہیں۔"

اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ کی ان مصروفیات پر اعتراض کیا کہ:مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ۔(19) "اس رسول کو کیا ہوا ہے، یہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔"

اللہ رب العٰلمین نے ان کے اس اعتراض کا جواب اور رسول اللہ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَمَآاَرْسَلْنَاقَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآاِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ۔۔(20)"اور ہم نے آپ سے پہلے رسول نہیں بھیجے مگر وہ کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے۔"

رسول اللہ ﷺ نے محنت مزدوری بھی کی اور محنت مزدوری کرنے والوں کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ نیز یہ کہ اپنی محنت مزدوری کی کمائی اور اپنے وراثت کے مال سے دوسروں کی مدد فرمائی۔ آپ ﷺ کے متعلق یہ خیال کرنا کہ حضرت خدیجہؓ سے شادی سے قبل آپ کے پاس کچھ مال و دولت نہ تھا شادی کے بعد آپ کی معاشی زندگی بہتر ہوئی یہ تصور درست نہیں کیونکہ نزولِ وحی کے موقع پر حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: إنک لتصل الرحم وتحمل الكل،وتكسب المعدوم وتقري الضيف وتعين على نوائب الحق۔۔(21) "آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، کمزوروں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں اور جن کے پاس کچھ نہیں ہوتا انہیں کما کر دیتے ہیں اور مہمان نوازی کرتے ہیں اور آپ مشکلات میں حق داروں کی مدد کرتے ہیں۔"

حضرت خدیجہؓ کی اِس تسلی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت خدیجہؓ سے نکاح سے قبل بھی صاحبِ روزگار تھے اور اپنے مال سے دوسروں کی مدد کیا کرتے تھے۔

یہ بات عوام میں مشہور ہے کہ دادا کے انتقال کے بعد آپ ﷺ خصوصی طور پر ابو طالب کے ساتھ رہتے تھے۔ (22)

ابو طالب کی معاشی حالت بہتر نہیں تھی اس لیے آپ ابو طالب کے اور ابو طالب آپ ﷺ کے کفیل بنے ابو طالب کے بڑے لڑکے حضرت جعفر طیار کی پرورش حضرت عباس بن عبد المطلب نے کی اور حضرت علی المرتضیٰ کی کفالت رسول اکرم ﷺ نے کی۔ (23)

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ طبری کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ:" مکے میں ایک بار قحط پڑا اور ابو طالب کا کنبہ خاص کر دشواری محسوس کرنے لگا اس وقت آنحضرت ﷺ اپنے سوتیلے چچا حضرت عباس کے پاس گئے اور فرمایا کہ اس قحط سالی میں ابو طالب کا ہاتھ بٹانا چاہیے چنانچہ حضرت علی کو آپ نے اور حضرت جعفر کو حضرت عباس نے لے کر اپنے گھروں میں رکھا۔"(24)

محترم سید احسن گیلانیؒ رقم طراز ہیں:"غریب ابو طالب کی کفالت سے اس کے برہانی وجود میں کیا ضعف پیدا ہوتا جس کے متعلق شاید بہتوں کو علم نہیں کہ مدتوں ان کی یعنی ابو طالب کی گاران ان قراریط(خاص وزن کے معمولی سکوں کو کہتے ہیں۔)ہی پر تھی۔جو۔۔ان کا یتیم بھتیجا۔۔مزدوری میں پاتا تھا۔کیسی عجیب بات ہے جو اپنے حقیقی بچوں کی پرورش کا بوجھ بھی اپنے سر پر نہیں اٹھا سکتے اور جعفر (رضی اللہ عنہ)،عباس(رضی اللہ عنہ) کی،یا علی(رضی اللہ عنہ) اس کی گود میں ڈال دیے گئے جن کی گود میں پلنے کے لیے پیدا ہوئے تھے،تو پھر یہ کیسا بے بنیاد وہم ہے کہ جس کو قدرت کا ہاتھ براہ راست پال رہا تھا،اس کی پرورش کی تہمت اس کے سر جوڑی جاتی ہے جس کی،اگر سمجھا جائے تو شاید عمر کا ایک بیشتر حصہ اسی کے بل بوتے پر گزرا جو ان کا پروردہ سمجھا جاتا ہے۔"(25)

سیرت انبیاء کرام علیہم السلام کے اُصول کے تحت ہر انسان کو کوئی نہ کوئی پیشہ وروزگار اختیار کرنا چاہیے،تاکہ دوسروں کے سامنے دست دراز کرنے کی بجائے اپنی محنت کی کمائی سے اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے گھر والوں،رشتے داروں کی کفالت،ضرورت مندوں اور کمزوروں کی معاونت ہو سکے جس کا قرآن ہم سے تقاضا کرتا ہے۔ ہر انسان کو اپنی حیثیت،استعداد اور وسائل کو

بھرپور طریقے سے بروئے کار لانا چاہیے تاکہ انسانی معاشرے سے غربت و افلاس، بیروزگاری کا خاتمہ ہو اور اس کے ساتھ ساتھ بڑھتے ہوئے جرائم اور گداگری کا بھی صدباب ہوسکے۔ محنت کی عظمت کا بول بالا ہو، کم ہمتی کا خاتمہ ہو۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوا:وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی۔۔(26) "اور بیشک انسان کے لیے وہی ہے جس کی اُس نے کوشش کی۔" اگر اجتماعی محنت زیادہ ہوگی تو اس کے ثمرات و برکات بھی زیادہ ہوں گے اور غربت و افلاس کی جگہ ترقی و خوشحالی میں اضافہ ہوگا۔ اللہ رب العلمین نے بعض کو بعض پر فیضیلت دی ہے اس لیے جس کو جو کام آتا ہے یا جو بھی کام کرسکتا ہے اسے وہ کام کرنا چاہیے۔ پیشوں کی اونچ نیچ میں نہیں پڑنا چاہئے۔ یہی قرآنی تعلیمات کا اصول اور سیرتِ انبیاء کرام ہے۔

کسب حلال کی مؤمنوں کو ہدایت:

قرآن مجید میں ارشاد ہوا: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ۔۔(27) "اے ایمان والو! ہماری دی ہوئی ستھری چیزیں کھاؤ۔"

اور ارشاد فرمایا: وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا۔(28)(سورہ النباء(78) آیت نمبر:11) "اور دن کو ہم نے وقت روزگار بنایا۔"

قرآن مجید میں ارشاد ہوا:یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ۚ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ فَإِذَا قُضِيَتِ ٱلصَّلَوٰةُ فَٱنتَشِرُواْ فِي ٱلْأَرْضِ وَٱبْتَغُواْ مِن فَضْلِ ٱللَّهِ۔۔۔الخ۔۔(29) "اے ایمان والو! جب نداء کی جائے جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی جانب لپکو اور خرید و فروخت ترک کردو، تمہارے لیے یہی بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔ پس جب صلوٰۃ ادا ہوجائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرو۔"

آیت مذکورہ سے ثابت ہوتا ہے اسلام میں چھٹی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ جمعہ کے دن صلوۃ الجمعہ سے قبل اور بعد معاشی سرگرمیاں ثابت ہورہی ہیں البتہ اگر کوئی چھٹی کرنا چاہے تو اسے اختیار ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا"طلب کسب الحلال فریضۃ بعد فریضۃ"(30)یعنی "رزق حلال کا طلب فرائض میں سے ایک فرض ہے"

ایک حدیث شریف میں ہے کہ: عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ من طلب الدنيا حلالا استعفافا عن المسألة وسعياعلى أهله وتعطفا على جاره لقي الله تعالى يوم القيامة ووجهه مثل القمر ليلة البدر۔۔(31)م **"ابو ھریرہ سے روایت ہے کہ "جس نے حلال طریقے سے دنیا طلب کی تاکہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے محفوظ رہے اور اپنے اہل وعیال کو کما کر کھلا سکے اور اپنے پڑوس کی بھی مدد کرے۔وہ اللہ کی بارگاہ میں اس طرح آئے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی مانند چمک رہا ہو گا۔"**

ایک حدیث شریف میں ہے کہ: عَنْ الْمِقْدَامِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ وَإِنَّ نَبِيَّ اللَّهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَام كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ۔۔(32)**"حضرت مقدام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "کسی شخص نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے زیادہ پاک کھانا نہیں کھایا اور اللہ کے نبی حضرت داودؑ بھی اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے۔"**

ایک حدیث شریف میں ہے کہ: عن ابي هريرة رضي الله عنه، ان رسول الله ﷺ , قال:" والذي نفسي بيده لان ياخذ احدكم حبله فيحتطب على ظهره خير له من ان ياتي رجلا فيساله اعطاه او منعه"(33) **"ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر کوئی شخص رسی سے لکڑیوں کا بوجھ باندھ کر اپنی پیٹھ پر جنگل سے اٹھالائے پھر انہیں بازار میں بیچ کر اپنا رزق حاصل کرے تو وہ اس شخص سے بہتر ہے جو کسی کے پاس آکر سوال کرے۔ پھر جس سے سوال کیا گیا ہے وہ اسے دے یا نہ دے۔"**

ایک حدیث شریف میں ہے کہ:عن عائشة, قالت: قال رسول الله ﷺ:"إن اطيب ما اكلتم من كسبكم, وإن اولادكم من كسبكم۔۔(34) **"سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا !سب سے پاکیزہ چیز جس کو تم کھاتے ہو تمہاری اپنی کمائی ہے اور تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی میں سے ہے۔"**

ایک حدیث شریف میں ہے کہ: عن ابي هريرة رضي الله عنه، عن النبي ﷺ، ورواه مسلم بن ابي مريم وزيد بن اسلم , وسهيل،عن ابي صالح، عن ابي هريرةرضي الله عنه، عن النبي ﷺ۔۔(35) **"ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا جو شخص حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کرے اور اللہ صرف حلال کمائی کے صدقہ کو قبول کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے داہنے ہاتھ سے قبول کرتا ہے پھر صدقہ کرنے والے کے فائدے کے لیے اس میں زیادتی کرتا ہے۔ بالکل اسی**

طرح جیسے کوئی اپنے جانور کے بچے کو کھلا پلا کر بڑھاتا ہے تا آنکہ اس کا صدقہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔"ایک حدیث شریف میں ہے کہ: عن انس بن مالك رضي الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما من مسلم يغرس غرسا اويزرع زرعا فياكل منه طير او إنسان اوبهيمة إلا كان له به صدقة--(36) ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو مسلمان بھی باغ لگاتا ہے جو زراعت کا کام کرتا ہے اور اس کے باغ یا کھیتی سے کوئی پرندہ، کوئی جانور یا کوئی انسان کچھ کھا جاتا ہے تو یہ اس کے لیے صدقہ ہوتا ہے۔“

ایک حدیث شریف میں ہے کہ: عن عن المقدام بن معديكرب الزبيدي،عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:" ما كسب الرجل كسبا اطيب من عمل يده وما انفق الرجل على نفسه، واهله وولده وخادمه، فهو صدقة۔"(37) ”مقدام بن معدیکرب زبیدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی کی کوئی کمائی اس کمائی سے بہتر نہیں جسے اس نے اپنی محنت سے کمایا ہو، اور آدمی اپنی ذات، اپنی بیوی، اپنے بچوں اور اپنے خادم پر جو خرچ کرے وہ صدقہ ہے۔“

ایک حدیث شریف میں ہے کہ:حدثنا يعقوب بن حميد بن كاسب ، حدثنا عبد العزيز الدراوردي، عن ثور بن زيد الديلي ، عن ابي الغيث مولى ابن مطيع، عنابي هريرة ، ان النبي ﷺ قال:" الساعي على الارملة والمسكين كالمجاهد في سبيل الله وكالذي يقوم الليل ويصوم النهار(38)”ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :بیوہ عورتوں اور مسکینوں کے لیے محنت و کوشش کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے مانند ہے،اور اس شخص کے مانند ہے جو رات بھر قیام کرتا، اور دن کو روزہ رکھتا ہے۔“

عن انس بن مالك ، قال: قال رسول الله ﷺ:" من اصاب من شيء فليلزمه."(39)”انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جسے روزی کا کوئی ذریعہ مل جائے، تو چاہیئے کہ وہ اسے پکڑے رہے۔“

امام غزالیؒ ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ:طلب الحلال فريضة على كل مسلم ۔"رزقِ حلال کا طلب کرنا ہر مسلماں (مرد و عورت) پر فرض ہے۔“(40)

اب تک کی بحث سے ثابت ہوا کہ انبیاء کرام ہوں یا دیگر عباد الرحمٰن سب نے محنت سے رزق حلال کمایا۔ رسولوں نے حصول رزق حلال کے لیے کوئی نہ کوئی پیشہ اختیار کیا ہے، اسی طرح سے ہر صنعت اور پیشہ جس میں رزق حلال ہو اچھا کام ہے۔

مزدور کی مزدوری ادا نہ کرنے کی مذمت:

ایک حدیث شریف میں ہے کہ: عن ابي هريرة رضي الله عنه، عن النبي ﷺ،قال: قال الله تعالى:" ثلاثة انا خصمهم يوم القيامة: رجل اعطى بي ثم غدر، ورجل باع حرا فاكل ثمنه،ورجل استاجر اجيرا فاستوفى منه ولم يعطه اجره.(41) **"ہم سے یوسف بن محمد نے بیان کیا، کہا کہ مجھ سے یحییٰ بن سلیم نے بیان کیا، ان سے اسماعیل بن امیہ نے، ان سے سعید بن ابی سعید نے اور ان سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم ﷺ نے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تین قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ جن کا قیامت میں میں خود مدعی بنوں گا۔ ایک تو وہ شخص جس نے میرے نام پہ عہد کیا، اور پھر وعدہ خلافی کی۔ دوسرا وہ جس نے کسی آزاد آدمی کو بیچ کر اس کی قیمت کھائی اور تیسرا وہ شخص جس نے کسی کو مزدور کیا، پھر کام تو اس سے پورا لیا، لیکن اس کی مزدوری نہ دی۔"**

مال حرام کی مذمت:

اللہ رب العلمین کا فرمان ہے: يَآيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۔(42) **"اے لوگو! زمین میں جو کچھ حلال پاکیزہ چیزیں ہیں، وہ کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ یقین جانو کہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔"**

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ آیتِ مذکورہ کے تحت لکھتے ہیں "جو کچھ زمین میں پیدا ہوتا ہے، اس میں سے کھاؤ بشرطیکہ وہ شرعاً حلال و طیب ہو، نہ تو فی نفسہ حرام ہو، جیسے مردار اور خنزیز اور ماأهل به لغير الله **(جن جانوروں پر اللہ کے سوا کسی کا نام پکارا جائے اور اس کی قربت مقصود ان جانوروں کے ذبح سے ہو) اور نہ کسی امر عارضی سے اس میں حرمت آگئی ہو۔ جیسے غصب، چوری، رشوت، سود کا مال کہ ان سب سے اجتناب ضروری ہے اور شیطان کی پیروی ہرگز نہ کرو کہ جس کو چاہا حرام کر لیا جیسے بتوں کے نام کے سانڈ وغیرہ اور جس کو چاہا حلال کر لیا جیسے** ماأهل به لغير الله۔۔ **وغیرہ۔"(43)**

اللہ رب العلمین کا فرمان ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ- وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُم بِهِ مُؤْمِنُونَ ۔(44) **"مومنو! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں ان کو حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو کہ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور جو حلال طیّب روزی اللہ نے تم کو دی ہے اسے کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کو تم مانتے ہو۔"**

کسب حلال اور رزق طیب کی بے شمار برکات ہیں۔ جب انسان کے پیٹ میں حلال کا لقمہ جاتا ہے تو اس سے خیر کے امور صادر ہوتے ہیں۔ اسلام میں جہاں محنت کی عظمت اور کسبِ حلال کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔ وہاں حرام مال اور ناجائز آمدنی کو انسان کی تباہی قرار دیکر اس کے مضر اثرات کو بھی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ حرام غذا اور بغیر محنت کی کمائی انسانی جسم کو مفلوج کر دیتی ہے ۔ اُس سے شر کے امور صادر ہوتے ہیں اور پھر ایسا شخص معاشرے کے لیے ناسور بن جاتا ہے۔ جس کے منہ کو حرام کی لت لگ جائے، اس سے خیر کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے؟

اسلام نے ایک جانب کسبِ حلال کو ایک عظیم نیکی کا عمل قرار دیا ہے تو دوسری جانب ناجائز اور حرام مال کو ہلاکت اور تباہی کا سبب بھی قرار دیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کی زندگی میں کسبِ حلال کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اس سلسلے میں اسلامی تعلیمات ہماری خصوصی رہنمائی کرتی ہیں۔

ابن کثیر نقل کرتے ہیں کہ ”حضور ﷺ کے سامنے جس وقت اس آیت (یا ایھا الناس کلوا۔ الخ۔) کی تلاوت ہوئی تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا، حضور ﷺ! میرے لیے دعا کیجیے، کہ اللہ میری دعاؤں کو قبول فرما یا کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”اے سعد! پاک چیزیں اور حلال لقمہ کھاتے رہو۔ اللہ تمہاری دعائیں قبول فرماتا رہے گا۔ قسم ہے اس خدا کی جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! حرام لقمہ جو انسان اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے اس کی شومی کی وجہ سے چالیس دن اس کی عبادت قبول نہیں ہوتی۔ جو گوشت پوست حرام سے پلا وہ جہنمی ہے۔“ (45)

خلاصہ کلام:

قرآنی تعلیمات اور سیرت طیبہ محمد رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہوا کہ محنت میں عظمت ہے، گداگری، رشوت خوری، جوا، چوری اور دیگر ناجائز ذرائع سے حاصل ہونے والی آمدنی حرام ہے۔ اور سستی، کاہلی اور کام چوری انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتیں۔ انسان کی بہتری اسی میں ہے کہ انسان محنت مزدوری کر کے عزت سے حق و حلال کی روٹی کمائے خود بھی کھائے اور دوسروں کو بھی کھلائے۔

حوالہ جات وتعلیقات

1۔سورۃالبقرہ 2)آیت نمبر:141

2۔ سورۃالبقرۃ(2)آیت نمبر:286

3۔ سورہ مدثر(74)آیت نمبر:38

4۔ فتوٰی نمبر:144001200755۔۔۔دارالافتاء:جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن۔ /
(https://www.banuri.edu.pk)۔۔

5۔ سورۃالبقرۃ(2)آیت نمبر:81

6۔ سورہ البقرہ(2)آیت نمبر:215

7۔سورۃالجمعہ(62)آیت نمبر:10

8۔ سورۃالمزمل(73)آیت:20

9۔سورہ المؤمنون(23)آیت نمبر:51

10۔سورہ ھود(11)آیت نمبر:37

11۔سورہ یوسف(12)آیت نمبر:55

12۔سورہ سبا(34)آیت نمبر:10,11

13۔سورۃالانبیاء(21)آیت نمبر:80

14۔ صحیح بخاری، کتاب: خرید و فروخت کے مسائل کا بیان، باب: انسان کا کمانا اور اپنے ہاتھوں سے محنت کرنا، حدیث نمبر:2072

15۔عثمانی، محمد شفیع، معارف القرآن، ج7،(کراچی، مکتبہ معارف القرآن، اپریل2008)طبع جدید، ص۔263-262

16۔سورۃالقصص(28)آیت:26

17۔ سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، (کتاب: تجارت کے احکام و مسائل) بَابُ:الصِّنَاعَاتِ (پیشوں اور صنعتوں کا بیان۔)، حدیث نمبر:2150

18۔سورہ مزمل(73)آیت نمبر:7

19۔سورۃالفرقان(25)آیت نمبر:7

20۔سورۃالفرقان(25)آیت نمبر:20

21۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی (وحی کے بیان میں)، جلد اول، حدیث نمبر:3

22۔ منصور پوری، سلیمان سلمان، قاضی، رحمۃ للعالمین،(کراچی، دار الاشاعت، 1411ھ/ 1995ء)، جلد اول، ص:45

23۔ گیلانی، مناظر احسن، سید، النبی الخاتم (کراچی، محمد علی کارخانہ کتب، تاریخ ندارد)، ص:34

24۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، (کراچی، دارالاشاعت، 2003ء)، ص:70

25۔ گیلانی، النبی الخاتم، ص:33-34

26۔ سورۃ النجم (53) آیت نمبر:39

27۔ سورہ البقرۃ (2) آیت نمبر:172

28۔ سورہ النباء (78) آیت نمبر:11

29۔ سورۃ الجمعہ (62) آیت نمبر:10

30۔ بیہقی، ابی بکر احمد بن حسن، الجامع لشعب الایمان، (ریاض، مکتبۃ الرشد، طبع الاول، 2003ء) باب حقوق الاولاد، ج11، ص:176

31۔ مشکوٰۃ شریف۔ جلد چہارم۔ دل کو نرم کرنے والی باتوں کا بیان۔ حدیث 1133

32۔ صحیح بخاری، کتاب: خرید و فروخت کے مسائل کا بیان، باب انسان کا کمانا اور اپنے ہاتھوں سے محنت کرنا، حدیث نمبر:2072

33۔ الصحیح بخاری، کتاب: الزکاۃ، باب50: بَابُ الاِسْتِعْفَافِ عَنِ الْمَسْأَلَةِ (سوال سے بچنے کا بیان)، حدیث نمبر:1470

34۔ سنن ترمذی، کتاب الاَحکام عن رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، (رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے فیصلے)، باب (22) باب مَا جَاءَ أَنَّ الْوَالِدَ يَأْخُذُ مِنْ مَالِ وَلَدِهِ (باپ بیٹے کے مال میں سے لے سکتا ہے)، حدیث نمبر:1358

35۔ الصحیح البخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب: بَابُ الصَّدَقَةِ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ (حلال کمائی سے خیرات کرنا) حدیث نمبر:1410

36۔ صحیح البخاري، كِتَاب الْمُزَارَعَةِ، (کھیتی باڑی اور بٹائی کا بیان)، بَابُ فَضْلِ الزَّرْعِ وَالْغَرْسِ إِذَا أُكِلَ مِنْهُ (کھیت بونے اور درخت لگانے کی فضیلت جس سے لوگ کھائیں)، حدیث نمبر:2320

37۔ سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، (کتاب: تجارت کے احکام و مسائل) بَابُ: الْحَثِّ عَلَى الْمَكَاسِبِ (روزی کمانے کی ترغیب)، حدیث نمبر:2138

38۔ سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، (کتاب: تجارت کے احکام و مسائل) بَابُ: الْحَثِّ عَلَى الْمَكَاسِبِ (روزی کمانے کی ترغیب)، حدیث نمبر: 2140

39۔ سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، (کتاب: تجارت کے احکام و مسائل) بَابُ: إِذَا قُسِمَ لِلرَّجُلِ رِزْقٌ مِنْ وَجْهٍ فَلْيَلْزَمْهُ (روزی کا کوئی ذریعہ مل جانے پر اسے پکڑے رہے۔)، حدیث نمبر:2147

40۔ غزالی، محمد بن محمد، احیاء العلوم (عربی) جلد 2، صفحہ: 89، مطبوعہ، کریاطہ فوتراۃ، سماراۃ/

https://www.dawateislami.net/bookslibrary/ur/ihya-ul-uloom-jild-2(page:89)

41۔ صحیح البخاري، كِتَاب الْإِجَارَةِ (اجرت کے مسائل کا بیان)، بَابُ: إِثْمِ مَنْ مَنَعَ أَجْرَ الأَجِيرِ (اس امر کا بیان کہ مزدور کی مزدوری مار لینے کا گناہ کتنا ہے) حدیث نمبر: 2270

42۔ سورۃ البقرہ (2) آیت نمبر: 168

43۔ عثمانی، شبیر احمد، تفسیر عثمانی (لاہور، پاک کمپنی، یکم دسمبر 1999ء) ص: 31

44۔ سورۃ المائدۃ (5): آیت نمبر: 87، 88

45۔ ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، (کراچی، نور محمد کتب خانہ تجارت کتب، سن ندارد)، جلد اول، پارہ دوم، ص: 19

ضروریاتِ زندگی کی کفالت سیرتِ طیبہ کی روشنی میں

ڈاکٹر محمود عالم آسی خرم جہانگیری

(اسکالر شعبہ علوم اسلامی جامعہ کراچی واستاد جامعہ المقصود، سرجانی ٹاؤن)

Abstract:

"Human is born weak .after that the baby need taking care. Life is found once, again and again. Life is wealth. Life requires many thing and giving are Parents, Covernment and Society responsibility. Life requires are bread, cloth, house and Education. when there is human burden, it is difficult to explain something. In the present article, writer is focused on the duties of man at the different stages of life.

In this regard writer also discussed the problems of "Guardianship" in Islam.

The writer is hopefull that the present article will be usefull for the betterment of society."

Keywords: Guardianship, Islam, Society, Need. Life, Human, Parents.

خلاصہ:

انسان بہت کمزور پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو نگہداشت کی ضرورت ہوتی ہے۔ زندگی ایک بار ملتی ہے۔ زندگی نعمت ہے۔ زندگی گزارنے کے لیے بہت سی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ روٹی، کپڑا، مکان اور تعلیم انسان کی بنیادی ضروریات ہیں۔ جن کی ادائیگی، انسان کے والدین، ریاست کے حاکم اور معاشرے کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ جب کوئی انسان، ان ضروریات کو خود حاصل کرنے کے قابل ہو جاتا ہے تو اس کو خاندان بنانے کا بھی حق حاصل ہو جاتا ہے۔

تمہید:

زندگی اللہ کی سب سے بری نعمت ہے۔ زندگی ایک بار ملتی ہے بار بار نہیں۔ ہر انسان کو زندگی گزارنے کے لیے بہت سی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس کو مہیا کرنا اللہ کی ذمہ داری ہے۔ انسانوں کو ضروریاتِ زندگی حاکم، معاشرہ اور والدین کے ذریعہ سے ملتی ہے۔ جو ضروریاتِ زندگی فراہم کرے اسے اسلامی اصطلاح میں کفیل کہتے ہیں۔

سابقہ کام کا جائزہ:

کفیل اور کفالت کے حوالے اسلامی لٹریچر میں مواد بکھرا پڑا ہے۔ کفالت کا فریضہ سرانجام دینے کی تاکید قرآن مجید، اور حدیثی روایات میں ہمیں ملتی ہے۔ اس عنوان کے تحت کئی رسائل و جرائد میں بھی لکھا گیا ہے۔ ششماہی التفسیر کراچی، جلد نمبر 11، شمارہ نمبر 2، مسلسل شمارہ نمبر 30، جولائی تا دسمبر 2017ء، میں برادرم، ڈاکٹر شاکر حسین خان صاحب کا ایک تحقیقی مقالہ "ضروریاتِ زندگی کی کفالت قرآن کریم اور سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں" شائع ہوا تھا۔ دراصل ایک کانفرنس میں ہم دونوں نے ایک ہی عنوان کے تحت مقالہ پڑھا تھا۔ جو ایک دوسرے کے مقالے سے قدرے مختلف تھا۔ خاں صاحب نے اپنے ذوق کے مطابق، مقالے میں زیادہ تر آیاتِ قرآنی سے استدلال کیا ہے اور کتب لغت، تفاسیر، کتب احادیث، کتب سیرت وغیرہ سے بھی استفادہ کیا ہے۔ تعامل عرب اور پاکستان کے مروجہ قوانین کے تناظر میں بات کی۔ جب کہ راقم کے مقالہ میں زیادہ تر احادیث سے استفادہ کیا گیا

ہے ساتھ میں تصوف کا رنگ بھی لگایا ہے۔ نیز فقہی تناظر میں ذمہ داری کا احساس دلانے کی سعی بھی کی اور فرائض ادا کرنے پر زور دیا۔ ساتھ ہی فضائل، برکات اور اخروی انعامات و درجات پر گفتگو کی ہے۔

ضروریاتِ زندگی کی کفالت:

حقیقتاً زندگی سے بڑھ کر اس زندگی کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر اس زندگی کی کفالت و پرورش درست اور صحیح ہو جائے تو حیات کو اس کا مقام مل جائے اور معراجِ زندگی اسی کو کہا جاتا ہے کہ زندگی کی پرورش و پرداخت پاکیزہ با مقصد اور درست ہو جائے۔ اس عقدہ کو یوں بھی کھولا کیا گیا ہے کہ "ہستی کو زندگی مل گئی" جیسا کہ درجِ ذیل آیتِ کریمہ میں اس فکر و فلسفے کی اہمیت و ضرورت کو بیان کیا گیا ہے۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِذْ تَمْشِي أُخْتُكَ فَتَقُولُ هلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى مَن يَكْفُلُه ۔ (1)

"آپ کی بہن چلی پھر کہا ! کیا میں تمھیں ان لوگوں کا بتادوں جو اس بچہ کی پرورش کر سکیں"

معروف مفسرین نے اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کے بارے میں تفصیل سے فرمایا ہے۔ اس پرورش سے متعلق قرآنِ کریم کی ایک اور معروف آیتِ مبارکہ میں اس کی تفصیلات کا ذکر یوں کیا گیا ہے۔

وَحَرَّمْنَا عَلَيْه الْمَرَاضِعَ مِن قَبْلُ فَقَالَتْ هلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى أَهلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَه لَكُمْ وَهمْ لَه نَاصِحُونَ ۔(2)

"اور ہم نے پہلے ہی سب دائیاں اس پر حرام کر دیں تھیں تو بولی کیا میں تمھیں بتادوں ایسے گھر والے کہ تمھارے اس بچہ کو پال دیں اور وہ اس کے خیر خواہ ہیں"۔

اس آیت کی تفسیر میں آتا ہے کہ:"چناں چہ جس قدر دائیاں حاضر کی گئیں ان میں سے کسی کی چھاتی آپ (موسیٰ علیہ السلام) نے منہ میں نہ لی اس سے ان لوگوں کو بہت فکر ہوئی کہ کہیں کوئی ایسی دائی میسر آئے جس کا دودھ آپ (موسیٰ علیہ السلام) پی لیں دائیوں کے ساتھ آپ کی ہمشیرہ بھی یہ حال دیکھنے چلی گئی تھیں اب انہوں نے موقع پایا۔ چناں چہ وہ ان کی خواہش پر اپنی والدہ کو بلا لائیں حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی گود میں تھے اور دودھ کے لیے روتے تھے فرعون آپ علیہ السلام کو شفقت کے ساتھ بہلاتا تھا۔ جب آپ کی والدہ آئیں اور آپ نے ان کی خوشبو پائی تو آپ کو

قرار آیا اور آپ نے ان کا دودھ منہ میں لیا۔ فرعون نے کہا تو اس بچے کی کون ہے؟ کہ اس نے تیرے سوا کسی کے دودھ کو منہ بھی نہ لگایا۔

انہوں نے کہا میں ایک عورت ہوں ۔پاک صاف رہتی ہوں ۔میرا دودھ خوشگوار ہے ۔ جسم خوشبودار ہے اس لیے جن بچوں کے مزاج میں نفاست ہوتی ہے، وہ اور عورتوں کا دودھ نہیں لیتے ہیں۔ میرا دودھ پی لیتے ہیں فرعون نے بچہ انہیں دیا اور دودھ پلانے پر انہیں مقرر کر کے، فرزند کو اپنے گھر لے جانے کی اجازت دے دی۔ چناں چہ آپ اپنے مکان پر لے آئیں۔"(3)

بحیثیت ماں کفالت کی بنیادی ضرورت میں سے کفالت کرنے والی ماں کی حیثیت و مرتبہ کا یہاں ذکر کر دیا گیا ہے کہ عورت جو بحیثیت ماں ہو وہ ماماتا کی صلاحیت سے پُر ہوتی ہے جو اس کی نسوانی شخصیت کی بلند ترین معراج ہے کہ اس کی آغوش میں پرورش پانے والی اولاد ایک مکمل شخصیت سے اپنی پرورش و پرداخت کا درجہ طے کرنے کے باعث ہی مکمل شخصیت کا روپ دھار سکتا یا سکتی ہے جو کہ اس کا فطری اور پیدائشی حق بھی ہے اور اس طرح پرورش پانے والی اولاد بھی مکمل شخصیت کی صورت و آب و تاب کے ساتھ اپنا روپ دھارتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاللہ يُحِبُّ الْمُطَّهِرِيْنَ۔(4)"اور اللہ پسند کرتا ہے پاکیزہ لوگوں کو"۔

پاک صاف رہنا ایک ایسا وصفِ انسانی ہے کہ انسان اور جانور میں صفائی ستھرائی کی ہی نفیس اور مکمل دبیز ہے کہ جو اسے انسانی وصف سے آراستہ و پیراستہ کرتی ہے اس حقیقت کو سیرتِ طیبہ کی روشنی میں واشگاف لفظوں میں یوں بیان کیا گیا ہے: الطّہور شرط ّمن الایمان۔ اور ایک حدیث میں آیا:لا تقبل الصوٰۃ بغیر طھور۔(5)"طہارت کے بغیر نماز مقبول نہیں"۔

آج فقدانِ پرورش میں یہ عنصر بھی وجدان و تسکین کی راہ کو منہ تکتا نظر آرہا ہے کاش! کہ کفالت کرنے والیاں ان کو ازبر رکھیں۔ خوشگوار دودھ سے کفالت و پرورش، آج خوشگوار زندگی اتنا ہی قلیل، ناپید اور گم نظر آرہی ہے جیسے کہ ریگستان میں پانی آج والدین اور زوجین بحیثیتِ زوجین خوشگوار زندگی کے لیے ہر جتن کرنے کے بعد بھی یوں تڑپتے سسکتے نظر آرہے ہیں، جیسا کہ ماں کی آغوش سے کسی معصوم کو جدا کر دیا جائے ۔ خوشگوار زندگی خواب بنتی جارہی ہے کہ جس کی تعبیر بتانے والے معبّرین جیسے کہ ناپید یا ختم ہوگئے ہوں۔ جب ہم خوشگوار کفالت کا ہی حق ادا نہیں کر

سکتے تو انسانیت کے لیے اس سے بڑھ کر شرم کا اور کونسا مقام ہو سکتا ہے سیرت طیبہ کا ایک معروف پہلو قرآنی وحیِ جلی کی صورت میں یہ تعلیمات ہی تو ہیں جو ہمیں اپنی گم گشتہ منزل کی جانب راہ دکھائی دیتی نظر آرہی ہیں کیا آج کے پرورش پانے والی ان معصوموں کو ان کی پرورش کی یہ بنیادی حقِ کفالت میسر آرہی ہیں اور ہم اخلاص کے ساتھ اسپر سرگرم ہیں؟

جسم خوشبو دار ہے؟ کیا آج ان باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ان باتوں کا بحیثیتِ ماں، دادی، نانی، دائی صاحبان ذمہ دار خاتون کی حیثیت سے اس حق اور فرض کو نبھانے کا کام انجام دے رہی ہیں کس پاکیزگی، لطافت، خوشبو اور طہارت و نفاست کے تقاضے کے التزام و احکام ہم پر لاگوں ہیں مگر ہم اپنی نسل کی ان بیج کو اعلیٰ و ارفع دیکھنے کے متمنی تو ہیں مگر جو ہمارا بحیثیت کفالت حق ہے اس حق کے حصول کے لئے کے اہم اس درجے کا التزام و اہتمام کر رہے ہیں؟ کہ ہم کفالت کے اس حقیقی التزام و اہتمام سے بری ہو جائیں؟

ماہرینِ نفسیات کی تحقیق:

ماہرینِ نفسیات کی تحقیق ہے کہ پرورش اور کفالت کے درمیان بچہ ماں کی آغوش سے ہی 75 فیصد صلاحیتوں کو حاصل کر لیتا ہے جو کہ دورانِ شیر خوارگی کا زمانہ ہے بقایہ 25 فیصد ماہرین، علماء، درس گاہ اور تربیت سے حاصل کرتا ہے۔یعنی اصل تربیت و کفالت ماں کی آغوش ہی ہے۔

(during period of mother growth) آج ہم پر یہ تقاضہ بڑھتا جارہا ہے کہ ان کی پر ورش اور کفالت کے تمام تقاضوں کو سیرت طیبہ کی روشنی میں پورا کر کے وجدان کی قناعت کے بجائے حقیقت میں وجدان کو مطمئن کر سکیں۔

کفالت و شفقت کی فضیلت:

کفالت و شفقت کی اہمیت کو سیرت طیبہ میں کن واشگاف الفاظ اور بیان کے ساتھ اہمیت دی گئی ہیں اس کے نظائر سے اوراقِ سیرت طیبہ بھرے پڑے ہیں جیسا کہ ایک مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وعن عوف بن ما لک ن الا شجعیؓ قال قال رسول اللہ ﷺ انا وامراءة سفعاء الخدين كها تين يو م القيا مة اوماء يريدبن زريع الى الوسطى والسبابة امراءة أ مت من زو جها ذات

منصب وّجما ل وّ حبست نفسھا علی یتا ما ھا حتی با نو وما توا۔ ”عوف بن مالک اشجعی سے روایت ہے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اورایک سیاہ رخساروں والی عورت قیامت کے دن اس طرح ہوں گے،یہ کہہ کریزید بن سریع نے وسطیٰ سابہ انگلی کی طرف اشارہ کیا۔وہ عورت جس کا خاوند فوت ہوگیا وہ جاہ وجمال والی ہے اپنے یتیم بچوں پر اپنے نفس کوروکا یہاں تک کہ وہ جدا ہوگئے یا مر گئے۔“(6)

آج کے معصوم پھول،کلیاں چیخ، چیخ کر مستقبل میں ہمارے لیے شیریں پھل بننے کے لیے خود ہمارے ہی تربیت وکفالت میں جذبہ ٔایثار محبت کے کس قدر محتاج ہیں غرض کہ ضروریاتِ زند گی کی کفالت میں سب سے زیادہ حق ان معصوم کلی اور جنت کے پھولوں کا ہے کہ ان کے بالغ ہو کراز خود جدا ہونے یا وفات سے جدا ہونے تک عدل پر مشتمل کفالت وپرورش کرنے والوں کو یا والیوں کو اس قدر قربِ شہ لولاک کا مژدہ سنایا گیاہے کہ کفالت کرنے والوں اتنا قربِ حبیب میسر ہو گا اتنا قرب اللہ اکبر! آج دورِ جدید میں بھی سیرت کے زیر اثر اور اس کے تحت وضع کیے جانے والے بچوں کے کفالت کے حقوق پر مشتمل ان اصولوں کوجس پر سیرت کے مطابق حضرت عمرؓ عمل پیرا تھے اور کفالت کا شاندار اصول تشکیل دیا تھا کینیڈا میں بچوں کی کفالت وپرورش پر مشتمل ان اصولوں کوبڑے فراغ دلی سے اس قانون کو”Umer laws“ کے ہی نام سے منسوب وموسوم کیا گیاہے۔

اللہ کے خلیل ابراہیم علیہ السلام کی سخاوت وکفالت سے کون نہ آشنا ہے اللہ کے رسول نے ان کی انہی وصف کے باعث اہلِ فخر میں شمار فرمایا ہے جیسا کہ امام ولی الدین عبد اللہ خطیب روایت فرماتے ہیں کہ:

وعن انسؓ قال جا ءرجل الی النبی ﷺ فقال یا خیر البریۃ فقال رسول اللہ ﷺ ذاک ابراہیم علیہ السلام۔(7) ”انس سے روایت ہے کہا ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اے بہترین خلق کہا،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ایسے ابراہیم علیہ السلام تھے۔“(8)

والدین کے بعد کفالت کا ذمہ:

والدین کے بعد کفالت کا ذمہ کے حوالے سے ،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے بھائی کے لیے فرمایا ہے کہ: وعن سعید بن العاص قال : قال رسول اللہ ﷺ حق کبیر الا خو ۃ علی

صغیر هم حق الوالد علی ولده۔ سعید بن عاص سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھوٹے بھائیوں پر بڑے بھائی کا حق اس طرح ہے جس طرح باپ کا حق اولاد پر ہے۔(9)

یقیناً بڑے بھائیوں کا چھوٹے بھائیوں اور بہنوں کی کفالت و ذمہ داری جہاں والدین کی انابت کے ساتھ خاندانی حقوق کی پاسداری ہے۔ اسی طرح سیرتِ طیبہ کی روشنی میں بحیثیت امتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ایک اہم اسلامی شخصی فرائضِ منصبی و کفالت کا تقاضہ بھی ہے۔ لیکن بد قسمتی سے سیرت کے مطالعہ کی محرومی یا اس سے عمداً انجان بننے نے آج اسلامی معاشرے کی حسین صورت میں بڑا بد نما اور گہرا داغ چھوڑا ہوا ہے شاید ہی اسلامی ممالک کے کسی خطے علاقے یا حصے یا معاشرے میں ایسی شکایت نہ سننے میں آتی ہو گی کہ والدین کے ضعیف ہونے یا ان کے موت کے بعد شرعی تقاضہء کفالت و پرورش یا میراث کی اسلامی اور تعلیم نبوی کے مطابق عادلانہ تقسیم کی جاتی ہو ورنہ اسلامی معاشرے کا ہر دوسرا تیسرا فرد بالواسطہ یا بلاواسطہ اس کا شکار نہ ہوا ہو، اسلامی معاشرے میں یہ شکایت انتہائی خطرناک صورت حال اختیا کرتی جارہی ہے کہ وراثت، کفالت تو کجا بنیادی انسانی حقوق تک کی پائمالی سے دریغ نہیں کی جاتی کے آج کہ اسکالرز، دانشور، قانون داں، فقہاء، علماء اور حکمراں کو اسلامی معاشرے کے اس عالمی مسئلے کی سیرت طیبہ کی روشنی میں فوری سدّباب کی اشد ضرورت ہے ورنہ غفلت و بے حسی پر مشتمل یہ رویہ خدانخواسطہ اسلامی معاشرے کی تاروپود نہ بکھیر دے اور آندھی کے مثل ہمارا سب کچھ خس وخاشاک کی طرح بہا کر ضایع و برباد نہ کردے۔ یہ تو شہری زندگی میں سیرتِ طیبہ سے فروگزاشت کا ایک معمولی نقشہ تھا۔ اصل صورتِ حال اس سے کہیں زیادہ بگڑ چکی ہے۔ جب کہ دیہات کے رہنے والے تو پسماندگی کے ساتھ اس طرح کے ناہمواری سے کچھ کم متاثر نہیں ہیں۔ انسانی بنیادی حقوق کے غصب کرنے کے نقوش راقم التحریر کی تحریر سے کہیں زیادہ حد تک بگڑی ہوئی ہے جس کا بیان ناممکن تو نہیں از بس دشوار ضرور ہے۔ بالخصوص خواتین کے حقوق و کفالت و کفایت کے حوالے سے تو یہ منظر و رویہ انتہائی حدوں اور فاصلوں کو بھی پار کر چکا ہے۔

(۱)۔ قرآن سے شادی، تاکہ میراث میں ان کا حق غصب کر لیا جائے، کفالت سے محروم کر دیا جائے۔ (۲)۔ کاروکاری۔ (۳)۔ کالوکاری۔ (۴)۔ سیاہ کاری۔ (۵)۔ غیرت کے نام پر قتل اور ان کے عزت وناموس سے کھیلنا موذی درندے بھی جس سے شرما جائیں ایسے بھیانک سلوک کرنے والے بھی

کون ہیں اس نبیءرحمت سراپا شفقت و الفت کے محور رحمۃ للعٰلمین شفیع المذنبین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی امّت جنھوں نے آخری خطبہ میں فرمایا تھا:

بقول شاعر:

نہ ہرگز بھولنا تم سب آپس میں بھائی بھائی ہو — کرنا وہ کام جسمیں تمہارے دین و عقبیٰ کی بھلائی ہو

تمہاری عورتوں کے حق میں اگر کوئی کمی آئی — تمہارے دین و دنیا کی جہاں میں ہو گی رسوائی

بہرحال بقول شاعر

افسانہ غم سنایا جسے دل ہلا دیا — ہم جسکے آگے روئے اسی کو رلا دیا

کفالت کی حسین مثال:

ڈاکٹر غلام مصطفی خاں نے علی گڑھ کالج میں داخلے کے بعد کوشش کی کہ فیس (fees) معاف ہو جائے تا کہ اہل خانہ پر مالی بوجھ کم ہو جائے فرماتے ہیں۔۔ بڑے بھائی نذیر احمد خان(جو پوسٹ آفس میں ملازمت کرتے تھے) کو خط لکھا کہ اساتذہ مجھ پر بڑی شفقت فرماتے ہیں امید ہے کہ وہ فیس معاف کر دینگے۔ بڑے بھائی نے جواب دیا کہ ہرگز فیس کی معافی کی درخواست مت دینا ممکن ہے کوئی طالب علم تم سے زیادہ مستحق ہو اور اس کا حق مارا جائے چناں چہ میں نے درخواست نہیں دی۔(10)

بیٹیوں، یتیموں اور بہنوں کی کفالت:

بیٹیوں، یتیموں اور بہنوں کی کفالت کی فضیلت میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ: وعن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ من اٰ وٰ ی یتیما الی طعامہ وشرابہ اوجب اللہ لہ الجنّۃ البتۃ الا ان ّیعمل ذنباًلّا یغفرومن عال ثلاث بنا ت او مثلھنّ من الاخوات فادّبھنّ ورحمھنّ حتی یغنیھنّ اللہ او جب اللہ لہ الجنّۃ فقال رجل یا رسول اللہ اوثنتین قال اوثنتین لو قالو اواحد ۃ لقال واحد ۃ وّمن اذ ھب اللہ بکریمتیہ وجبت لہ الجناۃ قیل یارسول اللہ وما کریمتاہ قال عیناہ۔

”ابنِ عباس سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی یتیم کو اپنے کھانے اور پینے کی طرف جگہ دے اللہ اس شخص پر جنت واجب کر دیتا ہے مگر یہ کہ ایسا گناہ کرے جس کو بخشا نہیں جاتا اور جو شخص تین بیٹیاں یا ان کے مثل تین بہنوں کی پرورش کرے ان کو ادب

سکھائے اور ان پر شفقت کرے یہاں تک کہ اللہ تعالی ان کو بے پرواہ کر دے اس کے لیے اللہ تعالی جنت واجب کر دیتا ہے ایک آدمی نے کہا اللہ کے رسول اگر دو کی پرورش کرے فرمایا اگر دو کی پرورش تب بھی صحابہؓ نے عرض کیا اگر ایک ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ایک بھی ہو اللہ تعالیٰ جس کی دو محبوب چیزیں لے لے اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے پوچھا گیا اے اللہ کے رسول دو پیاری چیزیں کیا ہیں۔فرمایا: اس کی دو آنکھیں۔"(11) یتیموں کی کفالت کی اسلامی معاشرے میں نہایت ہی اہم ضرورت و اہمیت و قدر ہے اور اسلامی معاشرے کے نہایت ہی جلیل القدر اور قد آور شخصیات یتیم ہی کی صورت جلوہ گر ہو کر بڑے بڑے مقامات پر فائض نظر آتے ہیں خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیمی میں ہی پرورش پائی اور خاتم النبیین کے عظیم مقام و مرتبہ پر فائز المرام ہوئے اس لیے قرآن میں اللہ تعالی نے فرمایا:

فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلاَ تَقْهَرْ۔"تو یتیم پر دباؤ نہ ڈالو"۔(12)

اور درج بالا مذکور حدیث سے یتیم کی کفالت ان کی غذاء و طعام اور پرورش کرنے والوں کی اللہ تعالی مغفرت فرما دیتا ہے جو نہایت اعلیٰ جزا اور گراں قدر انعام و اکرام کا مقام و مرتبہ ہے کہ ان کی بخشش سے بڑھ کر کوئی عطا و اعزاز نہیں یتیم سے حسنِ سلوک اتنے بڑے بار گراں کے حصول کا ذریعہ ہے۔ آج اسلامی معاشرے کے افراد کو سیرت طیبہ کے زریں احکامات کی روشنی میں عملی زندگی میں اپنے رویوں کو احتسابی نظر سے اصلاح کے ساتھ عملی اخلاقی محاذوں میں سیرت طیبہ کو لاگو کئے بغیر چارہ نہیں ہے۔

بقول شاعر:

آج کا انساں بن کے درندہ گھوم رہا ہے جہان میں رے
رحم نہ کھائے انساں پہ انساں یہ کیسا انسان رے

مسلسل تنبیہ بھی کی جارہی ہے کہ ایسے برے عمل سے بچتے رہنا جو کہ کبائر کے درجے میں ہیں یا حقوق العباد میں لاپروائی نہ کرنا، کہ بندہ کی بخشش مشکل میں ڈال دیتی ہے۔ اسی طرح تین بیٹیاں یا بہنوں کی کفالت و پرورش ان کے ساتھ شفقت اور مہذب اخلاق کی تربیت بھی وجوب جنت کی ضامن ہے۔ یہاں تک کہ دو کے بعد ایک بہن، یا بیٹی کی اچھی اور درست تربیت و کفالت بھی جو ان کو پر

سکون امن و چین سے ہمکنار کرے وجوب جنت کی ضمانت ہے۔ اس کے بعد انسان کی جسمانی علت آنکھوں کی بینائی کے ختم یا رخصت ہونے اور اللہ کی کفالت و پرورش پر صبر کے جزا کے طور پر اسے صبر و استقامت کے انعام اور اس کے بشارت کے طور پر جنت کے وجوب کی ضمانت دی جارہی ہے کہ ایمان لانے کے بعد کسی بھی فعل و عمل کو بے کار نہ سمجھا جائے ہر عمل پر خطیر انعام و اعلان کی بشارت ہے کہ: ”ان اللہ کتب الاحسان علی کل شی“۔

جمیع امت مرحومہ کے کفالت پر بشارت:

ایک روایت میں کفالت پر بشارت اس طرح دی گئی ہے۔ حدیثی روایت ملاحظہ کیجیے:

وعن انس قال،قال رسول اللہ ﷺ من قضی لاحدمن امتی حاجة یریدان یسرّہ بھا فقدسر نی ومن سرنی فقد سراللہ ومن سراللہ ادخلہ اللہ الجنّة۔

انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے میری امت میں سے کسی کی ضرورت پوری کی وہ اسے خوش کرنا چاہتا ہے اس نے مجھ کو خوش کیا اور جس نے مجھ کو خوش کیا اس نے اللہ کو خوش کیا اور جس نے اللہ کو خوش کیا اس کو جنت میں داخل کرے گا۔(13)

عصرِ حاضر میں مخلصانہ کفالت کی ضرورت:

عصر حاضر میں مخلصانہ کفالت کرنے والوں کے لیے مذکور بالا حدیث میں اس کی اہمیت و ضرورت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ: (۱)۔جو کسی کی ضرورت پوری کرے وہ اسے خوش کرنا چاہتا ہے۔ (۲)۔اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کیا۔ (۳)۔کفالت کرنے والے نے اللہ کو خوش کیا۔ (۴)۔اس مخلص نے مخلصانہ کفالت کے باعث خود کو جنت کا حقدار کیا۔

لہٰذا سیرتِ طیبہ کے گوشے کے مطالعہ سے انسان کے انسان پر بہت سے حقوق عائد ہوتے ہیں جو کہ بحیثیت والدین، بحیثیت فردِ خاندان، بحیثیت معزز فردِ معاشرہ، بحیثیت استاد، بحیثیت اچھے پڑوسی، یقیناً جس پر عمل کر کے ہی اسلامی معاشرے میں خوشگوار محبت بھرے تعلقات کے مثبت اور مضبوط رشتے کے ساتھ اطمنان بخش کیفیات و اثرات کا دور دورا ہو سکتا ہے جو کہ پر امن معاشرے کی اہم اکائیوں میں سے ہے ایک ہیں۔ کیوں کہ: الخلق عیا ل اللہ۔ ”مخلوق اللہ کے رشتہ دار ہیں“ اور اللہ کے عیال کے ساتھ اچھا اخلاق اور رویہ اور مخلصانہ طرز انسان کو خوشبو کی مثل لہکاتا اور مہکاتا رہتا ہے۔

مکفل کے تقاضے:

وعن ابنِ عمر اتی النّبی و فقال یا رسول اللّٰہ انّی اصبت ذنبا عظیما فھل لی من تو بۃ قال ھل لک من امّ قال لا قال وھل لک من خا لۃ قال نعم قال فبر ھا۔

"ابنِ عمرؓ سے روایت ہے کہا ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کہا اے اللہ کے رسول میں نے ایک بہت بڑا گناہ کیا ہے کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تیری ماں ہے ؟ اس نے کہا نہیں فرمایا کیا تیری خالہ ہے اس نے کہا ہاں فرمایا اس کے ساتھ نیک سلوک کر۔"(14)

مذکورہ بالا حدیث سے انسانی اعمال کی خرابی اور اس کے گناہ کے معاف ہونے اور اس کی بخشش و توبہ کے در کو وا کرنے کا ذریعہ والدین اور کفالت کرنے والوں میں سب سے قریبی رشتہ دار ماں کو بیان کیا جارہاہے، جس سے جہاں کفالت کرنے والوں کی عظمت و فضیلت کا درس مل رہا ہے اسی کے ساتھ لائق وفائق مکفل کے احسان مندانہ اور اعلیٰ اخلاقی رویوں سے لیس ہونے کے تقاضے کا بھی برجستہ اظہار وثبوت مل رہاہے۔ کاش کہ عہدِ حاضر میں اس تقاضے کو سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں پرکرنا اور برتنا بھی ہماری خصال وخصلت ہو جائے۔ یہ منظر اب تو بہت خال خال ہی دیکھنے اور سننے کو ملتاہے آج تو احسان و کفالت کرنے والا شاندار وقار و عاجزی کے ساتھ منہ نیچے کیے نظر آتا ہے اور مکفل و محسن بڑے دھڑلے سے منہ اونچا کرکے بے شرمی اور بیباکی سے بڑی بڑی باتیں کرتے نظر آرہا ہوتا ہے سیرۃ نبوی کی قیمتی تعلیمات سے انحراف ہی ہماری اخلاقی، علمی، قلمی، عصری بربادی وتباہی کا شاخسانہ ہے۔ عاملینِ اور حاملینِ سیرت پہ ہی شاعرِ مشرق ڈاکٹر اقبال فرماگئے:

طواف احمد کی امیں کا فلک کرتے ہیں یہ وہ بندے ہیں ادب جنکا ملک کرتے نہیں

وعن انس قا ل، قال رسول اللّٰہ ﷺ ان العبد لیموت والدا ہ اواحد ھماوانہ لھما لعاق فلایزا ل یدعو لھماو یستغفر لھماحتی یکتبہ اللّٰہ با رّا۔"حضرت انسؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کسی شخص کے ماں باپ یا دنوں میں سے ایک فوت ہو جاتے ہیں وہ ان کا نافرمان ہوتا ہے وہ ان کے لیے استغفار اور دعاکرتارہتا ہے یہاں تک کہ اس کو اللہ تعالی نیکوکار میں لکھ دیتا ہے۔"(15)

حدیث مذکور میں ضرویاتِ زندگی کی بھرپور اور مکمل کفالت کرنے والے والدین اور محسن کے وصال کے بعد بھی ان کے لیے استغفار، معافی اور بخشش کی سفارش کرنے کو مکفل کے لیے باعث حصولِ اجر و مغفرت کا شاندار موقع، وسیلہ اور ذریعہ قرار دیا جارہا ہے نبوی سیرت و کردار کے حامل افراد کو اس کے ذریعہ گناہ گار انسان کو گناہ عار اور احسان کے بار اور بدلے کو اور احسان کو احسان کے ساتھ پلٹانے کی ضرورت و اہمیت کی اور اس نفیس اور پاکیزہ جذبے کی پرورش اور اس کی حوصلہ افزائی کی بھی اہمیت حاصل ہورہی ہے۔

وعن ابی الطفیل قال ر ءا النبی ﷺ یقسم لحما با الجعرّا نہ اذا اقبلت امر ءاۃ حتی ذنت الی النّبی ﷺ فبسط لھا ردا ءہ فجلست علیہ فقلت من ھی فقالو ھی امّہ الّتی ار ضعتہ۔

"ابو طفیل سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ جعرانہ میں گوشت تقسیم کر رہے ہیں ایک عورت آئی جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آئی آپ نے اپنی چادر پھیلا دی وہ اوپر بیٹھ گئی میں نے کہا یہ کون ہے صحابہؓ نے کہا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں ہیں۔"(16)

حدیث مذکورہ بالا میں چند باتوں کی وضاحت اور اس کی اہمیت کی روشنی مل رہی ہے:

(۱)۔صدقات کا اہتمام کرنا۔ (۲)۔بہترین صدقات میں اشیاءخورد و نوش ہیں اور اسی کا اہتمام کرنا۔ (۳)۔ تقسیم کرنے کے دوران حلم و وقار اور بردباری کا اہتمام کرنا۔(۴)۔معززین، رشتہ دار عزیز اور بزرگوں کا احترام کرنا۔ (۵)۔احسان کرنے والوں، کفالت کرنے والوں کو فراموش نہ کرنا۔ (۶)۔ تقسیم اور کفالت کرنے میں جانور سے پہلے انسان کو ترجیح دینا۔ (۷)۔سفارش کو نہیں کفالت کو برتر رکھنا۔

سیرتِ طیبہ کی روشنی میں کفالت و پرورش کے جملہ مناظر کو مد نظر رکھ کر اور ترجیح دے کر کفالت و پرورش کے 100، فیصد مقاصد و اہداف کی تکمیل ہوسکتی ہے۔عہد حاضر میں میدان کفالت میں بے شمار دوکان کھلی ہوئی ہیں کاش کہ نبوی سیرت و کردار اور اخلاق کو مدِّ نظر رکھ کر اس خدائی خد مت گار کے کارہائے نمایا کو نمائی سے بچ کر انجام دیا جائے تو ضرور اس کا شاندار نتیجہ نکل سکتا ہے لیکن بدنصیبی ایسا نہیں ہے۔

اگر نبوی تعلیمات کا عظیم ذخیرہ وحی متلو کی صورت قرآنی آیتوں سے بھرپور سفارش حاصل کی جائے تو شاندار نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔

جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْه لِنَفْسِي فَلَمَّا كَلَّمَه قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مِكِينٌ أَمِينٌ ۔ قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَآئِنِ الأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ۔(17)

"اور بادشاہ بولا انہیں میرے پاس لے آؤ کہ میں انہیں خاص اپنے لیے چن لوں۔ پھر یوسف سے بات کی تو کہا بے شک آج آپ ہمارے یہاں معزز معتمد ہیں یوسف نے کہا، مجھے زمین کے خزانوں پر لگادیں، بے شک میں حفاظت والا علم والا ہوں۔"

المختصر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے عمل سے دورِ جدید کی appointing authorities کو بتایا کہ اگر کسی کو اہم منصب پر فائز کرنا ہو تو پہلے یہ دیکھ لیا جائے کہ وہ لائق ہے یا نہیں، خائن تو نہیں؟ کیوں کہ خائن امانت داری کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ ساری ابتری خائن کی خیانت سے ہوتی ہے اور خیانت کا تصور بہت وسیع ہے۔ آنکھ کی خیانت، زبان کی خیانت، خیال کی خیانت، اختیار کی خیانت، مال کی خیانت، جان کی خیانت، وغیرہ وغیرہ۔ پھر بادشاہ نے خواب کی تعبیر بتانے کی درخوست کی تو آپ نے فرمایا: لازم یہ ہے کہ غلہ جمع کیا جائے اور ان فراخی کے سات سالوں میں کثرت سے کاشت کرائی جائے۔ اس غلہ کو معہ بالوں کے محفوظ رکھا جائے، رعایہ کی پیداوار میں سے خمس لیا جائے، اس سے جو جمع ہو وہ مصر اور مصر کے باہر کے باشندوں کے لیے کافی ہو گا، پھر خلقِ خدا آپ کے پاس غلہ خریدنے آئے گی اور آپ کے اتنے خزانے جمع ہونگے جو آپ سے پہلو کے لیے جمع نہیں ہوئے، یوسف علیہ السلام نے قرضوں کے بجائے اور خارجی انتظام کے بجائے داخلی انتظام کو ترجیح دی ،خوشحالی کے سالوں میں خوب کاشت کا حکم دیا، ہم خوشحالی میں بے خبر رہتے ہیں، بدحالی میں ہوشیار ہوتے ہیں۔ ہمیں یوسف علیہ السلام کی اقتصادی (بحیثیتِ حکمران ضروریاتِ زندگی کی کفالت) حکمتِ عملی سے سبق لینا چاہئے۔(18)

حدیثی روایت ملاحظہ کیجیے:

وعنہ و عن عبد اللہ قا ل قا ل رسول اللہ ﷺ الخلق عیا ل اللہ فا حبّ الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ ۔

اور انھی انس اور عبد اللہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! تمام مخلوق اللہ تعالی کا کنبہ ہے اللہ تعالی کی طرف مخلوق میں بہترین وہ ہے جو اس کی کنبہ کی طرف احسان کرے۔(19)

درج بالا حدیث سے کفالت کرنے کی اہمیت و خصوصیت پر خاندان، قوم،ملت و اقوام بلکہ عالمِ انسانیت کو ان کی اس بنیادی انسانی حق اور کفالت کی ضرورت پر اس کی ترغیب دیتے ہوے اس کی ادائیگی اور اس کی حوصلہ افزائی کی قیمتی قدروں سے بھرپور اور لیس رہنے کا حکم دیا جارہاہے اور ساری مخلوق کو اللہ اپنا کنبہ کہہ کر ان کی وقعت و قدر یاد دلاتے ہوئے کس قدر دوبالا کیا جارہاہے۔ اور اس میں اسلام کی تخصیص نہیں انسانیت کی وسعت نہیں بلکہ کل مخلوقات کو اپنا کنبہ بتاتے ہوئے اپنے کنبہ کے ساتھ اچھا رویہ اور سلوک اور کفالت کرنے والوں کو ہی اعلیٰ القاب اہل احسان سے روشناس فرمایا جارہاہے جس سے اس کے مخلوق کی قدر و اہمیت کے ساتھ ان کے ساتھ اچھے رویہ اور سلوک کرنے والوں کی فضیلت و مرتبہ کا برملا اثبات و اظہار بھی ہو رہاہے۔ ایک حدیث اس طرح روایت کی گئی ہے کہ:

وعنہ عن النبی ﷺ قال بینا رجل بفلاۃ مّن الار ض فسمع صوت فی سحا بۃاسق حدیقۃ فلا ن فتنحی ذالک ا لسحاب فافرغ مآءہ فی حرّ ۃ فاذا شر جۃمن تلک الشراج قد ستوعب ذالک المآءکلہ فتتبّع المآءفا ذا رجل قآئم فی حدیقتہ یحوّ ل المآ ءبمسحا تہ فقال لہ یا عبد اللہ مااسمک قال فلان الا سم ألّذی سمع فی السّحا بۃ فقال لہ یا عبد اللہ لم تسا لنی عن اسمی فقال انّی سمعت صوتا فی السّحا ب ألّذی ھذا مآؤہ یقو ل اسق حدیقۃ فلان لا سمک فما تصنع فیھا قال امّا اذا قلت ھذا فانّی انظر الی ما یخر ج منھا فا تصدّ ق بثلثہ وأ کل انا وعیالی ثلثاوّاردّفییا ثلثہ ۔(20)

انہی (ابوہریرہ) سے روایت ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا ایک آدمی جنگل میں جارہا تھا۔ اس نے بادل سے ایک آواز سنی کوئی کہہ رہاہے فلاں شخص کے باغ کو سیراب کرو بادل ایک طرف چلا پھر وہاں پتھریلی زمین پر برسا ایک نالی نے وہ سب پانی جمع کیا وہ آدمی اس پانی کے پیچھے ہولیا، ناگہاں ایک آدمی بیلچہ لیے باغ میں پانی پھیر رہاہے اس نے کہا اللہ کے بندے تیرانام کیاہے اس نے کہا فلاں ہے وہی نام جو اس نے بادل سے سنا تھا۔ اس نے کہا اللہ کے بندے تو میرا نام کیوں پوچھ رہاہے اس نے کہا میں نے اس بادل سے جس کا یہ پانی ہے سنا تھا اس سے

آواز آرہی تھی کہ فلاں شخص کے باغ کو سیراب کرو، تیرا نام لیا تھا۔ تو اس میں کیا کرتا ہے۔ اس نے کہا جب کہ تو نے ایسا سن لیا میں بتلاتا ہوں جو اس باغ سے پیداوار ہوتی ہے میں اس کو دیکھتا ہوں، ایک تہائی میں صدقہ کر دیتا ہوں، ایک تہائی، میں اور میرے اہل وعیال کھاتے ہیں اور اس باغ میں ایک تہائی لوٹا دیتا ہوں۔(21)

درست کفالت کا انعام:

مذکور الذکر حدیث بالا میں صحیح مناسب اور احسان مندانہ کفالت کرنے کی ضرورت اور اس کی تاریخی اہمیت کے ساتھ اس کی تربیت ورغبت دلاتے ہوئے اس کی فضیلت کا اعلان واظہار آسمان سے کر کے اس کی بلند ہمتی اور عظمت کا چرچہ کرتے ہوئے اس کو اس دنیا ہی کی زندگی میں اس احسان مندانہ عملِ کفالت کا فوری اور جزوی صلہ دے کر ثابت کیا جارہا ہے کہ آخرت کا صلہ ء کلی، برموقعہ، بروقت اور کتنا شاندار، باکمال، پائیدار اور لازوال ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے: مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَه عَشْرُ أَمْثَالِهَا۔(22) ”جو ایک نیکی لائے تو اس کے لیے اس جیسی دس ہیں۔“

مخلوقِ خدا کی اناج کے ساتھ کفالت کرنے کی اور اس کے صدقہ (نیکی) کرنے کی حوصلہ افزئی کی جارہی ہے، جب کہ اہل وعیال کی کفالت جو سب سے اعلیٰ درجے کا حق اور فرض ہے اس کی رغبت بھی دلائی جارہی ہے، جب کہ مسلسل ایک معتدل اور متوازن معاش اور اس کی کفالت کی اہمیت کو بھی بیان کیا جارہاہے کہ ایک حصہ اسی باغ میں لگا دیا جاتا ہے بیان کیا جارہاہے کیوں کہ اس سلسلے میں معروف حدیث ہے کہ: مَا عَالَ مَنِ اقتَصَدَا۔(23) ”میانہ روی اختیار کرنے والا کبھی مفلس نہیں ہوتا۔“

سیرت طیبہ کے مطالعہ سے دنیاوی اور اخروی زندگی میں توازن، تناسب اور عمل حسنہ کا حجم برقرار رہتا ہے بے چینی، بے بسی، بے کسی اور فکری مفلسی سے رخصت ونجات بھی حاصل ہوجاتا ہے۔

بقول شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ:

گر خیریتِ دنیاو عقبی آرزو داری بدرگہ ہش بیاوہرچہ می خواہی تمنا کن

عصر حاضر میں سیرتِ طیبہ کے گوشوں میں اپنی دنیاوی اور دینی مسائل کے حل کے لیے ہمیں اخلاصانہ انفرادی اور اجتماعی کوشش کی ضرورت ہے جس پر مسلسل تحریکانہ قوت وکاوش کے ذریعہ ہم اپنی تمام مشکلات ومسائل سے نجات پاسکتے ہیں کیوں کہ اہل علم کے نزدیک ہمارے اکثر مسائل

اور معاملات خود ساختہ (self criat problams) ہیں اور ان خود ساختہ مشکلات و معروضات کا سیرتِ نبوی ﷺ میں کافی و شافی آسان، سادہ حل موجود ہے۔ جس سے نابلد ہو کر آج ہم بھٹکتے جا رہیں ہیں اور مسلسل اپنے اور پرائے کے حاسدانہ، فاسقانہ، فاسدانہ چال کا شکار ہو کر بہت معمولی معمولی آسان اور سادہ حل طلب مسائل میں بھی بے بس و بے کس نظر آتے ہیں آج ذاتی، خاندانی، قومی، ملی، ملکی اور عالمی مسائل کے حل طلب کے لیے کہیں اپنے اور کہیں غیر کے سامنے کاسہ گدائی سے لیس ہونا ہمارا وطیرہ وشعار ہو گیا ہے جس پر نہ ہمیں شرم آتی ہے نہ حیا اور نہ ہی کوئی اس کارِ خیر کا پندار نظر آتا ہے اگر اہلِ سیرت علم و دانش ہیں تو ہم انہیں خاطر میں نہیں لاتے۔ آج سے پہلے، آج اور آج کے بعد اور آخرت تک کے تمام مسائل و معاملات کا واحد پائے دار، مکمل تصفیہ اور حل ہمیں سیرتِ طیبہ کے پاکیزہ اور روشن گوشوں میں تلاش کرنے کی ضرورت ہے واحد یہی گوشہ ہے کہ ہمیشہ سے روشن ہے اور اس کی روشنی کی چمک دمک کبھی ماند نہیں ہوئی اور انشاءاللہ نہ ہو گی۔

ایک روایت ملاحظہ کیجیے:

وعن ابی ہریرۃ عنہ قال، قال رسول اللہ ﷺ الساعیّ علی الارملۃ والمسکین کا الساعی فی سبیل اللہ واحسبہ قال کا القائم لا یفترو کا الصا ئم لا یفطر۔ "ابو ہریرہ سے رویت ہے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیوہ عورتوں اور مسکینوں کی خبر گیری رکھنے والا اللہ کی راہ میں سعی کرنے والے کی مانند ہے اور میرا خیال ہے آپ نے فرمایا: اس قیام کرنے والے کی مانند ہے جو رات کو سستی نہیں کرتا اور روزہ رکھنے والے کی مانند ہے جو افطار نہیں کرتا۔"(24)

بیوہ عورت یا کہ مسکین کسی بھی خوش نصیب معاشرے سے سہارا، مدد اور تعاون کے طلب گار ہونے کے ساتھ مسلسل توجہ طلب گوشہ، حصہ اور اپنے کفالت کے حق سے بری ءالذمہ ہونے کے حقدار ہوتے ہیں کہ ان کے تعاون، مدد اور حوصلہ افزئی کے بغیر کوئی بھی ترقی یافتہ معاشرہ مکمل مہذّب اور متدوّن معاشرہ نہیں ہو سکتا۔ جس طرح بے دار فکر و سوچ رکھنے والا معاشرہ اپنے دفاع اور روحانی اقدار کا حامل ہوتا ہے اسی طرح بیوہ اور مساکین کے حق اور حقوق سے جو معاشرہ خود کفیل ہو اس کے افراد اعلیٰ صالح اقدار کے حاملین ہونے کے ساتھ، ساتھ بہادر، جری اور ضبط و برداشت کی اعلیٰ

مناصب و درجے پر فائز ہوتے ہیں۔ جیسا کہ تازہ دم دستہ، سحر کی عبادت کرنے والا اور دن کو روزہ رکھنے والا قائم الیل و صائم الدھر۔

ایک روایت ملاحظہ کیجیے:

وعن سھل بن سعد قال، قال رسول الله ﷺ اناوکا فل الےتم لہ و لغیرہ فی الجنّۃ ھکذا واشار بالسبا بۃ والوسطی وفر ج بین ھما شیئا (25) ”سہل بن سعد سے روایت ہے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا وہ اس کا ہو یا کسی اور کا جنت میں اس طرح ہونگے یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سبابہ اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کے ااور ان میں تھوڑا سا فرق رکھا۔“(26) حدیث پاک کی عبارت سے بالعموم اور بالخصوص دونوں طرح یتیم کی کفالت و پرورش کو اتنے بڑے جزا اور اجر کی صورت واپس ملنے کی بشارت دی جارہی ہے کہ ایک مومنہ، مومن کو اور ان یتیموں کی کفالت کرنے والوں کے لیے اس سے بڑے بشارت وعطا کی صورت کی نظیر نہیں ہوسکتی کہ یتیم کی کفالت کرنے والا چاہے کسی بیوہ کے عقد کی صورت یا خونی عزیز کے ذریعہ ہو یا عام کوئی بھی یتیم کی پرورش ہو اس کو ایک ہتھلی سے متصل انگلیوں کی قرب و وصل و فصل سے تمثیل دی گئی کہ وہ اتنا قریب ہے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ جدا نہیں ہے اس حد درجہ قریب ہے۔ اللہ اکبر

حلال کفالت کا ہی صلہ ہے:

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ من طلب الدنیا حلالا استعفا فا عن المسئلۃ وسعی ا علی اھلہ وتعطّفا علی جا رہ لقی اللہ تعالی یو م القیا مۃ ووجہ مثل القمر لیلۃ البد ر ومن طلب الدنیا حلا لا مّکا ثرامّخا فرا مّرا ئیالقی اللہ تعالی وھو علیہ غضبان۔

”ابو ہریرہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص دنیا کو حلال طریقے سے سوال سے بچنے کے لیے عیال پر سعی کے لیے اپنے ہمسایہ پر احسان کرنے کے لیے طلب کرے گا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا اس کا چہرا چودھویں رات کے چاند کی طرح ہو گا جو کوئی دنیا کو حلال طریقے سے طلب کرے اس حال میں کہ وہ مال میں زیادتی کرنے والا اور فخر کرنے والا ہے اور ریا کر نے والا ہے اللہ تعالی کو قیامت کے دن ملے گا اس حال میں کہ اللہ تعالی اس پر ناراض ہو گا۔“(27)

درج بالا حدیث مذکور میں دنیا کے معاملات حلال اور پاکیزہ طریقے سے پورا کرنے اہل و عیال کے کفالت کا حق اور ہمسایہ پرنے کی اور خوش اسلوبی کے ساتھ ان کے ہمسائیگی کا حق اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی تعلیم کی حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ بطور انعام اللہ تعالیٰ اس کے اس کفالت کے جدوجہد کے صدق و اخلاص کے باعث بطو انعام و اکرام کے اس کے چہرے کو چودھویں کے ٹھنڈی ٹھنڈی ،کومل،کومل، میٹھی، میٹھی روشن ،روشن چاند کے چاندنی کے مثل روشن اور تابناک اور منور کرنے کی نبوی بشارت اور اس کا مژدہ سنا رہا ہے لیکن کفالت کے پاکیزہ طرز کو نظر اندز کر کے اسراف کرنے ،فخر کرنے ، دکھاوا کرنے کے باعث اس کے اس غیر معروف طرز پر اس کے معروف کفالت و ضرورت اور احسان کے رویے پر بھی اس سے خوش ہونے کے بجائے ناخوش اور ناراض ہونے کی رہبت فرما رہا ہے۔ آج معاشرے میں اس طرح کے ناروا طرز و نظائر کا سامنا کرنا کوئی ناممکن نہیں ہے اکثر اس طرح کے ناخوش گوار اور دلخراش واقعات سے دوچار ہونا پڑتا ہے کہ لوگ اپنے واجب کفالت اور ضروریات کا رونا رو کر بے شمار غیر واجب اور غیر ضروری تقاضوں سے بھی دریغ نہیں کرتے بعض مرتبہ غیر اخلاقی غیر شرعی اور دھونس جما کر کارِ حسنہ کو مشکوک بنا دیتے ہیں اکثر مغرور محتاج کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ابو ذر سے رویت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تین آدمیوں سے اللہ تعالی بات نہیں کرے گا قیامت کے روز ایک احسان جتانے والا جو دے کر احسان جتاوے، دوسرا اپنا مال چلانے والا جھوٹی قسم کھا کر، تیسرے آزار لٹکانے والا۔“(28)

بلکہ یہ دیانت کا فقدان ہے جو کفالت کو داغدار بنا رہا ہے۔ درج بالا حدیث میں: منا ن الذی لا یعطی شیئا الا منہ منفق۔”احسان جتانے والا جو دے کر احسان جتائے“ قابل، غور ہے یعنی کفالت کر کے ،احسان کر کے، سلوک کر کے جتانا بد ترین خصلت میں شمار فرمایا گیا ہے۔جب کہ ایک اور روایت میں ہے کہ:”تین آدمیوں سے اللہ تعالی بات نہیں کرے گا،نہ ان کی طرف دیکھے گا نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کو دکھ کا عذاب ہے۔”بوڑھا زانی، جھوٹا حاکم اور مغرور محتاج۔“(29)

اس طرح کی مثال اور منظر سے آج کا روشن خیال مادہ پرست معاشرہ بھرا پڑا ہے ایک طرف تو وہ ہیں جو کفالت و احسان اور سلوک کر کے جتا کر سب برباد کر دیئے ہیں۔ نیکی دکھاوے کے

لیے کرتے ہیں، اور یہ دلخراش منظر بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ کفالت سے استفادہ کا احتیاج بھی رکھتے ہیں اور غرور نخوت و تکبر سے بھی باز نہیں آتے ہیں جو ہمارے ساتھ احسان و اکرام وانعام کی بارش ثابت ہوتا ہے اور مجبوری میں اپنے قیمتی سلوک ورویئے سے ہماری خدمت و کفالت کا بارِ عظیم اٹھاتا ہے مگر ہمارا ان مشفق ومہربان جیسوں سے بھی حوصلہ افزا سلوک ورویہ نہیں ہوتا کیا بارِ محبت کے اٹھانے والے مشفق و محسنین نہیں ہیں؟ کیا ان محبین، مربی اور بزرگواروں کا ہم پر یہی حق ہے؟ کیا: هَلْ جَزَاء الْإِحْسَانِ إِلاَ الْإِحْسَانُ۔(30) ''احسان کا بدلہ صرف احسان ہے'' کا یہی شریف مہذب ومؤدب تقاضہ اور حق ہے؟

حوالہ 21 والی حدیث میں''من طلب الدنیا حلا ل'' کلمہ ہی کفالت کے صحیح رخ اور تقاضے کا محور ومخزن ثابت ہورہاہے۔ کفالت کا اصل مطلب وغرض بھی یہی ہے کہ کفالت حلال مال سے کی جانا ہی کفالت ہے۔ آج بد نصیبی سے مادرِ وطن کا اہم issue یہ ہے کہ پاکستان سے حلال، محنت اور خون پسینے سے کمائے ہوئے پیسوں کا باہر جانا اور پاکستان میں قومی، اسلامی اور دینی مفادات اور پرورش و کفالت کے لیے پاکستان میں ان پیسوں کا آنا بہت ضروری ہے جس کو سرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔ مستقبل کی تباہ کن سازشوں سے محفوظ رہنے کے لیے ان کا بروقت راست اقدام کے ذریعے سدِّباب کرنا بہت ضروری اور اہم ہے۔

اور اس کے بعد اس کی نحوست کا مطالعہ بھی بہت اہم ہو گا اگر اس کو فراموش نہ کیا جائے جیسا کہ اسی حدیث حوالہ 21 کی عبارت میں یہ بھی ایک کلمہ ہے کہ:لقی اللہ تعا لی وھو علیہ غضبان۔ ''اللہ تعالی کو قیامت کے دن ملے گا اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہو گا۔'' لہٰذا ہمیں سیرتِ طیبہ کے تعلیمات کی روشنی میں فی الفور بحیثیت ماہرینِ سیرت seerat expert منظم اور مربوط طرز پر بھرپور اصلاحی سفارشات پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں مخلوق کی خوشنودی، مصلحت پسندی اور موقع پرست بننے کے بجائے سیرتِ نبوی کے گوشے میں اپنے کار، کردار پر بھرپور کارکردگی پیش کرتے ہوئے اس کا بھرپور جائزہ لینے کی ضرورت ہے نہ کہ ضخامتِ صفحات کثرتِ الفاظ و اوراق اور زیورِ فصاحت وبلاغت سے اپنے رشحاتِ قلم کو سیاہی کے بوند اور حوض میں غوطہ دینے میں لگ جائیں۔

کیوں کہ اکثر اور تمام خرابی کی مرہون ہی غیر حلال کفالت و پرورش ہے اگر بھرپور اور منظم طریقے سے اس پر گرفت کرتے ہوئی اس موذی مورثی اور جراثیمی طفیلی jerms bectery کے مثل پرورش پانے والے امراض کا احاطہ اور تدارک کر لیا جائے تو اس کے اثرات سے پرورش پانے والے اکثر اور تقریبا موذی اخلاقی اور ناپاک امراض کا احاطہ، دفاع اور اس کا تدارک ممکن ہے جس کا بہترین علاج سیرتِ طیبہ کے ہی گوشے میں موجود و پنہا ہے "خوفِ خدا یعنی تقویٰ کو بتایا گیا ہے" جو اس کا بہترین، موئثر اور کافی شافی علاج ہے۔ اس لیے ہمیں ضرورت ہے کہ ہر طرح کی کامیابی کے لیے ہم سیرت کو اپنائیں اور فلاح پائیں۔

صاحب مشکواۃ، مشکواۃ "باب من لاتحل لہ الصدقۃ، میں یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ: وعن ابی ہریرۃ قال اخذت الحسن بن علی تمرّۃ ؓمن تمرّ الصّد قۃ فجعلھا فی فیہ فقال النّبی صلی اللہ علیہ وسلم کخ کخ لیطرحھا ثمّ قال اما شعر ت انّا لا ناکل الصّد قۃ۔(31)

"ابو ہریرہ سے روایت ہے کہا حسن بن علی نے صدقہ کی ایک کھجور پکڑ کر اپنے منہ میں ڈال لی نبی ﷺ نے فرمایا: دور کر تا کہ اس کو پھینک دے۔ پھر فرمایا تو جانتا نہیں کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے۔"(32)

سیرۃ النبی ﷺ کی ان ہی روشن، سادہ اوپر اثر تربیت کو آج ماخذ اصل بنا کر اپنے آل اولاد، خاندان، نظام ملک وملت کی پرورش کرنے کی ضرورت ہے تا کہ ہم حقیقی اخلاقی معراجِ انسانی کا زینہ طے کر کے خود کو انسان کہلانا نہ شرمائیں اور اپنے کھوئے ہوئے انسانی شرف واعزاز اور قدر کو ایک بار پھر پا لیں کہ کفالت و تربیت میں کتنا مستعد، منہمک، موئثر، حاضر دماغ اور موقعہ شناس ہونا چاہیے۔

کفالت اور خودداری کی تربیت:

"حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہا ایک انصاری آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپ سے سوال کرتا تھا آپ نے فرمایا تیرے گھر میں کوئی چیز ہے؟ کہا کیوں نہیں ٹاٹ ہے اس کے بعض کو ہم پہنتے ہیں اور اس کے بعض کو ہم بچھاتے ہیں اور ایک پیالہ ہے جس میں ہم پانی پیتے ہیں آپ نے فرمایا دونوں چیزیں میرے پاس لاؤوہ دونوں چیزیں جا کر آپ کے پاس لے آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا ان دونوں کو کون خرید تا ہے۔ ایک آدمی نے کہا میں یہ

دونوں ایک درہم میں خرید تاہوں۔ آپ نے فرمایا ایک درہم سے زیادہ کون دیتا ہے دو یا تین مرتبہ اس طرح فرمایا ایک آدمی نے کہا میں دو درہم دیتا ہوں آپ نے وہ دونوں اس کو دے دیں اس سے دو درہم لیے گئے اور انصاری کو دے کر فرمایا ایک درہم کا کھانا وغیرہ خرید لو اور اپنے گھر والوں کو دے دو دوسرے درہم کا تیشہ خرید کر میرے پاس لاؤ وہ لے آیا ،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک سے اس میں لکڑی ٹھونک دی اور فرمایا: جاؤ اور لکڑیاں لا کر بیچا کرو میں پندرہ دن تمہیں نہ دیکھوں وہ آدمی گیا اور لکڑیاں لاتا ان کو بیچتا اس کو دس درہم ملے اس نے چند درہموں کے ساتھ کپڑا خریدا کچھ کھانا خریدا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تیرے لیے بہتر ہے اس بات سے کہ قیامت کے دن سوال کا تیرے چہرے میں برا نشان ہو۔سوال کرنا تین شخصوں کے علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں۔(۱) ایسا محتاج جس کی بے چارگی نے اسے زمین میں ڈال رکھا ہے۔(۲) یا ایسا شخص جس کے ذمہ بھاری قرض ہے جس کو اتارنے کی اس کو طاقت نہیں۔(۳) یا کسی خون والے کے لیے جو درد پہنچائے۔"33 سیرتِ طیبہ کے ان سنہری عبارتوں کو بے اعتنائی سے نظر انداز کرنا، بھولنا اور اس سے سرف نظر کرنا ہی ہمارے خسارے کی وجہ ہے کہ آج خسر الدنیا والآخرہ کے مصداق ہمارا علمی اور اخلاقی محاسبہ ہم سے بہتر کوئی نہیں کر سکتا کہ آج ہمارا بحیثیت مسلمان سیرتِ طیبہ سے انحراف ورفو ہمیں کن کن اور کیسے کیسے اخلاقی قعر و ذلت کی پستی سے ہم کنار کرتا جا رہا ہے کہ محنت وعظمت کی قلت اور سوال کی ذلت ورسوائی کا بھی ہمیں ذرہ برابر پاس نہیں حلال کی کفالت و پرورش کی برکتیں ہیں کہ انسانی اور ملکوتی صفت وخصلت کا مرہون ہے جو عبادت کے انعام کی صورت میں پلٹتا ہے اور حرام کی کفالت و پرورش کی بے برکتی ہے کہ بہیمی حیوانی اور درندگی کی مرہون ومنت ہے جو عبادت کے بجائے بغاوت کی صورت پلٹتا ہے، حلال امن پسندی کا افیضان اور حرام کی کفالت تن پسندی کا سامان ہے، تن پسندی رحمٰن کی ناپسندیدگی کی طرف لے جاتی ہے جب کہ امن پسندی رحمٰن کے امان کی طرف اور مصطفٰی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامان کی طرف لے جاتی ہے یقیناً جو ہر اہلِ اسلام کا ارمان ہے۔

خودکشی اور غناء کی ضمانت رب کی کفالت:

وعن ابنِ مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ من اصا بتہ فا قۃ فانز لہا با الناس لم تسد فا قتہ ومن انز لہا با اللہ اوشک اللہ لہ با الغنآءامابموت عاجل او غنی أ جل ۔(34)

ابن مسعود سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو فاقہ پہنچے وہ لوگوں پر اس کو ظاہر کردے اس کی ضرورت پوری نہ کی جائے گی جو اللہ تعالیٰ سے یہی فریاد کرے قریب ہے کہ اللہ اس کو جلد ہی فائدہ پہنچائے یا تو اس کو جلد مار ڈالے یا بدیر تونگری عنایت فرمادے۔(35)

مذکورہ حدیث کے مطالعہ سے سیرت کے سرچشمہ کے ہر گوشے میں حیاتِ انسانی کے جملہ ادوار کے احیاء، کفالت اور پرورش کی ہر منزل تک کی رسائی کا ذریعہ اور درجہ بدرجہ طے کرنے کا زینہ ثابت ہوا ہے جو انسانی زندگی کے لیے موقع بہ موقع کامیاب زندگی گزارنے کی تعلیم و شعور آگہی سے بھری پڑی ہے، زندگی کا عام خاص یا نازک سے نازک تر کوئی بھی گوشہ ہو سیرت طیبہ میں ہر ادوار کے لیے مکمل آداب و آگہی، رہنمائی اور اس کے ہر ادوار کو گزارنے کے ساتھ ساتھ ہر نعمت کو بھرپور طریقے سے برتنے کی بھی شاندار اور واضح ہدایات ملتی ہیں لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کامیاب زندگی کے ہر گوشے کا واضح اور مکمل حل اور اس کا واحد سرچشمہ سیرت طیبہ ہی ہے جس کے دو مصادر ہیں ایک وحی متلو کی صورت قرآن کریم دوسرا وحی غیر متلو کی صورت ذخائرِ احادیث نبوی لہٰذا زندگی اور اس کی ہر طرح کی ضرورت و کفالت کے حقوق و عہد و آئین سے عہدہ براہ ہونے کے لیے ہمیں ان قیمتی، آسمانی اور آفاقی مصادر کے گوشوں سے ہی رہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔(36): "وَإِنَّكَ لَعَلى خُلُقٍ عَظِيمٍ۔اور آپ کا خلق ہی عظم ہے۔ (37)

حوالہ جات وتعلیقات

1۔القرآن:سورہ طٰہٰ(20) آیت:40
2۔ القرآن:سورہ القصص(28) آیت:12
3۔ مرادآبادی،سید محمد نعیم الدین، خزائن العرفان،ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، 2003ء، ص:484
4۔القرآن:سورۃ التوبہ(9) آیت108
5۔ محمد بن مسلم،ابوالحسین، صحیح المسلم، تبلیغی کتب خانہ لاہور، ذوالحجہ،1450ھ،ج:1،حدیث:443
6۔الخطیب،ولی الدین عبد اللہ، مشکوٰۃ،(اردو)، مکتبہ رحمانیہ لاہور،ج:2،ص:449
7۔بحوالہ:روایت صحیح مسلم۔
8۔ الخطیب،مشکوٰۃ،(اردو)،ج:2،ص:434
9۔ الخطیب،مشکوٰۃ،(اردو)،ج:2،ص:444
10۔ ہودہ،یونس،سندھ کی عظیم شخصیات اور صوفیاء کرام، سلسلہ پبلی کیشنز گلشن اقبال، کراچی،2010ء،ص:44
11۔ الخطیب،مشکوٰۃ،(اردو)،ج:2،ص:449
12۔ القرآن،سورہ والضحیٰ(93) آیت:9
13۔الخطیب،مشکوٰۃ(اردو)،ج:2،ص:453
14۔الخطیب،مشکوٰۃ(اردو)،ج:2،ص:441
15۔الخطیب،مشکوٰۃ(اردو)،ج:2،ص:443
16۔الخطیب،مشکوٰۃ(اردو)،ج:2،ص:141
17۔ القرآن،سورہ یوسف(12) آیت:54-55
18۔ محمد مسرور،ابوالسرور،جمالِ زندگی،اداریہ مسعودیہ کراچی،2011ء،ص:37-35
19۔ الخطیب،مشکوٰۃ(اردو)،ج:2،ص:453
20۔بحوالہ:روایت صحیح مسلم۔
21۔ الخطیب،مشکوٰۃ(اردو)،ج:2،ص:405
22۔ القرآن:سورۃ الانعام(6) آیت:160
23۔بحوالہ:روایت،مسند احمد بن حنبل / اُصولِ کافی بالمعنی
24۔ الخطیب،مشکوٰۃ(اردو)،ج:2،ص:445
25۔بحوالہ:روایت، صحیح البخاری

26۔الخطیب، مشکوٰۃ(اردو)،ج:2،ص:454

27۔ الخطیب، مشکوٰۃ(اردو)،ج:2،ص:495

28۔ محمد بن مسلم، ابوالحسین، صحیح مسلم، مترجم، علامہ وحید الزماں، تبلیغی کتب خانہ لاہور، ذوالحجہ، 1450ھ، ج:1، ص:199

29۔ محمد بن مسلم، صحیح مسلم، ج:1، ص:199

30۔القرآن: سورۃ الرحمٰن (55) آیت:60

31۔ روایت: متفق علیہ۔

32۔الخطیب، مشکوٰۃ(اردو)،ج:2،ص:393

33۔ الخطیب، مشکوٰۃ(اردو)،ج:2،ص:400-399

34۔ بحوالہ: روایت، رواہ ابوداؤد، ترمذی

35۔ الخطیب، مشکوٰۃ(اردو)،ج:2،ص:400

36۔ محمد مسرور، جمالِ زندگی، ص:38

37۔القرآن: سورۃ قلم (68) آیت:4

شعور نبوت ورسالت کے فروغ میں
شیخ محمد عبدالحکیم شرف قادری کا کردار

ڈاکٹر غلام احمد
(اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ عربی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد)
ڈاکٹر ناہید کوثر
(اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج برائے خواتین، قصور)

Abstract:

"Shiekh Muhammad Abdul Hakeem Sharf Qadri is a great Muslim scholar of Pakistan. He authored many significant books in Arabic, Persian and Urdu. He also translated Arabic books into Urdu. His Work Provides guidance to Muslims in every sphere of life. The title of my article is "Shiekh Muhammad Abdul Hakeem Sharf Qadri as seerat writer" and Shaikh Abdul Hakeem has played a very vibrant and intellectually insignificant role in spreading the understanding of the Prophet Muhammad(ﷺ)".

Keywords: Scholar, Pakistan, Arabic, Persian, Urdu.

اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایمان کی نعمت اپنے حبیب ﷺ کے ذریعے بخشی، آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے ساتھ ذکر فرمایا(۱)۔ نیز آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا(۲) یہی نہیں بلکہ آپ کی محبت بھری اطاعت کرنے والے اہلِ ایمان کو اپنی بارگاہ میں محبوبیت کی بشارت عطا فرمائی(۳) انسان کا ایمان فقط توحید کے اقرار سے مکمل نہیں ہوتا بلکہ کائنات سے کفر اور شرک کی ظلمتوں کا خاتمہ کرنے اور توحید کا نور بکھیرنے والے معلم کائنات کی نبوت ورسالت کا دل وجان سے اقرار اور شعورِ نبوت ورسالت ہی توحید کی حقیقی اور مکمل شناخت عطا کرتا ہے، ویسے تو یہ شعور ہر سچے مومن کو کسی نہ کسی حد تک حاصل ہوتا ہے مگر جس خوش نصیب کی عمر کا بڑا حصہ قال اللہ تعالیٰ اور قال الرسول ﷺ میں گزرا ہو اُس کے دل ودماغ میں جس قدر شعورِ نبوت ورسالت جلوہ گر ہوگا ہر کوئی آگہی کے اُس درجے تک نہیں پہنچ سکتا، ایسے حضرات نبوت ورسالت کے شعور وادراک میں مزید آگے بڑھتے رہتے ہیں، بلکہ ایمان والوں کے ایمان کو مزید تقویت پہنچانے کے شعور وادراک کی یہ خیرات دیگر لوگوں میں بھی فراخ دلی سے بانٹتے ہیں، پیش نظر تحقیقی مقالے میں اس امر کا جائزہ لیا جائے گا کہ درس وتدریس سے وابستہ رہنے والے، معتدل سوچ اور تحقیقی ذہن کے مالک عصر حاضر کے ایک عالم شیخ الحدیث مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دامن میں کس قدر شعورِ نبوت ورسالت سمیٹا؟ نیز شعور کی یہ دولت لوگوں میں کس قدر بانٹی؟

ہادی عالم ﷺ کا اس دنیا میں مبعوث ہونا اس کائنات آب وگل میں بسنے والی مخلوق اور بالخصوص حضرت انسان کو عظمتوں اور رفعتوں کی تطہیر کرکے انسانیت کو اوج ثریا تک پہنچانا تھا، اس مقصد کی تکمیل تعلیم کتاب وسنت سے وابستہ تھی جس کی ترجمانی خود کتاب لاریب یوں کرتی ہے:

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ۔(۴)

تاکہ آپ ﷺ لوگوں کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیں اور ان کو پاک کریں۔

رسولِ کریم ﷺ کی ظاہری حیات کے بعد صحابہ کرام اور اہلِ بیت عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبوی فیضان کو امت تک پہنچایا، ان کے بعد تابعین، تبع تابعین اور اولیائے صالحین: حضرت خواجہ حسن بصری، حضرت معروف کرخی، حضرت جنید بغدادی، شیخ عبد القادر جیلانی، حضور داتا گنج بخش ہجویری، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور حضرت خواجہ محمد عظیم رحمہم اللہ

تعالیٰ نے امت کو روحانی طریقے سے رسول کریم ﷺ کے دامن سے وابستہ کیا، انہی اولیاء اللہ میں ایک ہستی صوفی عالم، شیخ محمد عبد الحکیم شرف قادری کی ہے۔ آپ نے عمر بھر حدیث نبوی اور سیرت طیبہ کا نور عام کیا، درس و تدریس اور تعلیم و تعلّم نیز معرفت الٰہی سے ہزاروں قلوب و اذھان کو منور کیا، آپ نے دینی علوم میں قرآنیات وفقہ اسلامی اور سیرت طیبہ پر لکھنے کی سعادت حاصل کی، اس آرٹیکل میں آپ کی تصنیف: "مقالات سیرت طیبہ" اور آپ کی دیگر تحریروں میں سیرت نگاری کے پہلو کو بطور خاص ذکر کیا جائے گا۔ آپ کی تحریروں میں سیرت نگاری کے عنصر پر بات کرنے سے پہلے ذیل میں آپ کے مختصر حالات رقم کئے جاتے ہیں:

نام و جائے پیدائش:

شیخ محمد عبد الحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ کے والدین بچپن میں ہی سایہ پدری سے محروم ہو گئے تھے اور ان دونوں کی کفالت کی ذمہ داری ایک خدا ترس اور نیک خاتون ماں جی "جنت بی بی" نے اٹھائی اور نبھائی جو کہ ایک متقی وزاہدہ خاتون تھیں۔ اُنہوں نے دونوں یتیم بچوں کی پرورش کے ساتھ بڑی اعلیٰ تربیت کی، جوان ہونے پر دونوں کی شادی کر دی یہی وجہ تھی کہ شیخ کے والدین اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے متقی اور پرہیز گار تھے۔(۵)

ماں جی "جنت بی بی" رحمۃ اللہ علیہا نے آپ کا نام عبد الحکیم رکھا۔ آپ کی ولادت ۱۳، اگست ۱۹۴۴ء یعنی ۲۳ شعبان ۱۳۶۳ھ کو بھارتی صوبہ پنجاب کے ضلع ہوشیارپور کے مضافاتی گاؤں مرزاپور میں ہوئی۔(۶)

تعلیم و تربیت:

آپ کے والدِ گرامی مولانا اللہ دتا رحمۃ اللہ علیہ ایک نیک سیرت اور پرہیز گار انسان تھے، علمائے کرام اور اولیاء اللہ سے محبت کرنے والے تھے، قیام پاکستان کے وقت شیخ کے والدین ہجرت کر کے لاہور شہر میں قیام پذیر ہوئے(۷)۔ شیخ کے والدین ذکر واذکار میں مشغول رہتے اور گھر کا ماحول اللہ کے ذکر سے معطر رہتا۔ جیسا کہ ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی الازھری لکھتے ہیں:

"كانت أمه آية فی الصبر، والرضی، والحياء، وتقویٰ الله عزوجل، وكانت تتمسك بالصبر وتبتعد عن الجزع والفزع كل الابتعاد حتى فی أصعب الأحوال، وكانت ملتزمة بالصلوات الخمس بالاضافة الى شغفها البالغ بالقرآن الكريم، فكانت تجتهد فی تلاوة القرآن فی شهر نزوله حتى انها كانت تتلو بحب شديد حوالی عشرين مرة"۔(۸)

"شیخ کی والدہ صبر ورضا، حیاء اور تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھیں، مشکل ترین حالات میں اللہ عزوجل سے ڈرنے والی تھیں۔ وہ صبر کا دامن تھامنے والی، ہر قسم کے جزع وفزع سے دور رہنے والی اور نماز پنجگانہ کی پابند تھیں۔ اس کے علاوہ انہیں قرآن مجید سے بڑا گہرا شغف تھا۔ خاص طور پر رمضان مبارک میں کثرت سے تلاوت کیا کرتیں اور تقریباً بیس مرتبہ قرآن کریم ختم کرتیں۔"

یہ گھر کا وہ پاکیزہ اور شاندار ماحول تھا جس میں شیخ نے تربیت پائی اور ایام طفولیت سے ہی ذکر الٰہی آپ کے گوش وقلب میں جاگزیں ہوگیا۔ آپ نے اپنی والدہ محترمہ سے قرآن مجید پڑھا اور ساتھ ہی ابتدائی تعلیم کے لیے گورنمنٹ ایم سی ہائی اسکول میں ۱۹۵۱ء کو داخلہ لیا۔ تقریباً چار سال یعنی ۱۹۵۵ء تک اسی اسکول میں پڑھتے رہے، دریں اثناء دینی تعلیم کی لگن غالب آئی اور آپ نے اس خواہش اور تمنا کی تکمیل کے لیے فیصل آباد (لائلپور) کا ارادہ کیا اور جامعہ رضویہ میں داخلہ لیا اور دو سال تک ۱۹۵۵ء سے ۱۹۵۷ء قیام پذیر رہے۔ اور ابتدائی علوم مختلف اساتذہ سے پڑھتے رہے، اس کے بعد لاہور کا رخ کیا اور ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۱ء تک جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری گیٹ سے متوسط کتابوں سے مستفید ہوئے۔ لیکن علم کا شوق اس قدر تھا کہ جب آپ کو بندیال کے بارے میں پتہ چلا کہ وہاں نابغۂ روزگار ہستی شیخ عطاء محمد بندیالوی تدریس کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں تو آپ نے ان کے پاس جانے کا فیصلہ کیا، علم کی کٹھن راہوں کی پرواہ کئے بغیر جامعہ مظہریہ امدادیہ، بندیال شریف پہنچے اور پھر استاذالاساتذہ کی نگرانی میں اپنے تعلیمی سفر کی تکمیل کی۔(۹)

اساتذۂ کرام:

شیخ نے اپنے زمانے کے اکابر علماء کرام کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور اپنی علمی پیاس بجھائی۔ آپ نے محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد، علامہ غلام رسول رضوی، مفتی عبدالقیوم ہزاروی، علامہ عطاء محمد بندیالوی، علامہ محمد اشرف سیالوی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے استفادہ کیا، پھر آپ مسندِ تدریس

پر جلوہ گر ہوئے اور ایک زمانے کو فیضیاب کیا، شیخ محمد عبدالحکیم شرف قادری کی شخصیت کے اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے مفتی منیب الرحمٰن فرماتے ہیں:

"انہوں نے اپنے عہد کے ممتاز اساتذہ سے اکتسابِ علم و فیض کیا، پھر زندگی کا تقریباً سارا حصہ تدریس، تحقیق اور تصنیف میں گزار دیا، وہ اپنے ایام علالت سے پہلے طویل عرصہ تک اہل سنت وجماعت کی عظیم درسگاہ "جامعہ نظامیہ رضویہ" میں استاذِ حدیث رہے، اُن کے تلامذہ تقریباً دنیا کے اکثر ملکوں میں سینکڑوں کی تعداد میں موجود ہیں اور دین حنیف کی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔"(۱۰)

عرب شیوخ سے اکتسابِ فیض:

حضرتِ شیخ نے باقاعدہ طور پر حدیث شریف پاکستان میں پڑھی مگر آپ نے کثیر عرب شیوخ سے سندِ حدیث حاصل کی، اُن شیوخ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اُن میں سے محدث حرمین شریفین، علامہ سید محمد علوی المالکی اور الشیخ المعمر فضل الرحمٰن مدنی، مفتی اعظم مصر ڈاکٹر علی جمعہ، رئیس جامعہ ازہر ڈاکٹر احمد عمر ہاشم، شیخ محمد ہاشم السیوطی الحنفی، علامہ احمد بن سردار الحلبی الشافعی، سیّد یوسف ہاشم الرفاعی کے نام نمایاں ہیں۔(۱۱)

درس وتدریس:

شیخ نے درسیات کی تکمیل کے ساتھ ہی ان علوم کو آگے منتقل کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا اور تدریس کا آغاز جامعہ نعیمیہ جیسی عظیم درسگاہ سے ۱۹۶۵ء میں کیا۔ کچھ عرصہ بعد ہری پور ہزارہ میں تدریس کے فرائض سرانجام دیئے۔ اس کے بعد نظامیہ رضویہ لاہور میں تشریف لائے اور ستمبر ۲۰۰۲ء تک اس سے منسلک رہے۔ آپ کی علالت شدت اختیار کر گئی، اس لیے استعفیٰ دے دیا تاہم انفرادی طور پر آخری سانس تک یہ سلسلۂ تعلیم و تعلّم منقطع نہ ہوا۔(۱۲)

تلامذہ:

شیخ نے اپنی ساری زندگی دینِ متین کے لیے وقف کر رکھی تھی، بکثرت تشنگانِ علم و معرفت آپ سے فیض یاب ہوئے۔ آپ کے تلامذہ آج بھی عالمِ اسلام میں دین مصطفوی کی تبلیغ کے لیے مصروفِ

عمل ہیں، اُن میں سے کچھ کے اسمائے گرامی یہ ہیں: علامہ محمد صدیق ہزاروی، علامہ حافظ عبد الستار سعیدی، علامہ پیر سائیں سردار احمد عالم، علامہ غلام نصیر الدین چشتی، ڈاکٹر محمد مبارز ملک، ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی، ڈاکٹر فضل حنان سعیدی، ڈاکٹر اشفاق جلالی وغیرہم، راقم السطور (ڈاکٹر غلام احمد) بھی آپ کے خوشہ چینوں میں سے ایک ہے۔

راہِ سلوک:

دینی تعلیم وتربیت کے ساتھ معرفت الٰہی کے لیے روحانی تعلیم وتربیت کا حصول سلف صالحین وبزرگانِ دین کا طریق رہا ہے جس پر چل کر ہی اہل علم کو اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔ اس تناظر میں راہِ سلوک کے لیے شیخ نے جس ہستی کا انتخاب کیا وہ خانوادۂ اہل بیت اطہار کا نّیرِ تاباں، سید السادات حضرت علامہ ابوالبرکات سیّد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات تھی۔ شیخ نے مارچ ۱۹۷۰ء، ۱۳۹۵ھ کو قبلہ ابوالبرکات کی خدمت میں حاضر ہو کر دست بستہ عرض کی کہ آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ جس پر حضرت سیّد ابوالبرکات نے شیخ کی طلب وذوق کو آزمانے کے لیے بعد میں آنے کو فرمایا، لیکن یہ لذتِ آشنائی بھی عجیب چیز ہوتی ہے، شیخ نے عرض کیا: "میرے آقا جب کوئی کافر آپ کے پاس قبول اسلام کے لیے حاضر ہو تو کیا آپ یہی فرمائیں گے کہ بعد میں آنا؟ سیّد صاحب نے فرمایا: "کیا مطلب؟" تو شیخ نے بڑے ادب واحترام کے ساتھ عرض کی: "جناب میں آپ کے دست مبارک پر توبہ کر کے مرید ہونا چاہتا ہوں۔" تو حضرت سیّد صاحب نے کمال شفقت کرتے ہوئے فرمایا: "ہاتھ بڑھاؤ۔" پھر شریعت وطریقت کے اس شہباز کو سلسلۂ عالیہ قادریہ میں بیعت کر لیا۔(۱۳)

علمی ودینی آثار:

اہلِ علم اور صوفیہ کے ساتھ نسبت رکھنے والوں نے ہمیشہ اس دنیا میں علمی اور دینی ورثہ چھوڑا، اُن کی زندگیوں پر علمی ودینی خدمات کا پہلو ہمیشہ غالب رہا، چاہے وہ تصنیف وتالیف کا مرحلہ ہو یا تلامذۂ دین مصطفوی ﷺ کا حلقہ ہو، دنیا کے فانی ہونے پر ان کو یقینِ کامل رہا، ہمارے شیخ نے بھی تدریس کے ساتھ تصانیف پر گراں قدر کام کیا۔ کئی کتابیں لکھیں، کئی کتابوں پر حواشی لکھے۔ شیخ کو عربی واُردو کے ساتھ فارسی زبان وادب پر بھی مکمل عبور تھا، آپ نے عربی اور فارسی سے اُردو میں تراجم بھی کیے، عربی

سے اردو تراجم میں قرآن مجید فرقان حمید کا ترجمہ سرفہرست ہے، آپ کی تصنیفات میں سے چند کتب کے نام یہ ہیں:

(۱)۔ انوار الفرقان فی ترجمۃ معانی القرآن، (۲)۔ من عقائد اہل السنۃ، (۳)۔ مقالات سیرت طیبہ، (۴)۔ مقالات شرف قادری، (۵)۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی عربی تصنیف: تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ و التصوف، (۶)۔ شیخ محمد بن سلیمان جزولی کی تصنیف: دلائل الخیرات، علامہ مہدی فاسی کی کتاب: مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات، (۷)۔ امام بوصیری کے قصیدہ بردہ اور (۸)۔ کثیر نبوی دعاؤں پر مشتمل ملا علی قاری کی تصنیف: الحزب الاعظم کا اردو ترجمہ کیا۔ شیخ کی کثیر کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے قارئین کا تعلق بھی رسول کریم ﷺ کی ذات اور سیرت طیبہ سے بہت مضبوطی کے ساتھ جوڑنا چاہتے تھے۔

دار آخرت کی طرف رحلت:

شیخ محمد عبد الحکیم شرف قادری جو پیکرِ اخلاص و محبت تھے اپنی زندگی کی آخری سانسوں تک اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز رہے۔ عجز و انکسار آپ کے نمایاں پہلو تھے۔ یکم ستمبر ۲۰۰۷ء بمطابق ۱۸ شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ کو ۶۳ سال کی عمر میں اس دار فانی سے اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔(۱۴)

شیخ شرف قادری بحیثیت سیرت نگار:

جیسا کہ اکابرین امت محمدیہ میں سے علمائے کرام اور صوفیائے عظام نے رسول کریم ﷺ کی سیرت طیبہ پر کام کرنے کی سعادت حاصل کی اسی طرح شیخ شرف قادری بھی اس سعادت سے سرفراز ہوئے اور مقالاتِ سیرتِ طیبہ کے نام سے کتاب لکھی جو کہ دو سو ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے، اس کتاب کے کل پانچ مقالات ہیں جو آپ کی سوچ اور فکر کی روشنی میں فکری اصلاحات پر مشتمل ہیں۔ شیخ شرف قادری علمی دیانت و صداقت کے اس قدر پابند ہیں کہ آپ نے ہر بات کی باحوالہ وضاحت کی ہے۔ تحقیق و توفیق کی روایات کو سامنے رکھتے ہوئے شیخ نے اس بات کی مکمل کوشش کی ہے کہ پڑھنے والے کو زیادہ سے زیادہ فائدہ ہوا، اسے شعورِ نبوت و رسالت حاصل ہو اور کسی قسم کا ابہام باقی نہ رہے، جیسا کہ کتاب کے مقدمہ ہی میں آپ لکھتے ہیں:

"یہ متفرق مقالات کا مجموعہ ہے، باقاعدہ سیرت مبارکہ کی کتاب نہیں ہے، اس لیے قاری کی تشنگی دور کرنے کے لیے جناب صاحبزادہ سیّد رضی شیرازی، علی پوری (مرید کے) کا ایک مقالہ ابتداء میں ان کے شکریہ کیساتھ شامل کیا جارہا ہے۔"(۱۵)

شیخ شرف قادری کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ علمی دیانت وصداقت کو کتنی اہمیت دیتے ہیں۔ انہوں نے اپنے مقالات کے آغاز میں جناب صاحبزادہ سیّد رضی شیرازی، علی پوری کا ایک مقالہ دیا ہے جس میں انتہائی مختصر انداز میں رسول کریم ﷺ کی حیات پاک کا احاطہ کیا گیا ہے، حضرت شیخ نے اگرچہ مقالہ نگار کا نام کتاب کے اندر تحریر کیا ہے مگر انہوں نے مقالہ نگار کا نام نہایت اہتمام سے شکریہ کے ساتھ مقدمہ میں بھی ذکر فرمایا۔ مذکورہ بالا کتاب اگرچہ سیرت طیبہ کی مکمل کتاب نہیں مگر سیرت طیبہ کے حوالے سے بعض علمی اور فکری مقالات پر مشتمل ایک اہم دستاویز ہے۔

پہلا مقالہ: "النعمة الکبریٰ علی العالَم بمولد سید وُلد آدم" کے صحیح نسخے کا اردو ترجمہ:

سب سے پہلے شیخ نے علامہ ابن حجر مکی کے رسالہ "النعمۃ الکبریٰ علی العالَم بمولد سید وُلد آدم" کے اصلی نسخہ کا بامحاورہ ترجمہ کیا ہے جس کو علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی کی تصنیف "جواہر البحار" کی تیسری جلد سے اخذ کیا ہے، اس نسخہ میں سیرت طیبہ کے ایک باب کے حوالہ سے رسول کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کی طرف منسوب بعض موضوع روایات موجود نہیں ہیں، شیخ نے اس رسالہ کا ترجمہ کرتے ہوئے بڑے پر لطف اور پر کیف اسلوب کو اپنایا ہے۔

دوسرا مقالہ اور بعض غیر مستند روایات کا محاکمہ:

شیخ شرف قادری نے اس مقالے میں رسول کریم ﷺ کے میلاد شریف کے حوالے سے علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ترکی سے چھپنے والے رسالہ "النعمۃُ الکُبری علیٰ العالم فی مولد سیّد ولد آدم" میں درج کی جانے والی بعض غیر مستند اور جعلی روایات کا علمی و تحقیقی محاکمہ کیا، اس کتاب کا اردو ترجمہ کیا گیا تھا، شیخ نے سیرت طیبہ کے حوالہ سے رسول کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کی طرف منسوب بعض موضوع اقوال اور روایات کا غیر مستند ہونا ثابت کیا ہے اور حقائق کی طرف توجہ مبذول کروائی ہے۔ آپ ناصحانہ انداز میں لکھتے ہیں:

"ضرورت ہے کہ محافل میلاد میں حضور سیّد عالم ﷺ کی ولادت باسعادت کی ساتھ ساتھ آپ کی سیرت طیبہ اور آپ کی تعلیمات بھی بیان کی جائیں اور میلاد شریف کی روایات مستند اور معتبر کتابوں سے لی جائیں، مثلاً مواہب لدنیہ، سیرت طیبہ، خصائص کبری، زرقانی علی المواہب، مدارج النبوۃ اور جواہر البحار وغیرہ۔ اور اگر صحاح ستہ اور حدیث کی دیگر معروف کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو ان سے خاصا مواد جمع کیا جاسکتا ہے"۔(۱۶)

دوسری طرف شیخ نے عربی سے ترجمہ شدہ رسالہ کے حوالہ سے کچھ سوالات اُٹھائے اور لکھا:

"سوال یہ ہے کہ خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دیگر بزرگان دین کے یہ ارشادات امام احمد رضا بریلوی، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی، ملا علی قاری، علامہ سیوطی، اور دیگر علماء کرام کی نگاہوں سے کیوں پوشیدہ رہے جبکہ ان حضرات کی وسعت علمی کے اپنے اور بیگانے سب ہی معترف ہیں۔"(۱۷)

تیسرا مقالہ اور رسول کریم کی زندگی میں خشیت الٰہیہ کی طرف توجہ:

سیرت طیبہ کے مطالعہ سے جہاں بندۂ مومن کو زندگی کے جمیع مسائل کا حل ملتا ہے وہیں اس کے اندر خشیتِ الٰہی بھی پیدا ہوتی ہے۔ اس اہم امر کی طرف توجہ مبذول کروانے کے لیے شیخ نے مقررین اور نعت خوان حضرات کی رہنمائی کے لیے ایک مقالہ "رحمت عالم ﷺ اور خشیت الٰہی" کے عنوان سے رقم کیا، آپ لکھتے ہیں:

"نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کا یہ پہلو بھی خاص توجہ کا طالب ہے کہ آپ ہمیشہ ذکر الٰہی میں مصروف رہتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم کو کسی لمحہ غافل نہ رہنے دیتے۔ سیرت وحدیث کی کتابوں کے مطالعہ سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ صحابہ کرام کیسی بھی گفتگو میں مصروف ہوتے۔ آپ انہیں کمالِ لطافت سے یاد الٰہی کی طرف متوجہ فرمادیتے نیز آپ کی گفتگو اس قدر مؤثر بلیغ ہوتی کہ صحابہ کرام کے دل دہل جاتے۔ آنکھیں اشکبار ہو جاتیں اور وہ دنیا ومافیہا کو بھول کر اللہ تعالیٰ اور آخرت کی یاد میں محو ہو جاتے۔"(۱۸)

حضرتِ شیخ نے سیرت طیبہ کی روشنی میں فکر آخرت کے حوالے سے درج ذیل متفق علیہ حدیث نقل کی: فواللہ انی لاعلمهم باللہ وأشدهم له خشية۔(۱۹)

بخدا میں ان سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتا ہوں اور سب سے زیادہ اس کا خوف اور خشیت رکھتا ہوں۔

یہ سیرت طیبہ کا فیض ہی تھا کہ رؤسائے عرب اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوئے اور اُن کے حال وحلیہ میں ایک عظیم انقلاب برپا ہوگیا۔ رسول کریم ﷺ نے صحابۂ کرام کے دل و دماغ میں فکر آخرت کو اس طرح نقش فرمایا کہ وہ ہمہ وقت خود احتسابی کیا کرتے تھے، جیسے کہ شیخ لکھتے ہیں:

”صحابہ کرام پر آپ کے کلمات طیبات کا اتنا گہرا اثر ہوتا ہے کہ وہ دین اور اہل دنیا سے بقدر ضرورت تعلق رکھتے ہوئے بھی خائف ہیں کہ کہیں یہ تعلق نفاق ہی میں نہ شمار ہو جائے۔ ان پر رب کریم کی صفاتِ جلال کی اس قدر ہیبت طاری ہو جاتی ہے کہ وہ صرف فرائض وواجبات کی ادائیگی کو ناکافی تصور کرتے ہوئے یہ چاہتے ہیں کہ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت میں مصروف و محو ہو جائیں اور دنیا کے تمام دھندوں اور لذاتِ نفسانیہ کو یکسر ترک کر دیں“(۲۰)

چوتھا مقالہ اور سیرت طیبہ کے ایک اہم عنصر ”اخلاق“ کی طرف توجہ:

جب انسان سیرت نبوی ﷺ میں غور و غوض کرے تو نبوی زندگی کے نت نئے پہلو سامنے آتے ہیں۔ اُن میں سے ایک پہلو ”اخلاق حسنہ“ کا بھی ہے جو اس قدر وسعت رکھتا ہے کہ تمام اچھے اخلاق رسول کریم ﷺ کی ذات اور سیرت طیبہ میں مجتمع نظر آتے ہیں، کیونکہ انسان کے اخلاقی اقدار ومعیار میں کہیں کمی و کمزوری رونما ہوگی تو اس کے برے اثرات اس کے رویہ اور معاملاتِ زندگی میں نمایاں ہوں گے۔ غالباً شیخ شرف قادری نے نوجوان نسل کو نبوی اخلاق سے دور دیکھا نیز نوجوانوں کو مغربی اخلاق کا دلدادہ پایا تو آپ نے رسول کریم ﷺ کے اخلاقِ حسنہ پر ایک پر مغز مقالہ تحریر کیا، سورۂ قلم کی چوتھی آیت کے تحت امام رازی اور علامہ اسماعیل حقی کی عبارت کا ترجمہ نقل کرتے ہوئے لکھا:

”اے حبیب تمہیں اخلاقِ جمیلہ پر تسلط حاصل ہے اور تمہیں اخلاقِ حسنہ کی طرف وہ نسبت ہے جو آقا کی غلام کی طرف اور بادشاہ کی رعایا کی طرف ہوتی ہے۔۔۔ تمام انبیاء کرام علیھم السلام کے اخلاق وشمائل اپنے تمام ترکمال کے ساتھ جس ہستی میں مجتمع ہیں وہ ہمارے اور تمام مخلوق کے آقا و مولا ﷺ ہیں۔“(۲۱)

یہی وہ اوصافِ حمیدہ تھے کہ جو اصحابِ رسول ﷺ میں منتقل ہوئے اور ایک ایسی اخلاقی اجتماعیت پیدا ہوئی کہ تمام مسلمان ایک مضبوط عمارت کی حیثیت اختیار کرتے ہوئے اقوامِ عالم میں منفرد مثال بن گئے۔

پانچواں مقالہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے والے مختلف ''وفود'' کا تذکرہ:

رسول کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کے پہلوؤں میں سے ایک آپ کی بارگاہ میں مختلف وفود کی حاضری ہے۔ سیرت طیبہ کے اس پہلو کو شیخ شرف قادری نے موضوعِ سخن بنایا اور سولہ وفود کو سیرت ابن ہشام سے نقل کیا، مزید کتبِ سیرت سے چھپن وفود کا ترجمہ کیا اس طرح ان کی تعداد ۷۲ ہو جاتی ہے۔ آپ نے یہ مقالہ مشہور ادبی مجلہ ''نقوش'' کے مدیر اعلی محمد طفیل صاحب کی فرمائش پر نقوش کے ''سیرت نمبر'' کے لیے لکھا تھا۔ شیخ شرف قادری رضی اللہ عنہ کے قلم میں سوزِ عشق کی جھلک نظر آتی ہے۔ جیسا کہ آپ لکھتے ہیں:

حضور ﷺ کے اخلاق والطاف نے دلوں کی دنیا فتح کی، غیروں کو اپنا بنایا اور اپنوں کی محبت وعقیدت کو معراجِ کمال تک پہنچایا۔ جنگِ احد میں بنو دینار کی ایک خاتون کا شوہر، باپ اور بھائی شہید ہو گئے، صحابہ کرام نے جب انہیں بتایا تو انہوں نے پوچھا: حضور ﷺ کا کیا حال ہے؟ صحابہ نے فرمایا: خیرت سے ہیں اس خاتون نے کہا: مجھے حضور کی زیارت کرواؤ، زیارت کے بعد اس نے کہا:

''كُلُّ مصيبةٍ بعدَك جلل۔''

آپ کے ہوتے ہوئے ہر مصیبت چھوٹی ہے۔

مولائے کریم ہمیں بھی ایسی محبت اور اخلاق عظیمہ کی پیروی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(۲۲)

شیخ شرف قادری نے بڑے گداز کے ساتھ سیرت کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا اور بتایا کہ امت کے مسائل اور زوال کا سبب محض حضور ﷺ کی سیرت سے دوری ہے، آپ محمد فرید وجدی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''مسلمانوں نے ہر میدان میں حیرت انگیز ترقی کی اور ان کے قدم ہمیشہ آگے ہی بڑھتے رہے، تاآنکہ آپ کی تعلیمات سے چشم پوشی برتی جانے لگی اور اس کے ساتھ ہی اس قوم کا زوال شروع ہو گیا۔''(۲۳)

شیخ شرف قادری نے "مقالات سیرت طیبہ" کے علاوہ "مقالات شرف قادری" میں بھی سیرت طیبہ کے حوالے سے تین مضامین شائع کئے ہیں، جبکہ "معجزۂ اسراء و معراج" کے عنوان سے ملک شام کے عظیم محقق و عالم ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی کے ایک عربی آرٹیکل کا اردو ترجمہ بھی شامل کیا ہے، آپ کے اِن مقالات کے عنوان یہ ہیں:

۱۔ سیرت طیبہ اور خدمت خلق۔

۲۔ نبی اکرم کی دعوت کا اسلوب۔

۳۔ جماعتی نظم اور آداب گفتگو۔۔۔سیرت مبارکہ کی روشنی میں۔

اس کے علاوہ شیخ شرف قادری کے قلم سے مختلف کتب پر لکھی گئی تقاریظ کے تناظر میں سیرت طیبہ کے حوالے سے آپ کی روشن فکر اور سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں کا ادراک ہوتا ہے، پیش نظر آرٹیکل میں آپ کی تحریر کردہ تقریظات سے بھی کچھ اقتباسات لیے گئے ہیں، آپ کے اندازِ بیاں اور اسلوبِ نگارش سے شعورِ نبوت ورسالت کے انمول موتی قارئین کے لیے بڑے روح پرور اور باعث تسکین قلب و نظر ہیں۔

دیگر تحریروں میں مباحث سیرت:

یوں محسوس ہوتا ہے کہ شیخ شرف قادری کے دل میں محبتِ رسول ﷺ کا چراغ روشن تھا اور وہ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے سیرت طیبہ سے وابستہ تھے، اُنہیں خود بھی نبوت ورسالت کے حوالے سے آگہی حاصل تھی اور وہ لوگوں میں بھی شعور کی یہ دولت تقسیم کیا کرتے تھے۔ شیخ شرف قادری نے "مقالات سیرت طیبہ" کے علاوہ "مقالات شرف قادری" کے علاوہ مختلف کتب پر تقریظات لکھتے ہوئے بھی سیرت طیبہ کے مختلف زاویوں کو موضوع سخن بنایا، ان تقریظات سے چند منتخب اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں، ان سب امور کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر شیخ شرف قادری زبان وبیان پر قدرت، رسوخ فی العلم اور سیرت طیبہ جیسے موضوع کے گہرے ادراک اور فن سیرت نگاری کی نزاکت سے باخبر ہونے کے باعث سیرت طیبہ پر باقاعدہ طور سے کچھ لکھتے تو یقیناً کتب سیرت میں ایک حسین اضافہ ہوتا، نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ اُن کی سوچ اور فکر کا محور تھی۔

سیرت طیبہ ﷺ کی آفاقیت:

اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو جملہ کمالات نبوت ورسالت کا جامع بنا کر بھیجا، یہاں تک کہ غیر مسلموں نے بھی آپ کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کیا، شیخ شرف قادری نے سیرت طیبہ کی آفاقیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''محبوبِ خدا، سید ہر دوسرا، شفیع المذنبین، انیس الغریبین ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور سیرتِ مبارکہ، رشد وہدایت کا وہ روشن مینار ہے، جو زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام اوصافِ کاملہ کا جامع بنا کر بھیجا اور صحابۂ کرام نے پورے اہتمام سے حیاتِ اقدس کے ایک ایک پہلو کو محفوظ کیا پھر ہر زمانہ میں اہلِ محبت نے اپنی اپنی معلومات کے مطابق کائنات کی سب سے اعلیٰ وافضل ہستی ﷺ کی ایمان افروز حیات اور سیرت بیان کرنے کی سعادت حاصل کی، اس وقت دنیا کی کون سی زبان ہوگی جس میں حیاتِ قدسیہ کے بارے میں معلومات دستیاب نہ ہوں، مسلمانوں نے عقیدت ومحبت کے حسین گلدستے پیش کیے، غیر مسلموں نے کہیں خراجِ عقیدت پیش کیا اور کہیں خبثِ باطن کا مظاہرہ کرتے ہوئے نکتہ چینی کی، علماء اسلام جزاہم اللہ تعالیٰ نے مخالفین کے ایک ایک اعتراض کا معقول اور مدلل جواب دیا اور کوئی پہلو تشنہ نہیں رہنے دیا۔''(۲۴)

شیخ شرف قادری نے مذکور بالا مفہوم کو ایک اور جگہ یوں بیان فرمایا:

''قرآن کریم کے بعد سیرت طیبہ وہ بحر زخار ہے جس کے بارے میں بڑے سے بڑا غواص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ میں نے اس کا احاطہ کرلیا ہے اور اس کی آخری حد تک پہنچ گیا ہوں۔ اس موضوع پر لکھنا پڑھنا خوش بختی کی معراج اور اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب اکرم، شفیعِ معظم ﷺ کی خوشنودی کا ذریعہ ہے۔''(۲۵)

سیرت طیبہ کے ساتھ شیخ شرف قادری کی وابستگی کس قدر والہانہ تھی؟ اس کا اندازہ اُن کے درج ذیل کلمات سے لگایا جاسکتا ہے:

''کائنات کے محسن اعظم ﷺ کی سیرت طیبہ ایسی رشک فردوس اور غیرت جنت ہے جس میں کبھی نہ مرجھانے والے، ان گنت رنگارنگ پھول ہیں، کوئی بھی عالم وفاضل ان سدابہار پھولوں کو مکمل طور پر اپنے دامن میں سمیٹ نہیں سکتا۔''(۲۶)

شیخ شرف قادری کی تحریروں سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ انہیں نبی کریم ﷺ کی ذات اور آپ کی سیرت طیبہ کے ساتھ جو وابستگی حاصل تھی وہ محبتِ رسول ﷺ اور اتباع کی یہی کیفیت امت کے تمام افراد کی ارواح اور قلوب میں دیکھنے کے متمنی تھے۔ وہ یہی سوز و گداز لیے عمر بھر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے چراغ روشن کرتے ہوئے امت کو اتباع رسول ﷺ کی طرف زندہ رہے اور یہی تڑپ لیے اپنے ربّ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔

نبوت مصطفیٰ ﷺ کی تعظیم و توقیر اور آپ کی اتباع:

اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں انبیائے کرام علیہم السلام کی ارواح سے اپنے حبیب ﷺ کی اتباع کا عہد لیکر آپ کی عظمت کو اجاگر فرمایا، اس تناظر میں اہل ایمان کے لیے رسول کریم ﷺ کی تعظیم اور اطاعت کس قدر لازم ہو جاتی ہے؟ اس حوالے سے شیخ شرف قادری لکھتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ الکریم نے تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ عزت و تکریم اپنے حبیب کریم سید الانبیاء والمرسلین ﷺ کو عطا فرمائی۔ عالم ارواح میں تمام ارواح سے اپنی ربوبیت کا عہد لیا اور تمام انبیاء سے وعدہ لیا کہ جب میں تمہیں کتاب وحکمت عطا کروں پھر تمہارے پاس رسولِ عظیم تمہاری کتابوں کی تصدیق کرتے ہوئے تشریف لائیں تو تم ان پر ایمان لانا اور ان کی نصرت کرنا فرمایا کیا تم نے اقرار کیا۔ اور اس پر مجھ سے عہد کیا، تمام انبیاء کرام نے عرض کیا: ہاں ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا: تم ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں (بالفرض) اگر کوئی اس سے پھر اتو وہ فاسقوں سے ہو گا۔ ظاہر ہے کہ اگر نبی اکرم ﷺ کسی بھی نبی کی حیاتِ ظاہری دنیاوی میں تشریف لاتے تو اس نبی پر لازم ہوتا کہ آپ پر ایمان لائیں۔ جب انبیاء کرام کے لیے یہ حکم ہے تو کوئی امتی خواہ وہ یہودی ہو یا عیسائی اس حکم سے کس طرح مستثنیٰ رہ سکتا ہے۔ انبیاء کرام تو معصوم ہیں۔ ان سے یہ متصور نہیں کہ حکم خداوندی کی خلاف ورزی کریں۔ دراصل انبیاء کرام کے واسطہ سے تمام امت کو یہ حکم سنایا گیا ہے کہ جو شخص میرے حبیب مکرم ﷺ کی تشریف آوری کے باوجود ایمان نہیں لائے گا وہ فاسق اور کافر ہو گا۔ ایسے لوگوں کے لیے کسی قدر شدید حکم ہے:

فَلَمَّا جَآءَهُمۡ مَّا عَرَفُوۡا كَفَرُوۡا بِهٖ فَلَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ۔(۲۷)

جب وہ جانے پہنچانے تشریف لائے تو (اہلِ کتاب نے) ان کا انکار کیا پس کافروں پر لعنت ہو۔

پہلے انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لاتے رہے۔ ان کا دائرہ تبلیغ کسی قوم یا کسی خطے اور ایک ہی زمانے تک محدود ہوتا۔ لیکن نبی اکرم ﷺ تشریف لائے۔ تو آپ ﷺ کی دعوت و تبلیغ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے ہے۔ کسی قوم یا خطے اور زمانے کی تخصیص نہیں ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا۔(۲۸)

ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو تمام مخلوق بلکہ اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب جانا جائے۔ آپ ﷺ کے ہر فیصلے پر سر تسلیم خم کر دیا جائے۔ آپ کو بارگاہِ خداوندی میں سب مخلوق سے زیادہ معزز اور مکرم مانا جائے۔ آپ ﷺ کو نبی الانبیاء ختم المرسلین اور شفیع محشر مانا جائے۔ جب کسی شخص کی دلی کیفیت یہ ہوگی تو وہ تمام عقائد اور اقوال وافعال میں آپ کی پیروی کرے گا اور دنیا و آخرت کی سرخروئی حاصل کرے گا۔"(۲۹)

رسول کریم ﷺ کی محبت:

نبی کریم ﷺ سے محبت ایمان کا تقاضا ہے، جسے یہ اعلیٰ وارفع محبت نصیب ہو جاتی ہے وہ عقلِ عیار کے جھانسے میں آکر ایمان جیسی نعمت پر کسی چیز کو ترجیح دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا، محبت رسول ﷺ سے سرشار مسلمان اطاعت اور تعظیم کے راستے پر چلتے ہیں، اس حوالے سے شیخ شرف قادری فرماتے ہیں:

"محبت ایک عالمگیر جذبہ ہے، اس کے وجود سے بڑے سے بڑا دہریہ بھی انکار نہیں کر سکتا، یہ جذبۂ لطیف جن لوگوں کو عطا کیا جاتا ہے وہ اپنے محبوب کے عیوب و نقائص پر نظر نہیں رکھتے، اس میں پایا جانے والا عیب انہیں دکھائی ہی نہیں دیتا، پھر اگر وہ محبوب ایسا ہو جس پر انسان ایمان لا چکا ہو، جسے خالق کائنات جل شانہٗ نے ہر عیب اور نقص سے منزہ پیدا کیا ہو اس میں کسی عیب کے دیکھنے یا تلاش کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

نبی اکرم سرور دو عالم ﷺ کے ایک محب صادق، علامہ شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰی فِیْ نَبِیِّھِم وَاحْکُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِیْهِ وَاحْتَکِم

فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللهِ لَیْسَ لَه حَدٌّ فَیُعْرِبُ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَم

عیسائیوں نے اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو بات کہی (کہ وہ خدا ہیں، یا خدا کے بیٹے ہیں) اسے چھوڑ کر نبی اکرم ﷺ کی تعریف میں جو چاہو کہو اور مان لو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کے فضل و کمال کی کوئی ایسی حد نہیں ہے جسے انسانی زبان بیان کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے سب سے عظیم شاہکار، حبیب کردگار ﷺ کے فضائل و کمالات اور آپ کے حیران کن امتیازی اوصاف بیان کئے جائیں تو اہل محبت سن کر سبحان اللہ! ماشاء اللہ! کا ورد کرنے لگتے ہیں، لیکن عقل محض بری حیلہ جو ہے، تسلیم و قبول کے راستے پر چلنے کی بجائے دلیل مانگتی ہے، دلیل پیش کی جائے تو بحث مباحثہ بلکہ کٹ حجتی پر اُتر آتی ہے۔"(۳۰)

قرآن کریم کی تلاوت یا احادیث کا مطالعہ کیا جائے تو رسول کریم ﷺ سے محبت اور آپ کی تعظیم اور اتباع کا جذبہ بیدار ہوتا ہے ہمیں رسول کریم ﷺ سے محبت اور آپ کی تعظیم بھی کرنی چاہیے اور محبت رسول ﷺ کی حلاوت میں اضافہ کرنے والی احادیث کا مطالعہ بھی کرتے رہنا چاہیے اس سے ایمان کو مزید حلاوت نصیب ہوتی ہے، شیخ شرف قادری فرماتے ہیں:

"بخاری شریف اور حدیث کی دوسری مستند کتابیں پڑھتے ہوئے کئی دفعہ یہ خیال دامن گیر ہوا کہ کاش کوئی صاحب علم ان میں سے وہ احادیث منتخب کر کے یکجا کر دیتا جن سے سرکار دوعالم ﷺ کی عظمت شان کا پتا چلتا، مسلک اہلِ سنت و جماعت کی تائید ہوتی اور پڑھنے والے کے قلب و نظر کو نورانیت میسر ہوتی، کتب احادیث میں ایسی احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے، جب کہ ہمارے عام واعظ اور مبلغ حضرات ایسی روایات بھی بیان کر جاتے ہیں جو مستند کتب حدیث و تفسیر و سیرت میں نہیں ملتیں اور اگر سامعین میں سے کوئی شخص سوال کر بیٹھے تو جواب میں نزہۃ المجالس، حیاۃ الحیوان یا معارج النبوۃ ایسی کتابوں کا حوالہ دیا جاتا ہے، جس سے سائل کی تشفی نہیں ہوتی، کیا ہی اچھا ہو اگر اس بات کا التزام کر لیا جائے کہ مستند اور مسلّم مآخذ کے حوالے سے ہی گفتگو کی جائے، اور کوئی پوچھے تو اسے حوالہ بتا دیا جائے۔"(۳۱)

محبت ایک انسانی جذبہ ہے اور انسان کئی چیزوں سے محبت کرتا ہے، مگر بندۂ مومن کا دل اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب سے بڑھ کر کسی شئی سے محبت نہیں کرتا، یہ محبت کمال ایمان کی علامت ہے، ایسا خوش

نصیب شخص صحابۂ کرام، اہلِ بیت عظام اور امہات المؤمنین کی عقیدت سے خالی اور محروم نہیں رہتا، شیخ شرف قادری فرماتے ہیں:

"ایک مومن کے نزدیک اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے بعد سب سے محترم اور محبوب ہستی نبی الانبیاء حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے، اس لیے اہل ایمان کے نزدیک ہر وہ شخص محترم ومکرم ہے جو صاحب ایمان ہو اور سرکار دو عالم ﷺ کے دامن کرم سے وابستہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اہل ایمان ومحبت صحابۂ کرام اور اہل بیت عظام سے دلی عقیدت رکھتے ہیں۔ امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے رشتۂ ازدواج سے منسلک ہونے کی بناپر مومنوں کی مائیں قرار دیااور دوسری عورتوں میں انہیں بے مثل قرار دیا۔"(۳۲)

جب کسی کو اللہ تعالیٰ اوراس کے حبیب ﷺ سے محبت ہو جاتی ہے تو اسے اللہ کے سب پیاروں سے محبت ہو جاتی ہے، شیخ شرف قادری فرماتے ہیں:

"یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ محبوب کے پیارے بھی محبوب ہوتے ہیں اور یہ حقیقت بھی شک وشبہہ سے بالا ہے کہ مرکز محبت اللہ تعالیٰ کی ذات کریم ہے: وَالَّذِيْنَ آمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔ الآیۃ(۳۳) ایمان والے اللہ تعالیٰ سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں، اب یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے محبت کرے اور اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ سے محبت نہ کرے، یا نبی اکرم ﷺ سے محبت کرے اور آپ کے پیارے صحابۂ کرام اور اہلِ بیت سے محبت نہ کرے"۔(۳۴)

درودوسلام رسول کریم ﷺ سے نسبت مستحکم کرنے کا ذریعہ:

اللہ تعالیٰ کی وسیع کائنات میں بکھری اُس کی وحدانیت کی لاتعداد نشانیوں کے باوجود ھادی ورہنما کی ضرورت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں انبیا اور رسول بھیجے، انبیاء کے دامن سے وابستگی کے بغیر اللہ کی توحید واضح نہیں ہوتی، نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تعلق اور نسبت کو مزید مستحکم کرنے کا ایک اہم ذریعہ درود وسلام ہے، اس حوالے سے شیخ شرف قادری فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ جل شانہٗ العظیم وحدہٗ لاشریک ہے، وہ یکتا ہے کوئی شے اس کی مثل نہیں ہے، وہی معبود ہے اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں ہے، بندۂ مومن سب سے زیادہ اسی سے محبت کرتا ہے: والّذین آمنوا اشدُّ حُبًّا للہ۔(۳۵) اللہ کریم ورحیم کی محبت اور معرفت کا ہمارے لیے واحد ذریعہ حضور

سید الانبیاء سرورِ ہر دوسرا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں، آپ ہی کے ذریعے ہمیں اللہ تعالیٰ کے احکام ملے اور آپ ہی کے نقش قدم پر چل کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔۔۔ نبی اکرم ﷺ کے نقش قدم پر چلنے کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ آپ کی ذات اقدس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات سے زیادہ محبت و عقیدت رکھی جائے، اور لازمی بات ہے کہ انسان کو جس سے محبت ہوتی ہے اس کا کثرت سے ذکر کرتا ہے، جیسے کہ حدیث شریف میں ہے: مَنْ اَحَبَّ شَيْئاً اَكْثَرَ ذِكْرَهٗ، (الحدیث) یہی وجہ ہے کہ اہل ایمان و محبت اپنے اپنے دور میں سرکارِ دوعالم ﷺ کے فضائل و کمالات، معجزات اور خصوصیات بیان کرتے رہے ہیں۔ محبوب کریم ﷺ سے محبت و عقیدت کے اظہار کا ایک انداز یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی بارگاہ ناز میں بکثرت درود و سلام کا ہدیہ پیش کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے سرکارِ دوعالم ﷺ کے طفیل اُمت مسلمہ کو یہ اعزاز عطا فرمایا:

هُوَالَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا۔(۳۶)

وہی ہے جو تم پر درود بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے تاکہ تمہیں اندھیروں سے نور کی طرف نکالے اور وہ مومنوں پر بہت مہربان ہے۔

اللہ اور اس کے فرشتے مومنوں پر درود بھیجتے ہیں تاکہ انہیں اندھیروں سے اُجالوں کی طرف نکالا جائے، تو اس ذات اقدس ﷺ کے اُجالوں، رشد و ہدایت اور معرفت خداوندی کے انوار و برکات کا کیا عالم ہو گا جن پر اللہ تعالیٰ صلوٰۃ بھیجتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق نوری فرشتے درود بھیجتے ہیں اور "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا"۔(۳۷) کے حکم کے مطابق ہر زمانے کے ایمان و محبت والے درود و سلام کے نذرانے پیش کرتے رہے ہیں اور آیندہ بھی پیش کرتے رہیں گے۔(۳۸)

رسول کریم ﷺ کی بارگاہ کے ساتھ نسبت کی مزید پختگی کے لیے درود و سلام ایک اہم ذریعہ ہے، نیز علمائے امت نے درود و سلام کے فضائل اور اس کے جو مختلف صیغے لکھے ہیں ان کے حوالے سے شیخ شرف لکھتے ہیں:

"صلوٰۃ و سلام قدسیوں کا وِرد، سید عالم ﷺ کے شیدائیوں کا محبوب وظیفہ، عارفوں کا حرزِ جان، ربِ کائنات جلّ شانہٗ کے مقدس محبوب ﷺ کی زیارت کا عظیم وسیلہ، مشکلات کے حل اور مرادوں کے حصول کا اہم ترین نسخہ، خوش بختی اور ارجمندی کا خزانہ ہے، صلوٰۃ و سلام کے فضائل اور اس کے

مختلف طریقوں اور صیغوں کے بیان کے لیے امت مسلمہ کے جلیل القدر علماء اور صالحین نے مختلف کتابیں لکھنے کی سعادت حاصل کی، محدثین اور مفسرین نے درود وسلام کے فضائل اور فوائد بیان کئے، صاحب قاموس علامہ مجد الدین فیروزآبادی نے ''اَلصِّلاۃُ و البِشَرُفی الصلاۃ علی خیر البَشَر'' حضرت علامہ سلیمان جزولی نے دلائل الخیرات، علامہ سخاوی نے القول البدیع، ابن قیم جوزیہ نے جلاء الافہام، علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبھانی نے سعادۃ الدارین اور افضلُ الصَّلاتِ علَی سَیّدِ السَّادَاتِ، حضرت خواجہ عبد الرحمٰن قادری چھوہروی نے تیس پاروں میں مجموعۂ صلوات الرسول حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امین نقشبندی (فیصل آباد) نے آبِ کوثر لکھی، حضرت علامہ پیر عبد الغفار شاہ (تکیہ سادھواں لاہور) نے تمام زندگی درود پاک سے متعلق کتب کی اشاعت میں گزاردی، حال ہی میں (۳۹) راقم کے فاضل دوست مولانا علامہ حافظ محمد عنایت اللہ نقشبندی مجددی مدظلہٗ نے بڑے سائز کے پونے چھ سو صفحات پر مشتمل کتاب ''تحفۃ الصلوٰۃ الی النبی المختار'' میں صلوٰۃ وسلام کے فضائل اور فوائد بڑے والہانہ انداز میں بیان کئے ہیں، کتاب کا ایک ایک صفحہ اور ایک ایک سطر حضرت محسن کائنات ﷺ کی محبت والفت جاں افروز خوشبو سے معطر ہے، حضرت علامہ کی زندگی کا مشن ہی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ کے حبیب اکرم ﷺ کی پیروی، قرآن پاک کی تلاوت اور دلائل الخیرات کے ورد کا سبق دیتے رہیں''۔(۴۰)

نبی کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی میں جمال وجلال کا حسین امتزاج:

رسول رحمت ﷺ مکی عہد میں اپنی ذات اور صحابہ پر کفار کا ظلم برداشت فرمایا مگر مدنی دور میں جب کبھی کفار نے توحید کا پرچم سرنگوں کرنا چاہا رسول کریم ﷺ کی ذات میں جلال کا پہلو ظاہر ہو گیا، مگر غزوات میں مسلمانوں کی طرف سے عدم توازن کا مظاہرہ نہیں ہوا رسول کریم ﷺ کے غلاموں نے ہمیشہ اُن آدابِ جہاد کا خیال رکھا جو کتب حدیث اور کتب سیرت میں مذکور ہیں، رسول کریم ﷺ کے غزوات پر عہد نبوی ﷺ کے کفار اور مشرکین کو کبھی یہ اعتراض کرنے کی جرات نہیں ہوئی کہ ان کے ساتھ شدت پسندی کا رویہ برتا گیا ہے، مگر اس کے باوجود عصر حاضر میں بعض مستشرقین غزوات پر اعتراضات کرتے ہیں لہٰذا سیرت نگاری کی سعادت پانے والے حضرات کی ذمہ داری ہے کہ

وہ مستشرقین کے اعتراضات کے دوٹوک جواب دیں تاکہ نوجوان نسل شکوک وشبہات سے محفوظ رہے، اس حوالے سے شیخ شرف قادری نہایت دلسوزی کے ساتھ لکھتے ہیں:

"نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی جلال وجمالِ الٰہی کا حسین امتزاج ہے، لیکن جمال کا پہلو اس قدر غالب اور نمایاں ہے کہ ظہور جلال کے وقت جلوۂ جمال آنکھوں کے سامنے رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی صورت و سیرت کا ذکر جمیل ہو تو ذوقِ لطیف ایک روحانی کیف و سرور سے سرشار ہو جاتا ہے۔۔۔ سیرت طیبہ کے موضوع پر دُنیا کی مختلف زبانوں میں اتنا کچھ لکھا گیا ہے کہ کسی اور شخصیت کے بارے میں نہیں لکھا گیا۔ الحمد للہ کہ اردو زبان بھی اس معاملے میں تہی دامن نہیں ہے۔ تصانیف اور تراجم کے انبار لگ چکے ہیں، تاہم اس موضوع پر ابھی نہ ختم ہونے والی تشنگی پائی جاتے ہے۔۔۔ سیرت نگاروں کی ایک ذمہ داری ہے کہ مستشرقین کے اُٹھائے ہوئے اعتراضات کا جواب دیں، لیکن بہت سے قلم کار مرعوبیت کا شکار ہو جاتے ہیں اور بجائے جواب دینے کے معذرت خواہانہ رویہ اختیار کر لیتے ہیں"۔(۴۱)

شیخ شرف قادری نے "اسلامی جہاد اور اس کا نصب العین" کے عنوان سے اپنے ایک مقالے میں اسلامی جہاد اور اس کے مقاصد پر روشنی ڈالی ہے جو کہ ایک اہم علمی دستاویز ہے، اسی طرح مجلس فکرو نظر، لاہور کے سیکرٹری ڈاکٹر محمد امین صاحب نے جہاد کے حوالے سے تینتیس سوالات پر مشتمل پرفارمہ علماء کو بھیجا، شیخ شرف قادری کے پاس بھی یہ پرفارمہ آیا تو آپ نے تمام سوالات کے ے جوابات لکھ کر انہیں بھجوائے، ان جوابات سے جہاد کے حوالے سے شیخ شرف قادری کی معتدل فکر اور جہاد کا صحیح تصور اجاگر ہوتا ہے۔(۴۲)

سیرت طیبہ اور اتحادِ امت:

سیرت طیبہ کے حوالے سے شیخ شرف قادری نے ایک اہم بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر امت مسلمہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ سے اپنا تعلق مضبوط کرلے تو اور دیگر بہت سی نعمتوں کے ساتھ امت کو ملی وحدت کی دولت بھی میسر آسکتی ہے، آپ لکھتے ہیں:

”آج افراد امت کے اتفاق کی ضرورت ہے، کوئی ذی ہوش انکار نہیں کر سکتا اور اتفاق کی صرف اور صرف یہی صورت ہے کہ ہم اپنا تعلق دربارِ الٰہی اور دامنِ مصطفیٰ ﷺ سے درست اور محکم کرلیں، پورے اخلاص اور دیانت داری سے اس راستے پر چل کر تمام اختلافات ختم کئے جاسکتے ہیں“۔(۴۳)

رسولِ کریم ﷺ کے معجزات میں معراج ایک نمایاں ترین معجزہ ہے جو آپ کی عظمت اور شان کی رفعت پر دلالت کرتا ہے، آپ کے ہمہ جہت کمالات کو کماحقہ کوئی نہ پہچان سکا، مگر اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کی عظمت کو معجزۂ معراج کے ذریعے ساری دنیا کے لیے اجاگر فرمادیا، شیخ شرف قادری لکھتے ہیں:

”نبی اکرم سرور دوعالم ﷺ، حسن وجمال، فضل وکمال، جاہ وجلال اور جودونوال میں تمام ممکنات سے بلند وبالا ہیں، تاریخ عالم میں نہ تو آپ کی نظیر اور مثال پہلے ہوئی نہ آیندہ ہوگی۔ حقیقتِ مصطفیٰ ﷺ تک کسی دوسرے کی رسائی کیا ہوگی؟ یارِ غار رضی اللہ عنہ کو فرمایا: اے ابو بکر! ہمیں حقیقۃً ہمارے ربّ کے سوا کسی نے نہیں پہچانا۔ سرکارِ دوعالم ﷺ کے علمی، عملی اور روحانی کمالات کا کماحقہٗ ادراک بڑے بڑے علماء اور عرفاء نہ کرسکے، انہوں نے واضح طور پر اپنے عجز کا اعتراف کیا۔ واقعۂ معراج واسراء نبی اکرم، شہریارِ ارم، شہسوار لامکاں ﷺ کی عظمت وجلالت کے مظاہر کا مجموعہ ہے، صرف روحانی نہیں بلکہ جسمانی طور پر آپ کی ان رفعتوں کا اظہار کیا گیا کہ فرشتوں کے سردار حضرت جبرائیل امین علیہ السلام بھی دیکھتے رہ گئے اور آپ کی پرواز کا ساتھ نہ دے سکے۔ غرض یہ کہ معراج شریف کے عنوان پر مفسرین، محدثین اور علماء سیرت نے عقیدت ومحبت کے گوناگوں پھول بکھیرے ہیں اور رہتی دنیا تک اہل علم ودانش اور اصحابِ معرفت اس موضوع پر گل فشانی کرتے رہیں گے اور نئے نئے نکات پیش کرتے رہیں گے“۔(۴۴)

رسول کریم ﷺ اور ختم نبوت:

رسول کریم ﷺ کے حوالے سے خاتم النبیین ہونے کا عقیدہ عصر حاضر کی ایک انتہائی اہم ضرورت ہے، عقیدۂ ختم نبوت کی پختگی میں رسول کریم ﷺ کی عظمت اور رفعت شان کا اظہار بھی ہے اور ایمان کی سلامتی بھی ہے۔ شیخ شرف قادری لکھتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت کو جو عظمت ورفعت عطاء کی ہے وہ ہم جیسے انسانوں کے ادراک وفہم سے ماوراء ہے، نبی اکرم ﷺ، پر ایمان لاکر ہی ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاسکتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی معرفت اور

محبت و قرب تک پہنچنے کا ایک ہی راستہ ہے، جو سرکارِ دوعالم ﷺ کی بارگاہ سے ہی ملتا ہے، آپ کی دل و جان سے تعظیم اور محبت ہر مسلمان پر لازم اور فرض ہے، آپ کے احکام کا بجالانا ہی وجہ سعادت و کامیابی ہے، آپ کی بارگاہ میں جان ومال، عزت وآبرو اور خواہشات کی قربانی پیش کرنا ہی بندہ مومن کا وطیرہ ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ آپ کی ذات اقدس سے متعلق تمام اہلِ ایمان و محبت چاہے وہ اہلِ بیت کرام ہوں یا صحابۂ کرام لائق تعظیم و تکریم ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کا اجماعی اور قطعی عقیدہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ، اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں، آپ ﷺ پر سلسلۂ نبوت ختم ہو چکا ہے، آپ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا، بلکہ کسی نئے نبی کی آمد کو جائز قرار دینے والا نہ صرف یہ کہ جھوٹا ہے، بلکہ دائرہ اسلام سے خارج ہے"۔(۴۵)

یوں محسوس ہوتا ہے کہ شیخ شرف قادری کے دل میں محبت رسول ﷺ کا چراغ روشن تھا اور وہ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے سیرت طیبہ سے وابستہ تھے، اُنہیں خود بھی نبوت ورسالت کے حوالے سے آگہی حاصل تھی اور وہ لوگوں میں بھی شعور کی یہ دولت تقسیم کیا کرتے تھے۔

شیخ شرف قادری کتاب سنت کا گہرا علم رکھنے والے عصرِ حاضر کے ایک جید عالم تھے، آپ ایک طویل عرصہ شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے، آپ نے مختلف دینی موضوعات پر کثیر کتب لکھیں، قلم و قرطاس سے تعلق، تحقیق کا ادراک، رسوخ فی العلم اور سیرت طیبہ جیسے موضوع کی نزاکت سے باخبر ہونے کے باعث اگر وہ سیرت طیبہ پر باقاعدہ طور سے کچھ لکھتے تو یقیناً اردو کتبِ سیرت میں ایک حسین علمی و تحقیقی اضافہ ہوتا، آپ کی تصنیف "مقالاتِ سیرت طیبہ" شعور نبوت ورسالت کو اجاگر کرنے والے پانچ مقالات پر مشتمل ہے جو چار اصلاحی اور سیرت طیبہ کے حوالے سے ایک تاریخی مقالے پر مشتمل ہے، اسی طرح آپ نے اپنی تصنیف: "مقالات شرف قادری" میں سیرت طیبہ پر تین اہم مقالات طبع کئے ہیں، سیرت طیبہ کے حوالے سے مختلف کتب پر تقریظات لکھتے ہوئے آپ نے سیرت طیبہ کے اہم زاویوں کو اجاگر کیا ہے، آپ کے بارے میں راقم السطور کے مقالے سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

۱۔ رسول کریم ﷺ کی محبت، تعظیم و توقیر اور اتباع قیامت تک کے مسلمانوں پر لازم ہے۔

۲۔ رسول کریم ﷺ سراپا طہارت ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کے بچپن، جوانی بلکہ تمام عمر کو ہر طرح کی آلائشوں سے پاک رکھا۔

۳۔ رسول کریم ﷺ کی ذات میں جمال و جلال کا حسین امتزاج تھا، آپ ﷺ کفار کے لیے رحمت کے پیکر تھے مگر جب بھی کفار نے (مدنی دور میں) اہلِ ایمان پر لشکر کشی کر کے اللہ تعالیٰ کے دین کو مٹانا چاہا تو رسول کریم ﷺ جلال کے پیکر بن گئے، مگر اس جلال میں بھی ایک توازن تھا۔

۴۔ آج اگر مطالعۂ سیرت کو فروغ دیا جائے تو تقسیم در تقسیم کے عمل سے دوچار امت مسلمہ وحدت سے آشنا ہو سکتی ہے۔

۵۔ درود و سلام کی کثرت کے ذریعے بارگاہِ رسالت سے تعلق کو مضبوط تر کیا جاسکتا ہے۔

۶۔ معجزۂ معراج رسول کریم ﷺ کی عظمت و جلالت کے مظاہر کا مجموعہ ہے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ سے محبت ایمان کی علامت ہے اور جسے یہ محبت نصیب ہو جاتی ہے اُسے صحابۂ کرام اور اہل بیت عظام کی عقیدت بھی نصیب ہو جاتی ہے۔

۸۔ بندۂ مومن کو عقیدۂ ختم نبوت کا شعور و ادراک حاصل ہو جائے تو اس کے ایمان کو پختگی ملتی ہے، نیز رسول کریم ﷺ کی عظمت اور رفعت شان کا ادراک ہوتا ہے۔

حوالہ جات و تعلیقات

۱۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ۔ النساء:۵۹

۲۔ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ۔ النساء:۸۰

۳۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔ آل عمران:۳۱

۴۔ البقرۃ:۱۲۹

۵۔ شرف قادری، محمد عبدالحکیم، نور نور چہرے، مکتبہ قادریہ، طبع ۱۹۹۷ء، ص:۲۸۔۳۰

۶۔ فاروقی، اقبال احمد، تذکرہ علماء اہلِ سنت لاہور: مکتبہ نبویہ، ۱۹۹۷ء، ص:۶۲

۷۔ عبدالستار طاہر، محسن اہل سنت، رضا دارالاشاعت، لاہور ۱۹۹۹ء، ص: ۳۱۔ ۳۲، نور نور چہرے، ص:۳۲۔۳۳

۸۔ بحث علمی طبع تحت عنوان: ”الشیخ محمد عبدالحکیم شرف القادری، جامعابین الفقہ والتصوف“ للدکتور ممتاز احمد سدیدی، مجلۃ الاحسان، عدد:۲۰۱۵، ۳م، ص:۱۵۳۔

۹۔ دیکھیئے: عبدالستار طاہر، محسن اہلِ سنّت، ص:۴۰۔۴۴۔

۱۰۔ ماہنامہ الشرف (شرف ملت نمبر) لاہور، اکتوبر ۲۰۰۷ء، ص:۳۱۸۔

۱۱۔ الجواھر الغالیۃ من الاسانید العالیۃ، شرف قادری، محمد عبدالحکیم، مؤسسۃ الشرف لاہور ۲۰۰۵م، ص:۲۵

۱۲۔ اُردو انسائیکلوپیڈیا، انجم زاہد، طبع شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۸۸ء، ص:۹۴۔ ۱۴۹۳۔

۱۳۔ شرف قادری، محمد عبدالحکیم، شجرہ ہائے طریقت، مکتبہ قادریہ لاہور، ۲۰۰۳ء، ص:۱۱

۱۴۔ ماہنامہ الشرف (شرف ملّت نمبر) لاہور، اکتوبر ۲۰۰۷ء، ص:۳۱۸

۱۵۔ شرف قادری، محمد عبدالحکیم، مقالات سیرت طیبہ، مکتبہ قادریہ لاہور، دسمبر ۲۰۰۶ء، ص:۱۲

۱۶۔ ایضاً، ص:۶۳

۱۷۔ ایضاً، ص:۶۱، ۶۲

۱۸۔ ایضاً، ص:۷۳

۱۹۔ ایضاً، ص:۷۰

۲۰۔ ایضاً، ص:۷۵

۲۱۔ ایضاً، ص:۹۲۔ بحوالہ: فخر الدین رازی، تفسیر کبیر، ج:۳، ص:۸۱، اسماعیل حقی، تفسیر روح البیان، ۱۰/۱۰۶

۲۲۔ ایضا، ص:۱۳۴

۲۳۔ ایضاً، ص:۱۰۱، بحوالہ: محمد فرید وجدی، دائرۃ المعارف القرن العشرین، ص:۵۴۹

۲۴۔ شرف قادری، محمد عبدالحکیم، آئینہ شرف، زیر طباعت، برقی حرف سازی کے ذریعے لکھا گیا مسودہ، ص:۸۴، پروفیسر نور بخش توکلی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف: ''سیرت رسول عربی ﷺ'' پر تقریظ۔

۲۵۔ ایضا، ص:۱۷۹ (تقریظ بر کتاب: سیرت سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، تصنیف: مولانا محمد ہاشم قادری ٹھٹھوی، مترجم: مفتی محمد علیم الدین نقشبندی مجددی)

۲۶۔ ایضاً، ص:۱۲۱ (عظمت مصطفیٰ ﷺ، از: ملک شیر محمد اعوان پر تقریظ)

۲۷۔ البقرہ:۸۹

۲۸۔ سبا، ۲۸

۲۹۔ شرف قادری، محمد عبدالحکیم، آئینہ شرف، ص:۸۹، ۹۰ (''تعظیم مصطفیٰ ﷺ قرآن حکیم کی روشنی میں''، از: مولانا رانا ارشد القادری پر تقریظ)

۳۰۔ ایضا، ص:۱۳۳، ۱۳۴ (طیب وطاہر نبی ﷺ کی بے مثل طہارت، از: مفتی محمد اشرف قادری پر تقریظ)

۳۱۔ ایضا، ص: ۱۳۲ (شان حبیب الباری ﷺ، از: مولانا غلام مصطفیٰ مجددی پر تقریظ)

۳۲۔ ایضا، ص:۱۸۳ (''ازواجِ مطہرات'' مصنف: شکیل الرحمٰن نظامی پر تقریظ)

۳۳۔ البقرۃ:۱۶۵

۳۴۔ شرف قادری، محمد عبدالحکیم، آئینہ شرف، ص:۱۸۵ (''پیارے رسول کا پیار'' تصنیف: لیفٹیننٹ کرنل (ر) محمد عمر خان کے نام مکتوب)

۳۵۔ البقرۃ:۱۶۵

۳۶۔ الاحزاب:۴۳

۳۷۔ الاحزاب:۵۶

۳۸۔ شرف قادری، محمد عبدالحکیم، آئینہ شرف، ص:۱۴۹، ۱۵۰ (تحفۃ الصلوٰہ الی النبی المختار، تصنیف: علامہ محمد عنایت اللہ نقشبندی مجددی پر تقریظ)

۳۹۔ حضرتِ شیخ نے یہ کلمات مؤرخہ ۲۹/ شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ، ۳۱/ جنوری ۱۹۹۵ء کو تحریر کئے۔ ایضا، ص:۱۵۲۔

۴۰۔ ایضاً، ص:۱۵۰، ۱۵۱

۴۱۔ ایضاً، ص:۹۱(غزوات النبی ﷺ تالیف: علامہ نور بخش توکلی قدس سرہٗ پر تقریظ)

۴۲۔ مقالات شرف قادری، مکتبہ قادریہ لاہور، ۲۰۰۷ء، ص:۴۵۱ تا ص:۴۳۵ تا ص:۴۵۰

۴۳۔ ص:۱۳۷(فضائل وبرکات اسمِ محمد (ﷺ)، از: حکیم محمد رمضان علی قادری پر تقریظ)

۴۴۔ آئینہ شرف، ص:۱۷۰، ۱۷۱(حقائق سفر معراج مصنف: میاں فضل احمد حبیبی پر تقریظ)

۴۵۔ ص:۱۹۶(فتنۂ یوسف کذاب، مصنف: حاجی محمد ارشد قریشی پر تقریظ)

نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) معاشرے میں اقلیتوں کے حقوق

ڈاکٹر محمد احمد نعیمی
(شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ ہمدرد نئی، دہلی)

کفر و شرک اسلامی شریعت اور اس کے دستور میں سب سے بڑا گناہ ہے اور اس کے مرتکب دورِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں اقلیت کی حیثیت رکھتے تھے لیکن اس گناہ کے مرتکبین کو بھی اسلام نے اسنانی حقوق سے محروم نہیں کیا ہے۔ ان کے لیے بھی بنا کسی فرق و امتیاز کے حقوق کی خاص رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ یہاں تک کہ غریبوں، مسکینوں اور مفلسوں کی مالی اعانت، پریشان حالوں و مجبوروں کی مدد کے سلسلے میں مسلم و غیر مسلم کی کوئی قید نہیں رکھی ہے بلکہ سب کے ساتھ یکساں حسن سلوک سے پیش آنے کی نصیحت کی گئی ہے اور انسانیت کے ناطے تمام ضرورت مندوں کی حاجت روائی کا حکم دیا گیا ہے۔

ابتدائے اسلام میں بعض مومنوں کو شبہ ہوتا تھا کہ کافر و مشرک اعزاء و اقرباء کے ساتھ کیسے محبت و ہمدردی اور صلہ رحمی کا برتاؤ کیا جائے؟ چنانچہ قرآنِ پاک اور حدیث پاک نے اسی دور میں اس مسئلہ کو بالکل واضح فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ:

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْۤا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰۤى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (۱)

(اللہ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور عدل و انصاف سے منع نہیں کرتا جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ نہ کی ہو اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہ نکالا ہو۔ بے شک اللہ انصاف

کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ اللہ تمہیں ان لوگوں کی دوستی سے منع فرماتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہیں نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی، جو ان سے دوستی کرے وہی ظالم ہیں۔)

حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ:

عن اسمآء ابنة ابی بکر رضی اللہ عنہما قالت ائتنی امی راغبة فی عهد النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فسالت النبی صلی اللہ علیہ وسلم أأصِلُهَا؟ قالَ نعم۔(۲)

(حضرت اسماء بنت ابوبکر فرماتی ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں میری والدہ (جو مشرکہ تھیں) عمدہ سلوک کی طلب میں میرے پاس (مدینہ) تشریف لائیں۔ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، کیا میں اپنی ماں کے ساتھ حسن سلوک کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں ان کے ساتھ نیک سلوک کرو)

قرآن وحدیث کی عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ جو قوم مسلمانوں سے جنگ وجدال نہ کرے اور ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالے تو ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کو اسلام منع نہیں کرتا۔ بعض لوگ لاعلمی یا تعصب کی بنا پر کہتے ہیں کہ اسلام میں اقلیتوں یعنی غیر مسلموں کے حقوق محفوظ نہیں ہیں، ان کے ساتھ فرق کیا جاتا ہے مظلوم و مجبور ہونے کی صورت میں ان کے ساتھ انصاف کا برتاؤ نہیں کیا جاتا ہے، یہ سراسر بہتان والزام ہے کیونکہ اسلام ہی وہ مذہب ہے کہ جس میں غیر مسلموں کے حقوق مالی وجانی اعتبار سے مسلمانوں کے حقوق کے مساوی ہیں۔ اسلامی حکومت میں غیر مسلم اسلامی دستور کے مطابق اپنے جملہ تمدنی حقوق سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اپنے پرسنل لاء پر عمل کرسکتے ہیں، اپنے معاملات کے فیصلے خود حل کرسکتے ہیں، اپنی عبادت گاہیں تعمیر کرسکتے ہیں، ان کے مال وجائیداد پر کوئی جبراً قبضہ نہیں کرسکتا۔ ان کی جان وعزت نفس پر کوئی دست درازی نہیں کرسکتا۔ چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

من قتل نفساً معاهِداً لم یرح رائحة الجنّةِ وانّ ریحها یوجد من مسیرة اربعین عاماً۔(۳)

(جس نے کسی ایسے غیر مسلم کو قتل کیا جس سے معاہدہ ہوچکا ہو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکے گا حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کی دوری سے محسوس ہوگی)

الامن ظلم معاھدًا او انتقصهُ او کلفه فوق طاقة واخذ شیئاً بغیر طیب نفس فانا حجیجه یوم القیمة۔(۴)

(خبر دار! جس شخص نے کسی غیر مسلم معاہد پر ظلم کیا یا اس کی عیب جوئی کی یا اس کی طاقت سے بڑھ کر اس سے کام لیا اور اس کی کوئی چیز اس کی مرضی کے بغیر لے لی تو میں قیامت کے دن اس کے خلاف رہوں گا)

اموالھم کاموالنا و دمائھم کدمائنا و اعراضھم کاعراضنا۔(۵)

(ان کے مال ہمارے مالوں کی طرح ہیں اور ان کے خون ہمارے خونوں کی طرح ہیں اور ان کی عزت ہماری عزتوں کی طرح ہے)

مذکورہ بالا جملہ احادیث معاہد یا ذمّی افراد کے بارے میں ہیں اور معاہد یا ذمّی سے مراد وہ غیر مسلم لوگ ہیں جو اسلامی حکومت کے شہری ہوں یا جن سے اسلامی سلطنت کا معاہدۂ امن و صلح ہو یا جو اسلامی ریاست میں جزیہ دے کر رہتے ہوں۔ ایسے کسی غیر مسلم کو ناحق قتل کرنا کھلی بدعہدی ہے اور جو مسلمان یہ حرکت کرے گا وہ قیامت کے روز جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ پائے گا۔ یہی نہیں بلکہ حدیث رسول کا تیور و مزاج اس بات کو بھی سخت مذموم قرار دیتا ہے کہ اسلامی حکومت میں کسی غیر مسلم پر ظلم کیا جائے، اس کی عیب جوئی کی جائے، اس سے زیادہ محنت لی جائے یا اس کا مال غصب کیا جائے۔ جو لوگ ایسی حرکت و گناہ کے مرتکب ہوں گے حدیث شریف کے مطابق وہ بروز قیامت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت و ناراضگی کے حقدار ہوں گے۔

مختصر یہ کہ اسلام نے غیر مسلموں یا اقلیتوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان کے انسانی حقوق متعین کرنے میں کوئی جانب داری یا حق تلفی سے ہرگز کام نہیں لیا ہے بلکہ ان کے مال، خون اور عزت کو مسلمانوں ہی کی طرح محترم قرار دیا ہے۔ اور مسلمانوں کی طرح ان کو بھی مذہبی، سماجی و معاشی اور نجی معاملات میں مساوات کا حق دیا ہے۔

اقلیتوں کے سیاسی و شہری حقوق ہوں یا عدل و انصاف کے حقوق، مذہب و عقیدے کی آزادی کا مسئلہ ہو یا مذہبی عبادت گاہوں کے تحفظ اور مذہب کی تبلیغ کا مسئلہ، عزت و آبرو اور جان کی حفاظت کا معاملہ ہو یا زمین و جائیداد و مال کی حفاظت کا معاملہ، تعلیم کا حق ہو یا محنت و اجرت کا حق اور رہائشی آزادی کا حق ہو یا مذہبی آزادی کا حق، اسلام نے ہر میدان میں ان کو آزادی و برابری کا حق دیا ہے بلکہ معاہد یا

ذمی غیر مسلم کے حقوق کے بارے میں مسلمانوں کو بار بار متوجہ کیا ہے اور عہد وپیاں کی پاسداری کا مکمل لحاظ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اسی لیے اسلامی شریعت میں ان کو معاہد یا ذمی کا نام دیا گیا ہے۔ لسان العرب میں ہے کہ:

ومن ذالك يسمّى اهل العهد اهل الذمة وهم الذين يو دون الجزية من المشركين كلهم، ورجل ذمى معناه رجل له عهدٌ۔(۶)

(اور اسی وجہ سے اہل ذمہ کو اہل عہد (معاہد) کہا جاتا ہے، یہ وہ مشرکین ہیں جو جزیہ ادا کرتے ہیں اور رجل ذمی سے مراد ایسا شخص ہے جس کے لیے عہد کیا گیا ہو)

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں:

وسمى اهل الذمة لدخولهم فى عهد المسلمين وامانهم۔(۷)

(اہل ذمہ کو اہل ذمی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے عہد اور امان میں داخل ہیں۔)

جزیہ وخراج کے مسئلہ میں بظاہر مسلم وغیر مسلم کے مابین فرق نظر آتا ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ یہ غیر مسلموں کے ساتھ نا انصافی ہے جو مذہبی اختلاف کی وجہ سے ان کے ساتھ کی گئی ہے۔ لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے کیونکہ جزیہ یا خراج وغیرہ کا غیر مسلموں پر عائد ہونا مذہبی اختلافات کی وجہ سے نہیں بلکہ ذمہ داریوں وضرورتوں کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔ مسلمانوں پر زکوۃ فرض ہے جو ایک اسلامی رکن وعبادت ہے، ظاہر ہے کہ یہ عبادت غیر مسلمان پر واجب نہیں کی جاسکتی اس لیے ان پر معمولی وادنیٰ سا ٹیکس جزیہ کی صورت میں عائد کیا جاتا ہے۔ اور یہ اصول وقانون دنیا کی ہر قوم وہر ملک میں پایا جاتا ہے۔ کہیں اس کو جزیہ کہا جاتا ہے، کہیں ٹیکس، کہیں کَر (कर) اور کہیں خراج وغیرہ۔

اسلامی ریاست میں اقلیتوں یعنی غیر مسلموں پر جو جزیہ نافذ ہوتا ہے دراصل وہ ان کی حفاظت کی ذمہ داری کی اُجرت ہے۔ اور اسلامی حکومت کی یہ امتیازی شان رہی ہے کہ اگر کسی مجبوری کی وجہ سے وہ ذمیوں کی حفاظت سے معذور رہی ہے تو ان سے لیا ہوا جزیہ واپس کر دیا ہے۔ اسی طرح اگر غیر مسلموں نے فوجی خدمات انجام دی ہیں تو وہ معاف کر دیا گیا ہے۔(۸)

دنیا کا ہر دانشمندن اچھی طرح جانتا ہے کہ قوم وملک کے تحفظ وسلامتی پر کتنے غیر معمولی اخراجات ہوتے ہیں۔ لیکن اتنے شدید اخراجات کے باوجود اسلام نے اقلیتوں کی جانی، مالی، نفسی،

مذہبی، انفرادی اور سماجی تحفظ کے بدلے ایک ادنیٰ سا ٹیکس جزیہ کی شکل میں عائد کیا ہے اور اس کے عوض مسلمانوں سے زیادہ ان کو مراعات عطا کی ہیں۔ مثلاً اسلامی حکومت پر دشمن کے حملہ کرنے کی صورت میں مسلمانوں پر جہاد فرض ہے جس میں ان کو جان ومال دونوں کی قربانی دینی پڑتی ہے۔ اس کے برخلاف اقلیتوں پر جہاد فرض نہیں اور ان کو جانی ومالی کوئی قربانی نہیں دینی ہوتی ہے۔ مسلمانوں پر ہر سال زکوٰۃ فرض اور عشر واجب ہوتا ہے۔ لیکن غیر مسلم اس سے مستثنٰی ہیں کیونکہ یہ اسلامی عبادات ہیں ان پر صرف معمولی سا جزیہ (ٹیکس) ضروری ہوتا ہے۔

خیال رہے کہ اسلام نے ظلم وستم اور فتنہ وفساد دفع کرنے اور جان ومال اور عزت وآبرو کے تحفظ کے لیے جنگ وجہاد کو مسلمانوں پر ضروری قرار دیا ہے لیکن اس سلسلے میں مسلمانوں کو مکمل آزاد نہیں چھوڑا ہے کہ وہ جو چاہیں کریں بلکہ میدانِ جنگ میں بھی ان کو اخلاقی ہدایات کا پابند بنایا ہے اور دشمن و حریف کے ساتھ بھی حتی الامکان حسنِ سلوک سے پیش آنے کا درس دیا ہے۔ چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

انطلقوابسم الله وبالله على ملّة رسول الله، لا تقتلوا شيخًا فانيًا ولا طفلاً صغيرًا ولا امرأة ولا تغلوا وضمّوا غنائمكم واصلحوا واحسنوافان الله يحب المحسنين۔(۹)

(دشمنوں سے جہاد کے لیے اللہ کے نام کے ساتھ، اللہ کی تائید کے ساتھ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ملّت پر قائم رہتے ہوئے نکل کھڑے ہو! (لیکن خیال رہے کہ) ناتواں، بوڑھوں، چھوٹے بچوں اور عورتوں پر ہاتھ نہ اٹھاؤ، مالِ غنیمت میں خیانت نہ کرو۔ جنگ میں کچھ ہاتھ آئے سب ایک جگہ جمع کرو اور احسان کا طریقہ اختیار کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔)

اسی طرح صحیحین میں حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

وجدت امرأة مقتولة في بعض مغازی رسول الله صلى الله عليه وسلم فنهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن قتل النساء والصبيان۔(۱۰)

(غزواتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی میں ایک عورت مقتول پائی گئی تو آپ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا)

دنیا کی اکثر اقوام کا جنگ کے حوالہ سے اگر ہم مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بنام جنگ سب کچھ جائز تھا، کوئی اخلاقی وانسانی اُصول و ضابطہ نہیں تھا۔ وہ اپنے مقابل وحریف کے نہ صرف بوڑھوں، بچوں اور عورتوں پر ظلم وستم کرتے تھے بلکہ ان کے باغات اور کھیت کھلیان وغیرہ کو بھی تباہ وبرباد کر دیا کرتے تھے جیسے ویدوں میں مذکور آریوں اور اناریوں کی معرکہ آرائیاں یامہابھارت کے کورو اور پانڈووں کی جنگ یا عیسائی اقوام کی بربریت وسفاکی وغیرہ۔ اس کے برخلاف اسلام نے نہ صرف بچوں، بوڑھوں اور عورتوں پر دست درازی سے منع فرمایا بلکہ جانوروں اور پیڑ پودوں پر بھی ظلم کرنے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا۔ چنانچہ ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب شام کی جانب لشکر بھیجا تو یزید بن ابی سفیان کو دس باتوں کی وصیّت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

وانی موصیك بعشر لا تقتلنّ امرأةً ولا صبیّا ولا کبیرًا هرمًا ولا تقطعنّ شجرًا مثمرا ولا تخربنّ عامرًا ولا تعقرن شاة ولا بعیرًا الا لماکلة ولا تحرقن نخلاً ولا تغرقنّه ولا تغلل ولا تجبن۔(۱۱)

(میں تجھ کو دس باتوں کی وصیت کرتا ہوں، عورت کو مت مارنا اور نہ بچوں کو اور نہ بوڑھوں کو۔ اور کانٹے دار، اور پھل دار درخت کو ہرگز مت کاٹنا اور نہ کسی بستی کو اُجاڑنا اور نہ کسی بکری اور اونٹ کی کونچیں کاٹنا، مگر کھانے کے واسطے اور نہ جلانا کھجور کے درخت کو اور مت ڈبونا اس کو اور غنیمت کے مال میں چوری نہ کرنا اور بزدلی کا مظاہرہ نہ کرنا۔)

معلوم ہوا کہ اہلِ قتال جن سے جنگ وجہاد کرنا اور ان پر ہتھیار اُٹھانا جائز ہے اسلامی نقطۂ نظر سے اُن پر بھی لامحدود حق حاصل نہیں ہے بلکہ اس کی بھی حدود اور کچھ اخلاقی قوانین ہیں جن کی پابندی انتہائی ضروری ہے۔

اسلام سے قبل اہلِ عرب کا طریقہ تھا کہ رات میں بے خبر سوتے لوگوں پر قتل وغارت گری کرتے، اسلام نے اس ظالمانہ حرکت کی اصلاح فرمائی اور صبح سے قبل کسی پر حملہ کرنے سے منع فرمایا۔ اس دور میں عام طور پر دشمن کو زندہ جلادینے کا معمول تھا۔ اسلام نے اس وحشیانہ عمل کو بھی سخت ممنوع قرار دیا۔ اسی طرح دشمن کو باندھ کر، تڑپا تڑپا کر مارنے کا بھی رواج تھا اسلام نے اس کی بھی سختی کے ساتھ مذمت کی۔ لوگ جنگ کے علاوہ بھی لوٹ مار کیا کرتے تھے، اسلام نے جنگ کے علاوہ اس کو سخت حرام قرار دیا اور دشمن کے مال وچوپایوں پر دست درازی کرنے سے بہت سختی کے ساتھ منع

فرمایا۔ اسی طرح حکم دیا کہ دشمن فوج کے کسی بھی شخص کے جسمانی اعضاء نہ کاٹے جائیں نہ بگاڑے جائیں اور دشمن قوم کے راہبوں اور عابدوں کو نہ ستایا جائے اور نہ ان کی عبادت گاہیں مسمار کی جائیں۔(۱۲)

نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) معاشرے میں اقلیتوں کے حقوق کی کتنی رعایت اور تحفظ کیا گیا ہے اور غیر مسلموں کے ساتھ کس قدر حسن اخلاق کا مظاہرہ کرنے اور وسعت قلبی سے پیش آنے کا درس دیا ہے اس کو فتح مکہ کے تاریخی حقائق کی روشنی میں بھی بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ کفارِ مکہ نے مسلسل کئی سالوں تک پیغمبر اسلام ﷺ اور آپ کے متبعین پر جسمانی، مالی، ذہنی، قلبی اور سماجی ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے اور ہر آسائش وآرام سے محروم کرنے کی ناپاک کوشش کی۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا کیا اور پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنے ہزاروں متبعین کے ساتھ مکہ کو فتح کیا تو آپ نے ان سارے دشمنوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ معاف فرمادیا کہ جنہوں نے ایک عرصۂ دراز تک طرح طرح کے ظلم وتشدد کا آپ ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو شکار بنایا تھا۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت سعد بن عبادہ نے ابوسفیان سے کہا "الیوم یوم الملحمۃ" آج لڑائی کا دن ہے، آج انتقام کا دن ہے، آج ماضی کے ظلم وستم کا بدلہ لیا جائے گا۔ یہ سن کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اتنا ناراض ہوئے کہ ان سے جھنڈا لیکر ان کے بیٹے قیس کے سپرد فرمادیا اور ابوسفیان سے فرمایا "الیوم یوم المرحمۃ" آج انتقام کا نہیں بلکہ آج رحمت اور معاف کرنے کا دن ہے۔(۱۳)

اسلامی شریعت کی رو سے اگر کوئی غیر مسلم دشمن کے خوف، یا کسی مصیبت وپریشانی کے وقت اگر کسی مسلمان سے پناہ مانگتا ہے تو اسلام نے اس کو پناہ دینے کی بھی پوری اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ۔(۱۴)

(اور اگر مشرکوں یا کافروں میں سے کوئی تمہاری پناہ کا طلب گار ہو تو تم اس کو پناہ دو یہاں تک کہ اس کو اللہ کا کلام سننے کا موقع مل جائے، پھر تم اس کو اطمینان کی جگہ پر پہنچادو، یہ اس لیے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے)

اسلام نے صرف غیر مسلم کو پناہ دینے کا حکم نہیں دیا ہے بلکہ اگر کوئی غیر مسلم کسی دشمن کو پناہ دے تو اس کو بھی مسلمان کی پناہ کے مثل قرار دیا ہے۔ حدیث شریف میں مرقوم ہے:

عن ابی ھریرہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من دخل دار ابی سفیان فھو امن ومن القی السلاح فھو آمِن ومن اغلق بَابَہٗ فھو آمِن۔(۱۵)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (فتح مکہ کے موقع پر) فرمایا جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگا اس کو امان ملے گی، جو ہتھیار ڈال دے گا اس کو بھی امان ملے گی اور جو اپنا دروازہ بند کرلے گا اس کو بھی امان ملے گی۔)

مذکورہ بالا فرمان حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر جاری فرمایا تھا۔ اس وقت ابوسفیان قریش کا سردار، کافروں کے لشکر کا کمانڈر اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت جانی دشمن تھا لیکن آپ نے نہ صرف اس کو معاف کردیا بلکہ جو اس کے گھر میں داخل ہوگیا اس کو بھی معافی نامہ عنایت فرمادیا۔ اسی طرح مکہ میں آپ کے اور مسلمانوں کے دوسرے دشمن تھے ان کو بھی معاف کردیا گیا اور ارشاد فرمایا گیا:

لاتثریب علیکم الیوم اذھبوا انتم الطلقاء۔(۱۶)

(آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو)

غزوۂ خیبر کے موقع پر بھی آپ نے بے مثال محبت ورحم دلی کا مظاہرہ کیا اور ارشاد فرمایا:

انَّ اللہ تعالیٰ لم یحل لکم ان تدخلوا بیوت اھل الکتاب اِلَّا بِاذْنٍ وَلَا ضرب نسآء ھم ولا اکل ثمارھم اذا اعطوکم الذی علیھم۔(۱۷)

(اور بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے یہ بات جائز نہیں رکھی ہے کہ تم بلا اجازت اہل کتاب کے گھروں میں داخل ہوجاؤ، نہ ان کی خواتین کو مارنے کی اجازت ہے اور نہ ان کے پھل کھانے کی جب تک کہ وہ اپنی ذمہ داری ادا کرتے رہیں۔)

اسی طرح اسلام نے غیر مسلم قیدیوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کا مظاہرہ کرنے اور ان کے کھانے پینے اور آرام کا مکمل خیال رکھنے کا حکم دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِيناً وَيَتِيماً وَأَسِيرا۔ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاء وَلَا شُكُوراً۔(۱۸)

اور باوجودیکہ ان کو خود طعام کی خواہش (اور حاجت) ہے فقیروں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں۔ (اور کہتے ہیں) کہ ہم تم کو خالص اللہ کے لیے کھلاتے ہیں نہ تم سے عوض کے خواستگار ہیں نہ شکر گزاری کے (طلبگار)۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”الاسیر من اهل الشرك يكون فى ايديهم“ (۱۹) (اسیر وہ ہے جس کا تعلق اہلِ شرک سے ہے جو مسلمانوں کے قبضے میں قیدی ہے)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”لقد امر الله بالاسرى ان يحسن اليهم وان اسراهم يومئذ لاهل الشرك“۔(۲۰)

(اللہ تعالیٰ نے قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے اور اس دور میں ان کے قیدی اہل شرک (غیر مسلم) ہی ہوتے تھے)

قرآن مجید کے علاوہ کتب احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ غیر مسلم قیدیوں کو کھانا کھلانا انتہائی مستحسن عمل ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار صحابہ نے غیر مسلم قیدیوں کے ساتھ انتہائی عمدہ برتاؤ کیا ہے۔ چنانچہ جب جنگ بدر میں مشرکین کے ۷۰ افراد قتل ہوئے اور ۷۰ ہی قیدی بنائے گئے تو ان قیدیوں کو اللہ کے رسول نے صحابۂ کرام کے درمیان تقسیم فرمادیا اور حکم دیا کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ یہاں تک کے جنگ بدر کے قیدیوں کو جب رسیوں میں جکڑا گیا تو ان کی تکلیف و پریشانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دیکھی نہ گئی، جس کی وجہ سے آپ پریشان ہوگئے اور کافی رات تک سو نہیں پائے، لہٰذا صحابۂ کرام نے ان کی رسیوں کے بندھن کھول دیئے اور پھر آپ نے آرام فرمایا۔(۲۱) حضرت مصعب بن عمیر کے بھائی ابو عزیز بن عمیر کہتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں نضر بن حارث کے بعد مشرکین کا میں علمبردار تھا۔ میں بھی قید ہوا اور بعض انصار کے سپرد کیا گیا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی نصیحت کا انصار پر یہ اثر تھا کہ صبح وشام کھانے کے وقت مجھے روٹی کھلاتے اور خود کھجور پر گذراہ کرتے۔ ان میں سے کسی کو روٹی کا ایک ٹکڑا بھی ملتا تو مجھے دے دے دیتا اس کو ہاتھ نہیں لگاتا تھا، اس سے مجھے شرمندگی سی محسوس ہوتی تھی۔(۲۲)

خیال رہے کہ اسلام نے صرف جنگ ومعرکہ آرائی اور قیدی ہونے کی صورت میں ہی اقلیتوں وغیر مسلموں کے تیئں حسن سلوک کا مظاہرہ نہیں کیا ہے بلکہ انسانی زندگی کے ہر شعبے میں عمدہ برتاؤ کا درس دیا ہے اور انسانی حقوق کے نفاذ میں ان کے ساتھ مکمل عدل وانصاف سے کام لیا ہے۔ بلکہ اس سلسلے میں جس فراغ دلی اور عظیم رواداری کا نمونہ پیش کیا ہے وہ پوری دنیا کے لیے قابل عمل ہے۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فتح حیرہ کے موقع پر جو معاہدہ ہوا تھا اس میں تحریر تھا کہ:

ایّما شیخ ضعف عن العمل او اصابته افة من الأفات اوکان غنیّاً فا فتتقر وصار اهل دینه یتصدقون علیه طرحت جزیته وعیل من بیت مال المسلمون وعیاله ما اقام بدارِ الهجرة دار الاسلام۔(۲۳)

(کوئی بوڑھا آدمی جو کام سے معذور ہو جائے یا کوئی سخت مرض میں مبتلا ہو کر مجبور ہو جائے یا جو مالدار ہو پھر ایسا غریب ہو جائے کہ خیرات کھانے لگے ایسے لوگوں سے جزیہ نہیں لیا جائے گا اور جب تک وہ زندہ رہیں ان کے اہلِ وعیال کے اخراجات مسلمانوں کے بیت المال سے پورے کیے جائیں۔ جب تک ان کا قیام دارالہجرت اور دارالاسلام میں رہے۔)

کسی مسلمان کے معذور یا مجبور ہو جانے پر شریعت اسلامی بیت المال سے اس کی کفالت وتربیت کا حکم دیتا ہے اور یہی حکم ذمی غیر مسلم کے لیے ہے۔ چنانچہ حضرت سعید بن المسیب سے مروی ہے۔" ان رسول اللہ ﷺ تصدق صدقه علی اهل بیت من الیهود فهی تجری علیهم"۔(۲۴)

(رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کے ایک گھرانے کو صدقہ دیا اور حضور کے وصال کے بعد بھی وہ انہیں دیا جارہا ہے۔)

اسی طرح ایک دوسری روایت میں ہے،"تصدقوا علیٰ اهل الادیان"، تمام اہل مذاہب پر صدقہ وخیرات کرو۔(۲۵)

اس طرح اسلام نے محتاجوں و معذوروں کی خدمت کے لیے زندگی کے تمام شعبوں میں حسن سلوک کا درس دیا ہے اور مسلم یا غیر مسلم، قومی یا غیر قومی، نسلی یا غیر نسلی اور ملکی یا غیر ملکی کا فرق کئے بغیر سب کے ساتھ یکساں سلوک کیے جانے کا حکم دیا ہے۔ فرمانِ رسول علیہ السلام ہے کہ:

الخلق کلھم عیال اللہ فاحبُّھم الی اللہ انفعھم لعیالہٖ۔(۲۶)

(ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور خدا کی نظر میں سب سے محبوب وہ ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔)

عدل و انصاف اور حق گوئی بھی اسلامی تعلیمات کا ایک روشن باب ہے۔ عدل کے اسلامی معنی ہیں باہمی معاملات میں عدل و انصاف سے کام لینا۔ اسلام نے عدل و انصاف کے آئین و قوانین دوست دشمن، مسلم و غیر مسلم، اپنے بیگانے سب کے لیے یکساں مقرر فرمائے ہیں اور کسی بھی صورت میں کسی کے ساتھ رعایت نہ کر کے ناانصافی و ظلم کا باب نہیں کھولا ہے۔ چنانچہ اللہ رب العزت اپنے مقدس کلام قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۙ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی۔(۲۷)

(کسی قوم کی دشمنی بھی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان سے عدل و انصاف نہ کرو، ہر حال میں عدل کرو یہ روشن تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔)

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ۚ اِنْ یَّکُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰی بِهِمَا۔(۲۸)

(اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ اللہ کے لیے گواہی دیتے ہوئے چاہے اس میں تمہارا نقصان ہو یا ماں باپ کا یا رشتہ داروں کا، جس پر گواہی دو وہ غنی ہو یا فقیر ہو اللہ کو اس کا سب سے زیادہ اختیار ہے تو خواہش کے پیچھے نہ جاؤ کہ حق سے الگ پڑ جاؤ اور اگر تم ہیر پھیر کرو یا روگردانی کرو تو اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔)

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَهْلِهَا وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ سَمِیْعًا بَصِیْرًا۔(۲۹)

(بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں جن کی ہیں ان کے سپرد کرو اور یہ کہ جب تم لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ بے شک اللہ تمہیں کیا ہی خوب نصیحت فرماتا ہے)

حق گوئی و انصاف کی نصیحت کرتے ہوئے مزید فرمایا گیا کہ:

وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ أَوْفُوْا۔(۳۰)

(اور جب بات کہو تو انصاف کی کہو اگرچہ تمہارے رشتہ دار کا معاملہ ہو اور اللہ کا عہد پورا کرو)

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ۔(۳۱)

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ (۳۲)

(اور اگر تم سزا دو تو ایسی ہی سزا جیسی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی تھی۔)

پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم عدل وانصاف کے معاملہ میں سب کے ساتھ یکساں طور پر کس قدر مساوات اور ایک جیسا سلوک کرنے کے داعی وہادی تھے اس کا اندازہ آپ اس حدیث پاک سے بخوبی لگا سکتے ہیں جو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ:

”قریش ایک مخزومی عورت کے سلسلے میں فکر مند ہوئے جس نے چوری کی تھی کہنے لگے اس کے بارے میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کون سفارش کرے؟ سب نے کہا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں۔ ان کے سوا کون ایسے کام کی جرأت کر سکتا ہے؟ چنانچہ حضرت اسامہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی تو آپ نے فرمایا:

اِنَّمَا اَهْلَكَ الذين من قبلِكُم اَنّهم كانوا اِذا سرق فيهِمُ الشَّريفُ تركوه واِذا سرق فيهِمُ الضَّعيفُ اقاموا عليه الحدَّ وايم الله لو ان فاطمة بنت محمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا۔(۳۳)

(تم سے پہلے لوگ اسی لیے ہلاک ہوئے کہ جب ان کا کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے۔ اللہ کی قسم اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) بھی چوری کرتیں تو میں ان کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔)

اس طرح قرآن واحادیث کی روشنی میں ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے عدل وانصاف میں مساوات وحق گوئی واجب وفرض ہے۔

باہمی معاملات میں عدل وانصاف سے کام نہ لینا بسااوقات ہلاکت وخونریزی، عداوت وبغاوت، نقض امن وفساد کا موجب اور سراسر ظلم وستم ہوتا ہے اس لیے اسلام بنا تفریق مذہب وملّت یا مسلم اور غیر مسلم عدل وانصاف کے معاملات میں ہی ظلم کا سدباب نہیں کرتا بلکہ زندگی کے کسی بھی شعبے یا معاملے میں وہ اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دیتا کہ ایک انسان دوسرے انسان پر ظلم وزیادتی کرے یا اس کے رنج وخوف کا باعث بنے اور اس کو تکلیف ونقصان پہنچائے۔ عام ازیں کہ وہ کسی قوم یا کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ اس لیے اسلام نے اس کے سدباب وروک تھام کے لیے بڑے سخت وروشن قدم اٹھائے ہیں اور کہیں کوئی ایسا موقع فراہم نہیں کیا ہے جس سے انسان فریب کھاکر ظلم وستم کے بھیانک وتاریک گڑھے میں اوندھے منہ گر سکے۔ چنانچہ ظلم وظالم کی مذمت کرتے ہوئے اللہ رب العالمین ارشاد فرماتا ہے کہ:

وَالظّٰلِمُوْنَ مَالَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ۔(۳۴)

(اور ظلم کرنے والوں کا کوئی حمایتی ومددگار نہیں)

لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ۔(۳۵)

(نہ تم کسی کو نقصان پہنچاؤ اور نہ تمھیں نقصان ہو)

وانّ الظالمین لهم عذاب اليم۔(۳۶)

(بے شک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے)

اس طرح قرآن نے ظلم کو بہت ہی عظیم گناہ قرار دیا ہے اور اس سے باز رہنے کی بڑی سخت ہدایت ونصیحت فرمائی ہے۔ اور صرف ظلم سے اجتناب واحتراز کی تاکید نہیں فرمائی ہے بلکہ اگر کسی نے آپ پر ظلم کیا ہے تو اس کے جواب میں ظالم ومجرم کے ساتھ انتقامی طور پر بھی انصاف سے تجاوز کرنے کو ناپسند کیا ہے اور حکم دیا ہے کہ ایسی صورت میں بھی اسی حد تک انتقام ضروری ہے کہ جتنا ظلم آپ کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں قرآنِ مقدس نے جو روشن تعلیمات وہدایات مرحمت فرمائی ہیں وہ اس طرح ہیں کہ:

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ۔(۳۷)

(جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اسی کے برابر زیادتی کرو جو اس نے تم پر کی ہے)

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ۔(۳۸)

(اور اگر تم سزا دو تو ایسی ہی سزا جیسی تمھیں تکلیف پہنچائی گئی تھی)

قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیات سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ رب العلمین کسی حال و کسی صورت میں ظلم کو پسند نہیں فرماتا۔ مقام غور ہے کہ جب اللہ تعالیٰ خالق ومالک اور حاکم ہونے کے باوجود کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا تو پھر انسان اور اس کی مخلوق و محکوم کے لیے یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ اسی کے عطا کردہ اختیارات اور طاقتوں کو دوسروں پر ظلم ڈھانے کے لیے استعمال کرے۔ حدیث قدسی ہے کہ:

عن ابی ذرٍّ عن النَّبِی صلی اللہ علیہ وسلم فیمَا رَوَی عن اللہ تبارکَ وتعالیٰ انہٗ قال: یاعبادِی انی حَرَّمتُ الظُّلْمَ عَلیٰ نَفْسِیْ وجعلتہٗ بینکم محرَّماً فلوتظالموا۔(۳۹)

(حضرت ابوذر سے روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے کہ اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کرلیا ہے اور تمہارے درمیان بھی اس کو حرام ٹھہرایا ہے لہٰذا ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔)

مختصر یہ کہ قرآن مجید وحدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ظلم وزیادتی سخت ناجائز وحرام ہے۔ کسی پر ادنیٰ سے ادنیٰ ظلم کرنے کی بھی اسلام کسی حال میں اجازت نہیں دیتا بلکہ جو قصداً ظلم کرتا ہے یا ظالموں کی مدد کرتا ہے اسلام اس کو دائرہ اسلام سے خارج ہونے کی تنبیہ کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

من مشی مع ظالم لیقویه وهو یعلم انّهٗ ظالم فقد خرج من الاسلام۔

(جو کسی ظالم کے ساتھ اس کو طاقت پہنچانے کے لیے چلا جب کہ جانتا تھا کہ وہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے نکل گیا۔)

اسلامی نقطۂ نظر سے ہر انسان کی جان ومال اور اس کی عزت انمول نعمت الٰہی ہیں۔ مکمل آزادی کے ساتھ جن کی حفاظت کرنا ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ اسلامی اخلاق واقدار نے ہر انسان کو یہ حق دیا ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ بے خوف زندہ رہے اور اس کی جان، مال و عزت ہر اعتبار سے محفوظ ہو۔ انہیں کسی قسم کا خوف اور نقصان لاحق نہ ہو۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ۔(۴۰)

(اور کوئی جان جس کی حرمت اللہ نے رکھی ہے ناحق نہ مارو)

اسلامی اعتبار سے ایک انسان کی جان کی حرمت وعظمت کا یہ عالم ہے کہ ایک انسان کا ناحق خون تمام نسل انسانی کے خون کے برابر گناہِ عظیم اور ایک انسان کی جان کی حفاظت پوری انسانیت کی حفاظت کے برابر ثواب عظیم ہے۔ قرآن پاک ارشاد فرماتا ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْفَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعاً۔ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا۔(۴۱)

(جس نے کوئی جان قتل کی بغیر جان کے بدلے یا زمین میں فساد کیے تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا اور جس نے ایک جان کو بچایا اس نے گویا سب لوگوں کو بچایا۔)

مذکورہ بالا آیات قرآنیہ میں جان کی حفاظت کے تعلق سے احکام صادر فرمائے گئے ہیں اور مال کی حفاظت کے سلسلے میں احکامِ الٰہی ہیں کہ:

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ۔(۴۲)

(اور ایک دوسرے کا مال ناحق طریقہ پر نہ کھاؤ)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ۔(۴۳)

(اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر مت کھاؤ مگر یہ کہ آپسی رضامندی سے لین دین کا معاملہ طے ہو۔)

اس طرح اسلام نے مسلم ہو یا غیر مسلم ہر انسان کی جان ومال اور عزت کو محترم ومعزز قرار دیا ہے اور اس کے تحفظ ودفاع کی انسان کو مکمل اجازت عنایت کی ہے۔

اس کے علاوہ اگر ہم سماجی ومعاشرتی لحاظ سے اسلامی تعلیمات کا جائزہ لیں تو اس اعتبار سے بھی اسلام نے اقلیتوں اور غیر مسلموں کے ساتھ انتہائی غیر جانب داری اور مساوات کا نمونہ پیش کیا ہے۔

دنیا جانتی ہے کہ اسلام کفر وشرک کی سخت مخالفت کرتا ہے توحید کی دعوت دیتا ہے لیکن دوسرے مذاہب کے لوگوں کو اپنے عقائد بدلنے اور اسلام قبول کرنے کے لیے دباؤ نہیں ڈالتا۔ کسی بھی زور زبردستی سے اسلام کی دعوت دینے یا منوانے سے اسلام نے واضح طور پر منع فرمایا ہے حکمت ودانائی اور موعظ حسنہ سے اسلام کی دعوت پیش کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۔(۴۴)

(اپنے رب کی طرف بلاؤ عمدہ تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور ان سے اس طریقے پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو)

اور لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ۔(۴۵)

(دین کے معاملہ میں کوئی سختی نہیں)

فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ۔(۴۶)

(جو چاہے ایمان قبول کرے اور جو چاہے کفر قبول کرے)

اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ۔(۴۷)

(کیا تم لوگوں کو مجبور کروگے کہ وہ ایمان لائیں)

جیسی قرآنی آیات کے ذریعہ ان کو مکمل آزادی کے ساتھ بنا کسی خوف وخطر کے زندگی گزارنے کا حق دیا ہے۔

مذکورہ بالا آیات سے بخوبی ظاہر ہے کہ اسلام نے اقلیتوں کو اپنے مذہب پر قائم رہنے کی مکمل آزادی عطا فرمائی ہے۔ اور کسی ظلم وزیادتی سے واضح طور پر منع فرمایا ہے۔ چنانچہ الطبقات الکبریٰ اور زادالمعاد وغیرہ میں مذکور ہے کہ ”ایک بار نجران کے عیسائیوں کا ۱۴/ افراد پر مشتمل ایک وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی غرض سے مدینہ منورہ آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وفد کو مسجد نبوی میں ٹھرایا اور اس وفد میں شریک عیسائیوں کو مسجد نبوی میں ان کے طریقے پر نماز ادا کرنے سے منع نہیں فرمایا اور ان عیسائیوں نے مسجد نبوی کی ایک جانب مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔(۴۸)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں حدود وتعزیرات اور دیوانی قوانین میں بھی مسلم اور غیر مسلم اقلیتی لوگوں کا درجہ برابر تھا۔ دورِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک بار ایک مسلمان نے ایک غیر مسلم کو قتل کر دیا۔ آپ نے قصاص کے طور پر اس مسلمان کے قتل کئے جانے کا حکم صادر فرمایا اور فرمایا:

”انا احق من اوفی بذمتہ“

غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت میرا سب سے اہم فرض ہے۔(۴۹)

اسلامی حکومت میں حدود تعزیرات میں ذمی اور مسلمان کا درجہ برابر ہے۔ جرائم کی جو سزا مسلمان کو دی جائے گی وہی ذمی کو بھی دی جائے گی ذمی کا مال مسلمان چرائے یا مسلمان کا ذمی چرائے دونوں صورتوں میں سزا ایک جیسی ہوگی۔ ذمی کو زبان یا ہاتھ پاؤں سے تکلیف پہونچانا، اس کو گالی دینا، مارنا، پیٹنا، یا اس کی غیبت کرنا اس طرح ناجائز ہے جس طرح مسلمان کے حق میں ناجائز ہے۔ چنانچہ فتاویٰ شامی ہے: ''ویجب کف الاذیٰ عنه وتحرم غیبته کالمسلم'' غیر مسلم سے تکلیف واذیت کو روکنا ایسے ہی واجب ہے جیسے مسلمان سے اور اس کی غیبت کرنا بھی اسی طرح حرام ہے۔(۵۰)

ذریعہ معاش وروزگار بھی انسان زندگی کا اہم جزولاینفک ہے۔ اسلام نے حصول رزق وکاروبار کے سلسلے میں بھی اقلیتوں کو مکمل آزادی عطا فرمائی ہے جو کاروبار مسلمان کرسکتے ہیں وہ غیر مسلم بھی کرسکتے ہیں۔ چنانچہ حضور انور ﷺ نے اہل نجران کے لیے تحریر فرمایا کہ: ''اما ان تذروالربا واما ان تاذنوا بحرب من اللہ ورسولہٗ'' (سود چھوڑ دو یا اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ)۔(۵۱)

کسی مسلمان کے معذور یا مجبور ہو جانے پر شریعت اسلامی بیت المال سے اس کی کفالت وتربیت کا حکم دیتا ہے اور یہی حکم ذمی غیر مسلم کے لیے ہے۔ چنانچہ حضرت سعید بن المسیب سے مروی ہے۔ ''ان رسول اللہ ﷺ تصدق صدقه علی اهل بیت من الیهود فهی تجری علیهم''۔(۵۲)

(رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کے ایک گھرانے کو صدقہ دیا اور حضور کے وصال کے بعد بھی وہ انہیں دیا جارہا ہے۔)

اسی طرح ایک دوسری روایت میں ہے: ''تصدقوا علی اهل الادیان'' تمام اہل مذاہب پر صدقہ وخیرات کرو۔(۵۳)

اس کے علاوہ اسلام نے غیر مسلموں کو مسلمانوں سے کاروبار کرنے کی بھی اجازت مرحمت فرمائی ہے چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور ﷺ کی وفات اس حال میں ہوئی کہ آپ کی زِرہ ایک یہودی کے پاس ۳۰ صاع جو کے عوض رہن تھی۔(۴۵)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک مقام سے گزر ہوا تو آپ نے ایک بوڑھے نابینا یہودی کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے اس سے پوچھا؟ تمہیں اس پر کس بات نے مجبور کیا اس نے کہا کہ بوڑھا ضرورت مند ہوں اور جزیہ بھی دینا ہے حضرت عمر نے اس کا ہاتھ پکڑا اور گھر لائے اور اس کو اپنے

گھر سے کچھ دیا پھر اس کو بیت المال کے خازن کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ اس کا اور اس جیسے اور لوگوں کا خیال رکھو اور ان سے جزیہ لینا مؤقوف کر دو کیونکہ یہ کوئی انصاف کی بات نہیں ہے کہ ہم نے ان کی جوانی میں ان سے جزیہ وصول کیا اور اب بڑھاپے میں ان کو اس طرح رسوا کریں۔(۵۵)

انسانی معاشرے میں مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں اور ہر مذہب میں مختلف قسم کی محافل وثقافت کا اہتمام کیا جاتا ہے، ایسی صورت میں اسلام نے وقت ضرورت ان کو دعوت دینے اور ان کی دعوت قبول کرنے کا حکم دیا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَ طَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ وَ طَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّھُمْ۔(۵۶)

خود رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے غیر مسلم یہودی کی دعوت قبول فرمائی ہے نیز غیر مسلموں کے کھانے کا اہتمام فرمایا ہے۔(۵۷)

کسی کی تعریف کرنا، شکریہ ادا کرنا یا دعا دینا بھی انسانی معاشرہ کا ایک اہم اخلاقی دستور ہے جس سے باہمی میل محبت کا ماحول پیدا ہوتا ہے، اسلام نے اس کو نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کے لیے بھی روا رکھا ہے۔ حضور انور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی ذات پاک چونکہ ہر قوم و ہر طبقے کے لیے سراپا رحمت اور باعث برکت ہے یہی وجہ ہے کہ آپ نے غیر مسلموں کو بھی دعاؤں سے نوازا ہے۔ چنانچہ حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ایک غیر مسلم یہودی سے پینے کی کوئی چیز طلب کی اس نے وہ خدمت میں پیش کی تو آپ نے اس کو دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حسین وخوبصورت رکھے۔ چنانچہ تاحیات اس کے بال سیاہ رہے۔(۵۸)

عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ مسلمان بچوں کے ساتھ تو ہم کسی قدر محبت وشفقت کا برتاؤ کرتے ہیں لیکن کفار کے بچوں کے ساتھ ہمارا جو طرزِ عمل ہوتا ہے وہ ناقابلِ بیان ہے۔ ان کی جانب تو کوئی نظر محبت والتفات ہوتی ہی نہیں لیکن اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسوۂ حسنہ اور حسنِ سلوک سے کفّار کے بچوں کے ساتھ بھی محبت ونرمی کی تلقین فرمائی ہے۔ ایک یہودی شخص کا لڑکا آپ کی خدمت میں تھا وہ ایک بار بیمار ہو گیا۔ آپ نے از خود تشریف لاکر اس کی عیادت فرمائی، اس بچّے کے سرہانے بیٹھے، پھر اس بچّے سے فرمایا اسلام قبول کرو اس بچے نے اپنے والد پر نظر ڈالی، والد نے بھی کہا

ابو القاسم کی اطاعت کر لہٰذا وہ بچّہ مسلمان ہو گیا۔ آپ یہ کہتے ہوئے نکلے: الحمد للہ الذی انقذہ من النار۔ (تمام تعریفیں اللہ کے لیے جس نے اس کو آگ سے بچالیا)۔ (۵۹)

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ بچے پر شفقت و محبت کی جائے چاہے وہ بچہ کافر کا ہی کیوں نہ ہو۔ نیز اس حدیث سے جہاں غیر مسلم بچوں کے ساتھ محبت و شفقت کا برتاؤ کرنے کا سبق ملتا ہے وہاں غیر مسلم کی عیادت کرنا بھی ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ ردالمختار علی الدر المختار میں ہے:

"ولاباس بعیادۃ الیھودی والنصرانی لانہ نوع برّفی حقھم ومانھینا عن ذالك"۔ (۶۰)

(یہودی اور نصرانی کی عیادت میں کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ یہ ان کے حق میں ایک طرح کی بھلائی اور حسن سلوک ہے اس سے ہمیں منع نہیں کیا گیا ہے)

اسی طرح اگر کسی غیر مسلم کا انتقال ہو جائے تو انسانیت کے ناطے اس کی تعزیت کے لیے جانے سے بھی اسلام منع نہیں کرتا۔ چنانچہ ردالمختار علی الدر المختار میں ہے کہ: "کسی یہودی یا مجوسی کے بچے کا انتقال ہو جائے تو اس کے مسلمان پڑوسی کو اس کی تعزیت کرنی چاہیے اور کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بہت اچھا جانشین عطا فرمائے اور آپ کے حالات کو بہتر بنائے۔ (۶۱)

انسانی زندگی اور انسانی معاشرہ میں پڑوس کا بھی بڑا عمل دخل ہے۔ ہر انسان اور ہر شئی کا کوئی نہ کوئی یا کچھ نہ کچھ پڑوس ضرور ہوتا ہے مثلاً ایک انسان دوسرے انسان کا پڑوسی، ایک گھر دوسرے گھر کا پڑوسی، ایک خاندان دوسرے خاندان کا پڑوسی، ایک محلہ دوسرے محلہ کا پڑوسی، ایک شہر دوسرے شہر کا پڑوسی اور ایک ملک دوسرے ملک کا پڑوسی ہوتا ہے۔ اسلام نے پڑوسیوں کو جو انسانی حقوق عطا فرمائے ہیں اور ان کے ساتھ جس حسنِ سلوک سے پیش آنے کی تعلیم دی ہے وہ سب کے لیے عام ہے اس میں مسلم یا غیر مسلم کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

"وبالوالدین احساناً وبذی القربیٰ والیتٰمیٰ والمساکین والجار ذی القربیٰ والجار الجنب"۔ (۶۲)

(اور ماں باپ سے بھلائی کرو اور رشتے داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور پاس کے پڑوسی اور دور کے پڑوسی سے)

اسی طرح حدیث شریف میں ہے:

"من کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلایؤذ جارہ"۔ (۶۳)

(جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے پڑوسی کو اذیت نہیں پہونچانا چاہیے)

"واللہ لایومن واللہ لایومن واللہ لایومن قیل ومن یارسولاللہ ﷺ قال الذی لایامن جاربوائقه"۔(۶۴)

(اللہ کی قسم وہ ایمان والا نہیں عرض کیا گیا یا رسول اللہ کون؟ فرمایا جس کا پڑوسی اس کی ایذا رسانی سے بے خوف نہیں۔)

"من کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلیکرم جارہ"(۶۵)

(جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے پڑوسی کی عزت کرے)

"عن ابی ذر قال: ان خلیلی صلی اللہ علیه وسلم اوصانی اذا طبخت مرقاً فاکثر مائهٔ ثم انظر اهل بیتٍ من جیرانِك فاصبهم منها بمعروف"(۶۶)

(حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ بے شک میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی کہ جب تم سالن پکاؤ تو اس میں شوربہ زیادہ کرو اور پھر اپنے پڑوسیوں کے گھر والوں کو دیکھو اور اچھی چیز ان کو بھی بھیجو۔)

مذکورہ بالا فرمان خداوندی اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پڑوسی کے تعلق سے جو حسن اخلاق اور عمدہ برتاؤ کی ہدایت و نصیحت کی گئی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حکم مسلم اور غیر مسلم دونوں کے لیے یکساں ہے۔

خلاصہ یہ کہ اسلام نے انسانی زندگی اور انسانی سماج کے ہر شعبے اور ہر معاملہ میں غیر مسلموں اور اقلیتوں کے حقوق کی مکمل پاسداری کی ہے اور دور رسالت ﷺ میں تو اس کے مثالی جلوے نظر آتے ہیں۔

حوالہ جات وتعلیقات

۱۔(سورۃ الممتحنہ، آیت ۸،۹)

۲۔(صحیح بخاری، کتاب الادب، ۴/۳۳)

۳۔(بخاری شریف، کتاب الدیات، باب ۲۵، حدیث ۱۸۰۶)

۴۔(سنن ابو داؤد، کتاب الخراج والفئ، باب تعشیر اہل الذمہ، حدیث ۲۹۱۴)

۵۔(اسلام میں حقوق انسانی کا تصور، ص ۵۵)

۶۔(لسان العرب، جلد ۵، ص ۵۹)

۷۔(النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر، جلد ۲، ص ۱۶۸)

۸۔(الفاروق، ص ۱۳۵)

۹۔(ابو داؤد شریف، جلد ا، صفحہ ۳۵۱)

۱۰۔(الجامع الصحیح للبخاری، باب قتل النساء فی الحرب، جلد ۳، صفحہ ۲۶۸)

۱۱۔(مؤطا امام مالک، کتاب الجہاد، حدیث نمبر ۹۷۶)(انسانی حقوق اور اسلامی نقطۂ نظر، صفحہ ۳۴۴تا۳۴۶)

۱۲۔(مسلم شریف، کتاب الجہاد، حدیث نمبر ۴۶۲۷)

۱۳۔ (ابن حجر عسقلانی، فتح الباری جلد ۸، ص ۹، انسان العیون، جلد ۳، ص ۲۲، دار نشر الکتب الاسلامیہ، ۱۹۸۱ء)

۱۴۔(سورۃ التوبہ، آیت ۶)

۱۵۔(صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب فتح مکتہ، حدیث ۴۶۲۲)

۱۶۔(جواہر الحدیث، ص ۲۲)

۱۷۔(ابو داؤد، حدیث ۳۰۵۰)، سیرت النبی، ص ۱۱۹)

۱۸۔(سورۃ الدھر، آیت ۸،۹)

۱۹۔(قرطبی، الجامع لاحکام القرآن:۱۹/۱۲۹، الھیئۃ المصریہ العامۃ، ۱۹۸۷ء)

۲۰۔(الجامع لاحکام القرآن:۱۹/۱۲۹)

۲۱۔(ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، جلد ۲، ص ۴۵۶، ۴۶۳، النکت والعیون: ۴/۳۷۰)

۲۲۔(صحیح مسلم، ۴/۱۷۰۵، الحدیث ۲۱۶۲)

۲۳۔(انسانی حقوق اور اسلامی نقطہ نظر، ص ۲۲۶)

۲۴۔ (نصب الرایہ، جلد ۲، ص۳۹۸، عسقلانی، الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ، جلد ۱، ص۲۶۶، دارالمعرفہ بیروت لبنان)

۲۵۔ (نصب الرایہ الاحادیث الہدایہ، جلد ۲، ص۳۹۸، زیلعی، قاہرہ)

۲۶۔ (مشکوٰۃ المصابیح، باب الشفقہ، حدیث ۴۲۵)

۲۷۔ (سورۃ المائدہ، آیت ۸)

۲۸۔ (سورۃ النحل، ۹۰)

۲۹۔ (سورۃ النساء، ۵۸)

۳۰۔ (سورۃ الانعام، ۱۵۲)

۳۱۔ (سورۃ البقرہ، آیت ۱۹۴)

۳۲۔ (سورۃ النحل، آیت ۱۲۶)

۳۳۔ (جامع ترمذی، جلد ۱، ص۱۷۵، سنن ابن ماجہ، جلد ۱، ص۱۰۳)

۳۴۔ (سورۃ الشوریٰ، آیت ۸)

۳۵۔ (سورۃ البقرہ، آیت ۲۷۹)

۳۶۔ (سورۃ الشوریٰ، آیت ۲۵)

۳۷۔ (سورۃ البقرہ، آیت ۱۹۴)

۳۸۔ (سورۃ النحل، آیت ۱۲۶)

۳۹۔ (مسلم شریف، حدیث ۶۵۷۲)

۴۰۔ (سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۳۳)

۴۱۔ (سورۃ المائدہ، آیت ۳۲)

۴۲۔ (سورۃ البقرہ، آیت ۱۸۸)

۴۳۔ (سورۃ النساء، آیت ۲۹)

۴۴۔ (سورۃ النحل، آیت ۱۲۵)

۴۵۔ (سورۃ البقرہ، آیت ۲۵۶)

۴۶۔ (سورۃ کہف، آیت ۲۹)

۴۷۔ (سورۃ یونس، آیت ۹۹)

۴۸۔ (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد ۱، ص۳۵۷، ابن قیم، زادالمعاد، جلد ۳، ص۲۶۹، مکتبۃ المنار الاسلامیہ، کویت ۱۹۸۶ء)

۴۹۔(السنن الکبریٰ، بیہقی، ۸۔۳۰، مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ ۱۹۹۴ء)

۵۰۔(الدرالمختار، ابن عابدین شامی، جلد ۳، ص۲۷۳ / ۲۷۴)

۵۱۔(احکام القرآن رجصاص، جلد ۴، ص۸۹، داراحیاء التراث العربی، ۱۴۰۵ھ، بیروت لبنان)

۵۲۔ (نصب الرایہ، جلد ۲، ص۳۹۸، عسقلانی، الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ، جلد ۱، ص۲۶۶، دارالمعرفہ، بیروت، لبنان)

۵۳۔(نصب الرایہ الاحادیث الہدایہ، جلد ۲، ص۳۹۸، زیلعی، قاہرہ)

۵۴۔(بخاری کتاب الجہاد، باب ما قال فی ذرع النبی والقمیص فی الحرب)

۵۵۔ المغنی، ابن قدامہ، جلد ۸، ص۵۰۹، دارالفکر بیروت، لبنان، ۱۴۰۵ء، ابویوسف، کتاب الخراج، ص۱۵۰، دارالمعرفہ، بیروت لبنان)

۵۶۔(سورۃ المائدہ، آیت ۵)

۵۷۔(سیرت ابن ہشام، جلد ۴، ص۱۹۴، بخاری کتاب المغازی، باب الشاۃ التی سمت)

۵۸۔(عبدالرزاق، المصنف، ۱۰ / ۳۹۲)

۵۹۔(صحیح بخاری، باب اذا اسلم الصبی فمات، حدیث:۱۳۵۶)

۶۰۔(ردالمختار علی الدرالمختار، جلد ۵، ص۱۴۳)

۶۱۔(ردالمختار علی الدرالمختار، جلد ۵، ص۳۴۱)

۶۲۔(سورۃ النساء، آیت ۳۶)

۶۳۔(سنن ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی حق الجوار)

۶۴۔(صحیح بخاری، حدیث:۵۶۷۰)

۶۵۔(صحیح بخاری، حدیث:۹۵۷

۶۶۔(صحیح مسلم، کتاب البر، باب الوصیۃ بالجار والاحسان، حدیث: ۲۱۹۲)

"سُرورُالقُلوب فی ذِکرِ المحَبُوب" کا مطالعاتی جائزہ

(شناسی سیرت النبی ﷺ کے تناظر میں)

انجینئر محمد احمد ترازی

Abstract:

Prophet Hood consists of guidance from Allah to humankind. It is a Allah given blessing and a favor that is bestowed on an individual chosen be Him to convey His message, which cannot be acquired or earned otherwise. There has never been a human being as well-respected, loved and followed as Muhammad (SAW), the final messenger of Allah. There has never been a person who has changed world history as Muhammad (SAW) and his message. The Prophet (SAW) was the single most important person in the history of the world. Knowledge of the Prophetic Biography is necessary for every Muslim and sharing it with everyone is a responsibility. The importance of a complete biography of the Prophet as available to us cannot be under estimated in this troubled time since both Muslims as well as Non-Muslims have serious knowledge gap when it comes to even approaching the nature of the Final Prophet and the Ultimate Messenger of God sent to all of humanity, who came to restore the primordial religion of Man, the submission to Allah and His Commands. Seerah of Prophet Muhammad (PBUH) is the most favorite topic of the Muslim scholars. It is, according to Muslim scholarship, an enthralling story that combines impeccable scholarship with a rare sense of the sacred worthy of his subject." By studying and writing on the Seerah, the Muslims increase their love for the Prophet and understanding of the religion. Biographies of the Prophet have been written in almost all the major languages of the world. Muhammad (SAW) serves as: Allah's messenger and prophet to all mankind as an example of human behavior and noble character Therefore, in studying his life-history we should derive lessons and morals that can help us in our lives today. The life of Prophet ( ) is the complete and comprehensive role model for human being. He possesses Qura'nic Characteristics. He has some distinguish attributes those nobody else has in the human history. Allama Naqi Ali Khan has a unique and noteworthy status in the art of biography. Naqi Ali Khan has an eminent and predominant role in the art of biography. Allama Naqi Ali Khan established his relationship with the former era In this research article the Urdu writing skills of Naqi Ali Khan in his famous book "Suroor ul Quloob Fi Zikr ul Mahboob" have been discussed. The article is an effort to point out the contemporary work done by the scholars in collecting the characteristics of Holy Prophet). Moreover, it draws the attention towards the qualities and problems of the work done on the topic, as it recommends that the topic should be dealt and presented with the authentic and basic sources. All it is analyzed briefly. This article introduces Suroor ul Quloob Fi Zikr ul Mahboob book on seerah written in 19th century, with their merits.

سیرت النبی ﷺ اسلامی ادب کا وہ سدا بہار موضوع ہے۔ جس سے قلم میں روانی پیدا ہوتی ہے۔ قلب و دماغ کو راحت و سکون ملتا ہے۔ طبائع میں انشراح پیدا ہوتا ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو کہ اِس کا تعلق حضور ختمی المرتبت، نبی کریم، رؤف الرحیم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کے ساتھ ہے۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر قلم اُٹھانا مسلمان صاحبِ قلم اپنے لیے اعزاز سمجھتا ہے۔ قرونِ اولیٰ سے عصر حاضر تک ہزاروں کتبِ سیرت قارئین کو سیرت کے مختلف اور متنوع پہلوؤں سے آگاہ کر چکی ہیں۔ اصحابِ قلم فکری تنوع کے باوصف سیرت سے والہانہ تعلق و وارفتگی میں ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہیں۔ شرق و غرب کے مختلف خطوں، ثقافتوں، تہذیبوں اور زبانوں سے تعلق رکھنے والوں نے اِس فن میں اپنی مہارت کا مظاہرہ کیا اور سیرت نگاری کے مختلف اسالیب و مناہج اختیار کیے ہیں۔ اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے متنوع پہلوؤں اور گوشوں کو اپنی نگارشات کا موضوع بنایا ہے۔

اِن اصحابِ سیرت میں ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے سیرت کے تاریخی اور سوانحی پہلوؤں کو اہمیت دی۔ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اخلاقی و سیرتی گوشوں کو واضح کیا۔ شمائل و اوصاف نبوی ﷺ پر بھی بیش قیمت تحریریں سامنے آئیں۔ نبی کریم ﷺ کی عسکری و حربی زندگی کو بھی موضوعِ تحقیق بنایا گیا۔ عائلی و خاندانی زندگی بھی مصنفین کا موضوعِ ٹھہری۔ گویا دنیا کی ہر زبان میں ہی نبی کریم ﷺ کی ذات والا صفات کی مدح سرائی کی گئی۔ لیکن جس قدر خطہ پاک و ہند اور اُردو زبان میں سیرت النبی ﷺ پر لکھا گیا اُس کی مثال عربی زبان کے علاوہ کم ہی سامنے آتی ہے۔

برعظیم پاک و ہند میں مولانا نقی علی خاں اِس سلسلۃ الذھب کی اُن اولین کڑیوں میں سے ہیں جنھوں نے اِس سلسلہ کو نہ صرف فروزاں کیا بلکہ خود بھی گلستانِ سیرت کے خوشہ چیں رہے۔ آپ نے سیرت طیبہ کے مختلف گوشوں پر متعدد کتب تصانیف فرمائیں جن میں "الکامر الاوضح فی تفسیر سورۃ الم نشرح"، "وسیلۃ النجاۃ"، "اذاقۃ الاثام لمانعی عمل المولد و القیام"، "الرویۃ فی الاخلاق النبویہ"، "النقاھۃ النقویہ فی الخصائص النبویہ" اور "سُرورُ القُلوب فی ذِکرِ المحبُوب" خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

چنانچہ اِس مختصر مضمون میں مولانا نقی علی خاں کی تصنیف "سُرورُ القُلوب فی ذِکرِ المحبُوب" کا مطالعاتی جائزہ اور منہج و اسلوب پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔ لیکن قبل اِس کے مناسب معلوم ہوتا کہ پہلے آپ کی سوانح پر مختصر نظر ڈالی جائے۔

مولانا نقی علی خاں کا سوانحی خاکہ:

مولانا نقی علی خاں 30، جمادی الآخر / یکم رجب 1242ھ / 1830ء کو بریلی کے محلہ ذخیرہ میں پیدا ہوئے۔[1] آپ نے اپنے والد مولانا مفتی رضا علی خاں، جو خود بہت بڑے عالم دین تھے (اور اُنہوں نے ہی ہندستان میں پہلا باقاعدہ دارالافتاء قائم کیا تھا) کے، زیر تربیت رہے اور زمانے کے دستور کے مطابق جملہ علوم و فنون کی تحصیل کی۔ مولانا نقی علی خاں دراز قد اور مضبوط جسم کے مالک تھے۔ گول نورانی چہرہ، کشادہ پیشانی، بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں جن سے مہر و محبت عیاں، علم و فضل اور عشق رسول ﷺ سے معمور چوڑا سینہ، ستواں ناک، گورا چٹا رنگ۔ چہرہ پر گھنی داڑھی جو آخر عمر میں کچھ سفید ہو گئی تھی۔ باریک ہونٹ جن پر مسکراہٹ رہتی۔[2]

مولانا نقی علی خاں اپنے عہد کے ایک ممتاز عالمِ دین، صاحبِ طرز ادیب و انشاء پرداز تھے۔ آپ کا شمار اُن علماء میں ہوتا ہے جنھوں نے ہندوستانی عوام کو اپنے استحصال کے خلاف انگریزوں سے لڑنے کے لیے نہ صرف صف آراء کیا بلکہ 1857ء کی جنگ آزادی میں عملی حصہ لیا اور معتوب بھی قرار پائے۔[3] چندہ شاہ حسینی مولفہ "شمس التواریخ نے لکھا: "مولانا رضا علی خاں انگریزوں کے خلاف لسانی و قلمی جہاد میں مشہور ہو چکے تھے۔ انگریز مولانا کی علمی وجاہت و دبدبہ سے بہت گھبراتا تھا۔ آپ کے صاحبزادے مولانا نقی علی خاں بھی انگریزوں کے خلاف جہاد میں مصروف تھے۔ مولانا نقی علی خاں کا ہند کے علماء میں بہت اُونچا مقام تھا۔ انگریزوں کے خلاف آپ کی عظیم قربانیاں ہیں۔"[4]

مولانا نقی علی خاں علم و عمل کے بحر ذخار تھے۔ آپ کی ذات مرجع خلائق و علما تھی۔ آپ کی آراء واقوال کو علمائے عصر ترجیح دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جو فہم وذکا، دقت نظری، صلابت رائے، علوم اسلامیہ نقلیہ و عقلیہ میں دسترس اور جو استحضار علمی آپ کو عطا فرمائی تھی اُس کی مثال اُن کے معاصرین میں نظر نہیں آتی۔ معاصر علماء نے آپ کے تبحر علمی کا اعتراف کیا اور لکھا کہ: "آپ عقلِ معاد اور عقلِ معاش دونوں کے جامع تھے۔"[5]

مولانا نقی علی خاں کا مطالعہ انتہائی وسیع تھا۔ اُنہیں علم قرآن، علم تفسیر، حدیث، اصول حدیث، تاریخ، اسماء الرجال، علم العقائد والکلام، نحو، تکسیر، منطق، فلسفہ، علم صرف، ہئیات و حساب، علم جفر، علم توقیت، فقہ و اصول فقہ، مناظرہ سلوک، تصوف، مربعات، وغیرہ سمیت تینتالیس (43) علوم و فنون پر کامل مہارت حاصل تھی۔[6]

مولانا نقی علی خاں اپنے بیٹے مولانا احمد رضا خاں کے ساتھ 1294ھ میں خانقاہِ برکاتیہ مارہرہ شریف حاضر ہوئے اور سید شاہ آل رسول مارہروی سے بیعت ہوئے۔ سید شاہ آل رسول مارہروی نے اسی مجلس میں مولانا نقی علی خاں اور مولانا احمد رضا خاں کو خلافت واجازت عطا فرمائی۔ اور آپ کو چار مصافحوں "مصافحہ خضریہ"، "مصافحہ جنیہ"، "مصافحہ معمریہ" اور "مصافحہ منامیہ" کے شرف سے نوازا۔(7)

آپ کو چار سلسلوں سے سندِ حدیث حاصل تھی:

1۔ شاہ آل رسول مارہروی سے جو شاہ عبد العزیز محدث دہلوی سے ہوتی ہوئی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تک جاتی ہے۔

2۔ اپنے والد مولانا رضا علی خاں سے وہ مولانا خلیل الرحمٰن محمود آبادی سے وہ فاضل محمد سندیلوی سے اور وہ ابو العیاش محمد عبد العلی سے۔

3۔ سید احمد بن زینی دحلان مکی سے اور وہ شیخ عثمان دمیاتی سے۔

4۔ مولانا نقی علی خاں کو شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی طرف سے بھی حدیث مسلسل بالاولیت کی سند حاصل تھی۔(8)

مولانا نقی علی خاں کو سیدنا شاہ آل رسول مارہروی کے علاوہ شیخ عبد الرحمٰن حنفی مکی سے بھی سند فقہ حاصل تھی۔ حضرت مکی کا سلسلہ سات واسطوں سے شیخ احمد بن یونس شبلی تک پہنچتا ہے اور حضرت شیخ شبلی کا سلسلہ سولہ واسطوں سے امام اعظم ابو حنیفہ تک پہنچتا ہے اور امام اعظم کا تین واسطوں سے سیدنا عبد اللہ بن مسعود تک پہنچتا ہے۔ اور سیدنا عبد اللہ بن مسعود کا سلسلہ براہ راست حضور نبی کریم ﷺ تک۔(9)

مولانا نقی علی خاں کے والد مولانا رضا علی خاں نے 1831ء میں سرزمین بریلی پر مسندِ افتاء کی بنیاد رکھی اور چونتیس سال تک فتویٰ نویسی کا کام بحسن وخوبی انجام دیا۔ آپ نے مولانا نقی علی خاں کو تعلیم وتربیت کے بعد مسندِ افتاء پر فائز کیا۔ جہاں آپ نے 1880ء تک نہ صرف فتویٰ نویسی کا گراں قدر فریضہ انجام دیا بلکہ معاصر علماء وفقہا سے اپنی علمی بصیرت کا لوہا بھی منوایا۔ اُنہیں کتب بینی، فتویٰ نویسی، درس وتدریس، عبادت وریاضت اور خدماتِ دینی وملی کے علاوہ تصنیف وتالیف سے بھی بہت زیادہ شغف رہا۔ آپ کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ آپ نے اُردو زبان کو اپنی گراں قدر تصانیف سے مالا مال کیا اور مختلف علوم و فنون پر کتابیں لکھیں۔ خاص طور سے سیرت نبوی، اصلاح معاشرہ، تعلیم وتعلم، علم معاشرت، تصوف وغیرہ وغیرہ۔

مولانا نقی علی خاں نے چالیس سے زائد کتب تصنیف کیں۔ جن میں سے صرف چھبیس کتب کے نام مل سکے۔ آپ کے صاحبزادے مولانا احمد رضا خاں نے آپ کی پچیس سے زیادہ کتب کا ذکر کیا ہے۔ آپ کی مطبوعہ تصانیف میں"الکام الاوضح فی تفسیر سورہ الم نشرح"(مکتبہ رضا بیسلپور، پیلی بھیت، بھارت)،"سرور القلوب فی ذکر المحبوب"(1867ء میں لکھی گئی اور پہلی بار 1871ء میں شائع ہوئی)،"جواہر البیان فی اسرار الارکان"(صبح صادق سیتاپور سے 1881ء میں شائع ہوئی)،"اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد"(صبح صادق سیتا پور سے 1881ء میں شائع ہوئی)،"ہدایت البریۃ الی شریعۃ الاحمدیہ"(1926ء میں کتب خانہ سمنانی اندرکوٹ، میرٹھ)،"اذاقۃ الاثام لمانعی عمل المولد و القیام"(پہلی بار 2015ء میں شائع ہوئی)،"فضل العلم والعلما" (1982ء میں شائع ہوئی)،"احسن الوعا آداب الدعا" (مکتبہ المدینہ، کراچی سے شائع ہوئی)شامل ہیں۔ جبکہ غیر مطبوعہ تصانیف میں"ازالۃ الاوھام"،"تزکیۃ الایقان رد تقویت الایمان"،"الکوکب ازہر فی فضاہل العلم و آداب العلماء"،"الرویۃ فی الاخلاق النبویہ"،"النقاھۃ النقویہ فی الخصائص النبویہ"،"وسیلۃ النجات"،"لمعۃ النبراس فی آداب الاکل و الباس"،"ترویح الارواح"،"التمکن فی تحقیق مسائل التزین"،"خیر المخاطبہ فی الحاسبۃ والمراقبۃ"،"ھدایت المشتاق الی سیر الانفس والافاق"،"ارشاد الاحباب الی آداب الاحتساب"،"اجمل الفکر فی مبحث الذکر"،"عین المشاہدۃ لحسن المجاھدہ"،"تشوق الا آہ الی طریق محبۃ اللہ"،"نھایۃ السعادۃ فی تحقیق الھمۃ والارارۃ"،"اقوی الذریعہ الی تحقیق الطریقۃ والشریعۃ"،"اصلاح ذات بین" کے نام ملتے ہیں۔

مولانا نقی علی خاں کے وہ تلامذہ جو معروف زمانہ ہوئے، اُن میں آپ کے صاحبزادے مولانا احمد رضاخاں محدث بریلوی اور مولانا حسن رضا خاں کے علاوہ مولانا برکات احمد، مولانا ہدایت رسول لکھنوی، مفتی حافظ بخش آنولوی، مولوی حشمت اللہ خان، مولوی سید امیر احمد بریلوی، مولوی حکیم عبد الصمد شامل ہیں۔ آپ کا وصال 30، ذی القعدہ 1297ھ / 1880ء میں اکیاون سال کی عمر میں ہوا۔ آپ کی تدفین بریلی میں آپ کے والد مولانا رضا علی خاں کے پہلو میں ہوئی۔[10] اپنے عہد کی ہمہ جہت اور نابغہ روزگار ہستی مولانا نقی علی خاں "رئیس المتکلمین" اور "امام الاتقیاء" کے القاب سے بھی جانے جاتے ہیں۔

"سُرورُالقُلوب فی ذِکرِ المحبُوب" کی وجہ تصنیف:

1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد مسلمانانِ ہند ابتلاو آزمائش کے دور سے گزرے۔ انگریز نے اُن کے خلاف انتقامی کاروائیاں کیں۔ بغاوت کے مقدمے قائم کیے۔ جلاوطن کیا گیا۔ کالے پانی کی سزائیں

دیں۔ علماو فضلاء کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر شہید کیا۔ ایسے روح فرسا دور میں مولانا نقی علی خاں نے اپنی قوم کو بیدار کر کے لادینی اور عیسائیت کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لیے سیف کے بعد قلم کا سہارا لیا۔ اُس دور میں ہندوستانی معاشرے کی سب سے بڑی خدمت یہی تھی کہ عوام میں خود اعتمادی پیدا کی جائے اور احساس کمتری کو مزاج و فکر سے نکالا جائے۔ مولانا نقی علی خاں کی تصنیفات اِس بات کا بین ثبوت ہیں کہ مولانا نے ہندوستانی عوام کو عزم، حوصلہ اور خود کفیل بننے کا سہارا دیا۔ مغربیت کے طوفان سے بچانے کے لیے اُنھوں نے مسلمانوں کو ذہنی و فکری اعتبار سے تیار کیا۔ اُس دور کے حکمرانوں نے جب مغربی تہذیب کے احیاء، عیسائیت کے فروغ، بہائی تحریک کی آبیاری اور فروعی مسائل کی سرپرستی کے ذریعے انتشار وافتراق کا ماحول پیدا کر کے برعظیم کے مسلمانوں کو دین اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی۔ تو مولانا نقی علی خاں نے انگریز کی اِن چالوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اُنھوں نے نئے عقائد فاسدہ کی ترویج و اشاعت اور اثرات کو زائل کرنے کے لیے"اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد"، "ازالۃ الاوھام" اور مسلمانوں کو انگریزی تعلیم کے مضر اثرات سے بچانے کے لیے "فضل العلم و العلما" جیسی اہم کتابیں لکھیں۔ مولانا مسلمانوں میں پھیلی ہوئی بے راہ روی اور غلط رسم و رواج کو مسلمانوں کی معاشی اور اقتصادی زوال کا سبب گردانتے تھے۔ اُنھوں نے مسلم معاشرے میں رائج غیر اسلامی رسموں کی شدید مخالفت کی اور اصلاح معاشرہ کے لیے "ھدایت البریۃ الی شریعۃ الاحمدیہ" لکھی۔ جو اُردو نثر میں اسلامی معاشرت پر لکھی جانے والی سب سے پہلی تصنیف ہے۔ جب عیسائیت کی جانب سے حضور نبی کریم ﷺ کی ذات مقدسہ پر نازیبا حملے کیے گئے تو آپ نے اِس کا مدلل جواب "سُرورُ القُلوب فی ذِکرِ المحبُوب" لکھ کر دیا۔ "[11] جو کہ اِس کتاب کی اصل وجہ تصنیف ہے۔

"سُرورُ القُلوب فی ذِکرِ المحبُوب" کی اشاعت:

"سُرورُ القُلوب فی ذِکرِ المحبُوب" حضور سرور عالم ﷺ کے اُوصاف جمیلہ، کمالات جلیلہ اور سیرتِ طیبہ پر مولانا نقی علی خان کی یہ وہ واحد تصنیف ہے جو آپ کی زندگی میں ہی شائع ہو کر روہیلکھنڈ میں سیرتِ طیبہ پر اولین اشاعت قرار پائی۔ اِس کتاب کا سن تصنیف 1865ء ہے۔ پہلی بار یہ 1871ء میں شائع ہوئی اور بے پناہ مقبولیت حاصل کی۔ سرور القلوب کا دوسرا ایڈیشن سینتالیس (47)

سال بعد 1918ء میں مطبع نول کشور لکھنو سے شائع ہوا۔ اور تیسری بار سڑسٹھ (67) سال بعد 1985ء میں اسے شبیر برادر لاہور نے شائع کیا۔ بعد ازاں رضا اکیڈمی ممبئی اور فاروقیہ بک ڈپو جامع مسجد دہلی نے بھی اِسے شائع کیا۔ اِس وقت ہمارے پیشِ نظر "سُرورُ القُلوب فی ذِکرِ المحبُوب" کی طبع جدید کا وہ نسخہ ہے جسے "دارالنعمان پبلشرز" لاہور نے مولانا ابوالحسن راشد علی قادری کی تحقیق و تخریج کے ساتھ نومبر 2018ء میں پانچ سو دو صفحات پر بڑے سائز میں شائع کیا ہے۔

"سُرورُ القُلوب فی ذِکرِ المحبُوب" کا تعارف:

یہ کتاب درج ذیل نو (9) ابواب پر مشتمل ہے:

1۔ ولادت باسعادت وغیرہ احوال حضرت رسالت میں

2۔ "وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ" کی تفسیر میں/ رحمتِ مصطفیٰ ﷺ سے انبیاء، ملائکہ، ارواح، زمین، منافقین اور کفار کا حصہ

3۔ "وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ"

4۔ آپ ﷺ کا حسن ظاہری کے بیان میں / فائدہ

5۔ آپ ﷺ کے حسن باطنی کے بیان میں / متاع دنیا قلیل ہے، خلق مصطفیٰ ﷺ عظیم ہے۔

6۔ خصائص شریفہ کے بیان میں / خاصہ اوّل محبوبیت مطلقہ

7۔ معراج کے بیان میں / آیت اسراء کی توضیح و نکات

8۔ معجزات کے بیان میں / ہاتھ مبارک کے کمالات

9۔ درود کے بیان میں / پہلی فصل کریمہ "اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ" کی تفسیر میں / آیت درود کے معارف و مناحث

طبع جدید کی خصوصیات و امتیاز:

کتاب کی ابتداء میں مولانا راشد علی قادری نے تحقیق و تخریج کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "اِس کتاب کے مارکیٹ میں دستیاب نسخوں کی جو حالت ہے الامان والحفیظ۔ آیات قرآنیہ و احادیث اور عربی عبارات میں کوئی امتیاز نہیں۔ کمپوزنگ کے بعد شائع ہونے والے نسخوں کی تو یہ حالت ہے کہ معاذ اللہ آیات میں صریح غلطیاں موجود ہیں۔ کوئی نمونہ دیکھنا چاہے تو اکبر بک سیلزز کا مطبوعہ نسخہ چیک کرلے۔ دیگر نسخوں میں کتاب کے نام پر پوری پوری عبارات بدل دی گئیں ہیں۔ ابتدائی تین

سے چار صفحات تو ویسے ہی نسخہ سے غائب ہیں۔ آگے لکھتے ہیں: "میں اپنے کام کی اکملیت کا دعویٰ نہیں کرتا۔ لیکن ربّ کی عطا سے یہ کہتا ہوں کہ آپ کے ہاتھوں میں موجود نسخہ اب تک کے نسخوں میں صحیح ترین نسخہ ہے۔ اِس میں سب سے خاص بات یہ ہے کہ اِس کی بنیاد مؤلف علیہ الرحمہ کی حیات مبارکہ میں شائع ہونے والے ایک سوباون (152) سال پرانے نسخے پر ہے۔"[12]

اِس لحاظ سے جدید اشاعت، اشاعتِ اوّل سے نہ صرف قریب تر بلکہ بہتر اور مستند بھی ہے۔ مزید یہ کہ محقق نے قرآنی آیات کو قرآنی تقابل کے ساتھ قرآنی رسم الخط اور حاشیہ میں ترجمہ کنزالایمان کو بھی شامل کیا ہے۔ اور آیات واحادیث کے ساتھ ساتھ اُردو اور فارسی رسم الخط کو باہم ممتاز کیا ہے۔ اُنہوں نے احادیث مبارکہ اور روایات و منقولات کے لیے اصل ماخذ سے تخریج کو بھی اہمیت دی ہے۔ جبکہ چیدہ چیدہ مقامات پر مشکل الفاظ کے معنی دینے کے ساتھ اُنہوں نے کتاب میں استعمال کیے گئے اشعار کو ٹیبل کی صورت ممتاز کیا ہے۔ صاحبِ تحقیق نے موضوع کلام کی مناسبت سے پیرا گرافنگ بھی ہے اور پرانی کتابت کی غلطیوں کی حاشیہ میں وضاحت کے ساتھ بعض مقامات پر نئے عنوانات کا ہلالین () میں اضافہ کیا ہے۔ ساتھ ہی تخاریج و حواشی کو بھی ہر باب کے آخر میں شامل کیا ہے۔ جس سے کتاب کی استنادی حیثیت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔

نئے ایڈیشن میں مولانا نقی علی خاں کے ہم عصر معروف مصنف و شاعر نواب نیاز احمد خاں ہوش نبیرہ حافظ الملک نواب حافظ رحمت خاں کی باوقار تقریظِ اوّل بھی شامل ہے۔ جس میں نواب صاحب نے مولانا کے تبحر و وسعت علمی اور زبان و بیان کی خوبیوں کے ساتھ کتاب کی اہمیت و افادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ: "العالم اذا تکلم فھوبحر تموج"، کا مضمون اُنہی کی ذات مجمع حسنات پر صادق آتا ہے، کسی نحو، کسی علم میں عاری نہیں، ہر علم میں دخلِ معقول ہونا، بجز عنایت باری نہیں، مسائل مشکلہ معقول نے اُن کے سامنے مرتبہ حضوری پایا، منقول میں بدون حوالہ آیت وحدیث کے کلام نہ کرنا، اُن کا قاعدہ کلی نظر آیا، اُن کے حضور اکثر منطقی اپنے قیاس و شعور کے موافق صغریٰ ثناء اور اکبری مدح، شکل بدیہی الانتاج بنا کر، دعویٰ توصیف کو ثابت کر کے دکھاتے ہیں۔ آخر الامر نتیجہ نکالتے وقت یہ شعر زبان پر لاتے ہیں: ہوش۔

کیا عجب مدرسہ علم میں اس عالم کے　　　　شمس آکر سبق شمسیہ پڑھتا ہو اگر

فی الحال اُن کے نخلِ کمال سے ایک گل تازہ کھلا، چمن علم فصاحت وبلاغت بھی پھولا پھلا، یعنی اُنہوں نے نسخہ بہ آب وتاب موسوم بہ "لب لباب" معروف بہ "سرورالقلوب فی ذکرالمحبوب" تالیف کیا۔ رنگ برنگ مضامین رنگین سے میدان بیان کو خجلت زدہ باغ رضوان بنادیا ہے۔ گلہائے وعظ وپند کی شگفتگی سے عین الیقین ہوتا ہے، کہ یہ کتاب جواب گلستان بلکہ رنگینیٔ عبارت کی روش سے کھلتا ہے، کہ واقعی عین گلستان ہے، لفظوں میں ہزارہا معنی مناسب رنگ برنگ کے پوشیدہ نظر آتے ہیں، مردم دیدہ بھی جس کے دیکھنے سے ہردم تروتازگی پاتے ہیں، ہزارہا دقائق و نکات علمیہ سے یہ کتاب بھری ہے۔ گویا شجرہ علم کی کلی ہے، اہل اسلام کی نظروں میں ہر باب اس کا غیرت افزائے باغ جنان ہے، اس کی ہر فصل پر بلا مبالغہ فصل بہاری کا گمان ہے، ہوائے مطالعہ اس کی بداعتقادوں کے چمن طبع کے لیے سربسر صرصر ہے، خوش اعتقادوں کو اِس کی سیر گلگشت فردوس کے برابر ہے، حاسدوں کا غنچہ عیب بنی اسے دیکھ کر مرجھاتا ہے، گل طبع میں صُمّ بُکمّ کا رنگ نظر آتا ہے۔

کیوں نہ پژمردہ ہوں گلہائے مضامین عدو باغ حاسد کے لیے باد خزانی ہے یہ [13]

جبکہ تقریظِ دوم مولانا ہدایت علی بریلوی کی ہے، جو مولانا نقی علی خاں کے ہم عصر اور مشہور زمانہ شاعروادیب تھے۔ مولانا ہدایت علی لکھتے ہیں: "یہ کتاب لاجواب موسوم بہ "لب لباب" معروف بہ "سرورالقلوب فی ذکرالمحبوب" اِس زمانے کی سب کتابوں سے بہتر ہے، کہ اِس میں ذکر خیر البشر بروایات معتبرہ تحریر سراسر ہے، مؤلف اِس مجموعہ مکارم واخلاق، منبع جودواشفاق، مقبول بارگاہ ربّ العالمین، مداح جناب سید المرسلین، ہدایت۔

ہادی اُمت رسول خدا بحر مواج علم صدق وصفا

افضل علمائے زمان، مولوی محمد نقی علی خاں ابن مولوی محمد رضا علی خاں مرحوم بریلوی ہیں، اُن کی تعریف میں زبان قلم لال ہے، انسان سے اُن کی خوبیوں کا بیان محال ہے۔" [14]

اِس ایڈیشن میں صاحب کتاب کا تعارف مولانا احمد رضا خاں محدث بریلوی ابن مولانا نقی علی خاں کا لکھا ہوا ہے۔ جبکہ صاحبِ کتاب کا تحریر کردہ "خطبہ کتاب و مقدمہ "سلاست وروانی، ندرت بیانی میں کیفیت یکتائی کا شاہکار اور فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے کسی اعجاز سے کم نہیں۔ یہ ایک ایسا منفرد علمی وادبی نمونہ ہے جس کے مشمولات پر وقیع مقالہ لکھا جاسکتا ہے۔

”سُرورُ القُلوب فی ذِکرِ المحبُوب“ اور محبت رسول ﷺ:

فخر موجودات حضور سید الانبیاء ﷺ کے ساتھ ہمارا تعلق ایمان، اطاعت اور اتباع کے بعد چوتھی بنیادی شرط آپ ﷺ کے ساتھ ہماری محبت ہے۔ دین اسلام میں وہ ایمان یا اطاعت قابل قبول نہیں ہے جس کی بنیاد محبتِ رسول ﷺ پر نہ ہو۔ایسی اطاعت جس کی جڑوں میں محبت رسول ﷺ کا جذبہ موجود نہ ہو اُسے بادی النظر میں نفاق سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ایسی اطاعت کو محض رسمی یا ریا پر مبنی اطاعت سمجھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے رسول ﷺ سے ایسی محبت مطلوب ہے جس میں نفاق اور دکھلاوے کا شائبہ تک نہ ہو بلکہ حضور ﷺ سے یہ محبت دنیا مافیہا سے ہی نہیں اپنی جان سے بھی زیادہ ہو۔ حضور ﷺ کی محبت ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ایک مومن کے دل میں آپ ﷺ کی محبت کا معیار اور پیمانہ کیا ہونا چاہیے؟ اِس اَمر کو حضور نبی اکرم ﷺ نے خود اپنے ارشاداتِ عالیہ کی روشنی میں واضح فرمادیا: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”لَایُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حَتَّی أَکُونَ أَحَبَّ إِلَیْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِینَ“[15]

”تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا، جب تک میں اُسے اُس کے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں“

اِس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نقی علی خاں محبتِ رسول ﷺ کی دولت سے مالا مال ہیں۔اُن کے یہاں اُسوہ رسول ﷺ کی صحیح پیروی اور عشق رسول ﷺ کی سچی تڑپ موجود ہے۔یہی وجہ ہے کہ آپ کی تصنیفات میں معارفِ قرآن وحدیث، اسرارِ عشق و معرفت اور زبان وبیان کی دلکشی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔

چنانچہ زیر نظر کتاب میں آپ نے حضور ﷺ کے اوصاف حمیدہ، اعمال و کردار، فضائل و اخلاق اور اسوہ حسنہ کا بیان نہایت عقیدت و محبت سے کیا ہے۔مولانا نقی علی خاں کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی ساری زندگی مسلمانوں میں جذبہ عشق و محبت رسول ﷺ اور ادب و تعظیم مصطفیٰ ﷺ کی آبیاری میں صرف کی۔اور اُمت کو محبوب ربّ العالمین ﷺ کے مقام و مرتبہ سے آگاہ کرنے میں بڑی حد تک کامیاب بھی رہے۔

باب اوّل: ولادت باسعادت:

مولانا نقی علی خاں کی زیر نظر تصنیف "سُرورُ القُلوب فی ذِکرِ المحبُوب" کا پہلا باب "ولادت با سعادت وغیرہ احوال حضرت رسالت میں" کے ضمن میں ہے۔ جس میں حضور اکرم ﷺ کی ولادت، بچپن، رضاعی والدہ و بھائی بہنوں کے ساتھ تعلقات وغیرہ کا ذکر انتہائی عقیدت و احترام کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اوراحادیث مبارکہ اور مستند مذہبی کتب کے حوالوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے دنیا میں تشریف لاتے ہی اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی اور اپنی اُمت کی بخشش و مغفرت چاہی۔ مولانا نقی علی خاں ابن عباس کی روایت سے بیان کرتے ہیں کہ: "اوّل کلمہ جو زبانِ فیض ترجمان سے نکلا یہ تھا "اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیرًا وَّ الحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیرًا وَّ سُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّ اَصِیلاً" آگے امام قسطلانی اور ابو نعیم کی روایت سے نقل کرتے ہیں کہ "بعد ولادت آپ نے خدا کو سجدہ کیا اور انگشتِ مبارک آسمان کی طرف اٹھاکے فرمایا "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ" سوا خدا کے کوئی سچا معبود نہیں، بے شک میں خدا کا رسول ہوں۔ پھر بیان کرتے ہیں کہ بعض روایات میں جنابِ الٰہی میں سجدہ کرکے عرض کیا "یَارَبِّ ھَبْ لِی اُمَّتِی" خدایا میری اُمت مجھے بخش دے۔ خطاب ہوا: "وَھَبْتُكَ اُمَّتَكَ بِاَعلیٰ ھِمّتِكَ" میں نے تیری اُمت بسبب تری ہمت بلند کے تجھے بخشی۔ (16)

اِس باب میں مولانا نقی علی خاں نے رسول اللہ ﷺ کے بچپن میں رونما ہونے والے مختلف واقعات میں پوشیدہ حکمتوں کو بھی بہت موثر اور دل نشین انداز میں بیان کیا ہے۔ مولانا، حضور ﷺ کے بچپن میں بکریاں چرانے کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "پروردگار نے بکریاں چرانے کی رغبت اس جناب کے دل میں پیدا کی کہ یہ کام سیاست اور شفقت بر ضعفائے اُمت اور صبر بر مصیبت وغیرہا اُمور، کہ لوازمِ نبوت سے ہیں، نہایت مناسبت رکھتا ہے اور تواضع اور فروتنی سکھاتا ہے۔ علاوہ ازیں جب مردِ احسان شناس ایسے حقیر کام سے کسی منصبِ عمدہ اور عہدہ جلیلہ پر سرفراز ہوتا ہے، اِس نعمت غیر مترقبہ کو محض فضل اپنے مولا کا سمجھتا ہے اور شکر بجالاتا ہے۔"(17) بچپن میں والدین کا سایہ سر سے اُٹھ جانے کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "اگر والدین جناب کے زندہ رہتے، ظاہر بین اُن کو واسطہ تہذیب ٹھہراتے کہ کیا اچھی طرح اپنے فرزند کی تعلیم وتہذیب کی۔ حضرتِ اَحدیت نے اِس قدر شرکت بھی پسند نہ فرمائی اور دفتر کمالاتِ محمدیہ پر تعلیمِ خلق کا حرف نہ آنے دیا۔"(18)

اعلان نبوت کے بعد عزیزوں، رشتہ داروں اور ہم وطنوں کی جفاکاریوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "جب آپ ﷺ نے دعویٰ پیغمبری کیا، سواچند ضعیفوں کے کہ عنایت ازلی اُن کی ہادی اور دستگیر تھی، تمام عالم دشمنِ جاں ہو گیا، یہاں تک کہ ہم وطن اور رشتہ دار بھی خون کے پیاسے ہوئے جو شخص آپ کی بات مانتا اُسے طرح طرح کی ایذا دیتے۔"(19) "مگر وعدہ الٰہی کے مطابق واقع ہوا، تھوڑے عرصہ میں بڑے بڑے دشمن حضرت ﷺ کے، طرح طرح کے عذابوں اور مصیبتوں کے ساتھ واصل جہنم ہوئے۔ ابو جہل، عتبہ، شیبہ اور اُمیہ بن خلف وغیرہم بدر کی لڑائی میں مارے گئے اور ابی بن خلف کہ بڑا دشمن حضرت کا تھا آپ کے ہاتھ سے اَحد کے دن زخمی ہوا، جو شخص زخم اُس کا دیکھ کر کہتا کہ بہت کاری نہیں، جواب دیتا: اے نادان! یہ زخم اُس کے ہاتھ کا ہے کہ تمام کافروں کے بدن پر ہلکا سا ایک چرکا لگادے ایک بھی زندہ نہ بچے گا۔"(20) پھر دشمنانِ مصطفیٰ کی ذلت و رسوائی، تباہی و بربادی اور اللہ کے حبیب ﷺ کی تائید وحمایت اور دلجوئی و حوصلہ افزائی کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ:" خدائے تعالیٰ اپنا حق تو معاف کر دیتا ہے مگر اپنے دوستوں کا حق نہیں چھوڑتا اور طریق انتقام کے مختلف ہیں، کبھی عذابِ آسمانی سے ہلاک کرتا ہے۔۔۔اور کبھی آفاتِ ارضی اُن پر مسلط کرتا ہے۔۔۔اور گاہے اُنہیں کے عزیز و قریب کو اُن کی مخالفت اور اُن کی حمایت پر مستعد کرتا ہے کہ موجب زیادتی ملال اور خفت کا ہوتا ہے۔۔۔اور کبھی اُسی کا محتاج کر دیتا ہے۔۔۔اور کبھی دشمنوں کو دشمنوں پر مسلط کر دیتا ہے۔۔۔ کبھی کافروں کے طعن واعتراض کا جواب سکھایا جاتا ہے اور کبھی خود جناب باری اپنے حبیب ﷺ کی طرف سے جواب دیتا اور کبھی ارشاد ہوتا تم اِن کی باتوں سے غمگین نہ ہو، ہم اِس کا بدلہ لے لیں گے۔"(21)

بابِ دوم: "وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ" کی معرفت:

دوسرا باب سورہ الم نشرح کی آیت "وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ" ہم نے آپ کا ذکر آپ کے خاطر بلند فرمایا، کی تفسیر میں ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ پر کی گئی بے انتہا عنایات کا ذکر فرمایا ہے۔ حضور کرام ﷺ کے ذکر کی بلندی و رفعت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ آپ ﷺ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جو کہ حضور اکرم ﷺ کے بے شمار فضائل وخصائص میں سے

ایک فضلیت ہے۔ رفعتِ ذکر مصطفیٰ ﷺ یہ بھی ہے کہ ذکرِ خدا کے ساتھ ذکرِ مصطفیٰ ﷺ بھی کیا جائے۔ حضرت ابو سعید خدری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، سرکارِ دو عالم ﷺ نے حضرت جبریل عَلَیْہِ السَّلَام سے اس آیت کے بارے میں دریافت فرمایا تو اُنہوں نے عرض کی: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ کے ذکر کی بلندی یہ ہے کہ جب میرا ذکر کیا جائے تو میرے ساتھ آپ کا بھی ذکر کیا جائے۔

اِس آیت کے ضمن میں مولانا لکھتے ہیں کہ: "جس قدر شہرت اور ناموری اُس جناب کی اِس عالم اور اُس عالم میں ہے کسی مقرب فرشتے اور اولوالعزم رسول کو حاصل نہیں اور جو رفعت اور بزرگی کہ آپ کو عنایت ہوئی کسی نبی و ولی کو میسر نہیں۔۔۔اور یہ شہرت آپ کی ہر روز ترقی پر ہے۔ کمالاتِ انبیاء و ملائکہ محدود ہیں مگر تعیین و تحدید کو سراپردہ کمال محمدی کے گرد گزر نہیں۔"[22]

آپ لکھتے ہیں: ”انبیاء و مرسلین و ملائکہ مقربین، سدرۃ المنتہیٰ سے تجاوز نہیں کرسکتے اور آپ ﷺ مقامِ قاب قوسین تک پہنچے۔ جمال پرودگار کا بچشم سر دیکھا اور کلام الٰہی بے واسطہ سنا۔ خود پرودگار تقدس و تعالیٰ آپ پر درود بھیجتا ہے اور مسلمانوں کو ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ۔یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ اے ایمان والو! درود بھیجو اُس پر اور سلام بھیجو سلام بھیجنا۔"[23]

اِس آیت کی تفسیر میں مولانا نقی علی خاں یہ بھی بتاتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے پیغمبر ہونے کی پیشگوئی توریت و انجیل کے علاوہ دیگر انبیائے کرام نے بھی فرمائی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں: تمہارے پاس فارقلیط یعنی حق اور ناحق کو جدا کرنے والا آئے گا کہ کوئی بات اپنی طرف سے نہ کہے گا، وہ کہے گا جو خدا اُسے فرمائے گا اور تم سے تیرے حق کے ساتھ سرگوشی کرے گا اور چھپی باتوں اور حادثوں سے تم کو آگاہ کرے گا اور یہ خبر یوحنا میں جسے مسیحائی چوتھی انجیل کہتے ہیں اس مضمون سے وارد ہے کہ تمہارے لیے میرا جانا ہی سود مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں فارقلیط تمہارے پاس نہ آئے گا۔"[24]

باب سوم: ”وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ“ کی تفسیر میں:

یہ باب سورۃ الانبیاء کی مندرجہ بالا آیت کی تفسیر کے بارے میں ہے۔ جس کے ضمن میں مولانا نقی علی خاں لکھتے ہیں: "اے عزیز! عالم امکان میں کوئی چیز ایسی نہیں کہ آپ کی رحمت سے مستفیض نہ ہو، کمالات، موجودات کے وجود پر متفرع ہیں اور وجود عالم کا آپ کے طفیل سے ہے، اگر آپ نہ ہوتے، عالم

نہ ہوتا۔"[25] مولانا لکھتے ہیں:"اے اُمت محمد!تم کو بشارت ہو کہ تمہارے مولیٰ پیغمبر ﷺ دشمنوں کا ہلاک ہو جانا گوارا نہیں کرتے، تمہارا دوزخ میں جانا اور ہلاکتِ حقیقی میں مبتلا ہونا کب گوارا فرمائیں گے۔

آپ احسانات مصطفیٰ ﷺ کی اقسام کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: احسانات آپ کے اِس اُمت پر کہ حصر اور شمار سے زیادہ ہیں، دو قسم ہیں: اوّل مخصوص بہ بعض افراد، جیسے قتادہ کی پھوٹی آنکھ اور ابو رافع کا ٹوٹا پاؤں، آپ کے ہاتھ کی برکت سے اچھا ہو گیا، اور عبد الرحمٰن بن عوف کے مال اور انس بن مالک کے مال و عیال میں برکت ہوئی، اور ابو بکر کو سانپ نے کاٹا، آپ نے لعاب دہن لگا دیا، زہر نے اثر نہ کیا، اور جابر کا بہت قرض تھوڑے خرموں سے ادا کر دیا۔

دوسری قسم تمام افرادِ اُمت شامل ہے کہ پرودگارِ عالم نے بطفیل آپ کے اِس اُمت کو روزِ ازل بہترین اُمم لکھ دیا، اور اِس کا مرتبہ سب اُمتوں سے زیادہ کیا، ہزاروں کرامتیں اور نعمتیں آپ کے سبب ہاتھ آئیں اور دوزخ سے بوسیلہ اُن کے رہائی پائی۔۔۔۔سو اُن کے ہزاروں خوبیاں اور بزرگیاں اِس اُمت کو آپ کے طفیل عنایت ہوئیں کہ اگلی اُمتوں سے کسی کو نہ ملیں اور سب سے بڑی دولت جو عنایت ہوئی، آپ کی شفاعت ہے۔"[26]

مولانا نقی علی خاں حضور اکرم ﷺ کے رحمۃ اللعالمین ہونے کی بہت سے مثالیں بھی دیتے ہیں۔ جیسے جبریل امین اور پیغمبروں کا رحمت سے حصہ، فرشتوں اور کافروں کو رحمت سے فائدہ پہنچنا، وغیرہ۔

باب چہارم: آپ ﷺ کا حسن ظاہری کے بیان میں:

سرورِ دوعالم ﷺ کے علوِ مرتبت، رُوحانی کمالات و خصائص اور باطنی فضائل و محامد کے علاوہ آپ ﷺ کا بے مثل حسن و جمال بھی آپ ﷺ کا زِندۂ جاوید معجزہ ہے۔ آپ ﷺ کی ذات حسن و کمال کا سرچشمہ ہے۔ کائناتِ حُسن کا ہر ہر ذرّہ دہلیزِ مصطفیٰ ﷺ کا ادنیٰ سا بھکاری ہے۔ دنیا کے تمام حسینوں کا حسن و جمال آپ ﷺ کے در کا صدقہ ہے۔ یہاں تک کہ حسن یوسف علیہ السلام بھی آپ ﷺ کے حسن و جمال کا ایک جُز ہے۔ چمنِ دہر کی تمام رعنائیاں آپ ﷺ ہی کے دم قدم سے ہیں۔

آپ ﷺ کے حسن و جمال کا تذکرہ کم و بیش سیرت کی تمام کتب میں موجود ہے۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت بھی ہے کہ صورت، سیرت کی عکاس ہوتی ہے اور ظاہر سے باطن کا کچھ نہ کچھ اندازہ ضرور ہو جاتا

ہے کیونکہ اِنسان کا چہرہ اُس کے مَن کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ پہلی نظر ہمیشہ کسی شخصیت کے چہرے پر پڑتی ہے، اُس کے بعد سیرت و کردار کو جاننے کی خواہش دِل میں جنم لیتی ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے اَحوال و فضائل اِس نقطۂ نظر سے معلوم کرنے سے پہلے یہ جاننے کی خواہش فطری طور پر پیدا ہوتی ہے کہ اُس مبارک ہستی کا سراپا، قد و قامت اور شکل و صورت کیسی تھی، جس کے فیضانِ نظر سے تہذیب و تمدّن سے ناآشنا خطہ ایک مختصر سے عرصے میں رشکِ ماہ و اَنجم بن گیا، جس کی تعلیمات اور سیرت و کردار کی روشنی نے جاہلیت اور توہم پرستی کے تمام تیرہ و تار پردے چاک کر دیئے اور جس کے حیات آفریں پیغام نے چہار دانگِ عالم کی کایا پلٹ دی۔ ذاتِ خداوندی نے اُس عبدِ کامل اور فخرِ نوعِ اِنسانی کی ذاتِ اَقدس کو جملہ اَوصافِ سیرت سے مالا مال کر دینے سے پہلے آپ ﷺ کی شخصیت کو ظاہری حُسن کا وہ لازوال جوہر عطا کر دیا تھا کہ آپ ﷺ کا حسنِ صورت بھی حسنِ سیرت ہی کا ایک باب بن گیا تھا۔

کتاب کا چوتھا باب اسی حوالے سے ہے۔ جس میں مولانا نقی علی خان، حضور اکرم ﷺ کے سر مبارک، پیشانی مبارک، ابروئے مبارک، پلکیں مبارک، آنکھ مبارک، زلفِ مبارک، چہرہ مبارک، داڑھی مبارک، دندانِ مبارک، منہ مبارک، زبانِ مبارک، لبِ مبارک، کانِ مبارک، بینی مبارک، گردن و کندھا مبارک، ہاتھ مبارک، سینہ مبارک، شکم مبارک، مہرِ نبوت، قدمِ مبارک، قدِ مبارک اور عدم سایہ تک، یعنی سر انور سے لے کر ناخن پائے اقدس تک تمام اعضائے مبارک کی خصوصیات کا ذکر انتہائی عقیدت و محبت سے کرنے کے باوجود لکھتے ہیں کہ: "ہر چند اس کا عکس ہر نگ میں چمک رہا ہے، مگر حقیقت و ماہیت ادراکِ عقول سے برتر اور ورا ہے۔ صانعِ باکمال نے اِس جمال کو، اپنے دیکھنے کے واسطے بنایا اور اپنی محبوبیت کے واسطے پسند فرمایا، عقولِ بشریہ کی کیا تاب، جو اسے ادراک کریں اور اِس کی حقیقت و ماہیت دریافت کر سکیں، شپّر (چمگاڈر) آفتاب کو کب دیکھ سکتا ہے اور سایہ، نور کے کب مقابل آ سکتا ہے۔"[27]

ربِ کائنات نے وہ آنکھ تخلیق ہی نہیں کی جو تاجدارِ کائنات ﷺ کے حسن و جمال کا مکمل طور پر مشاہدہ کر سکے۔ اَنوارِ محمدی ﷺ کو اِس لیے پردوں میں رکھا گیا کہ اِنسانی آنکھ جمالِ مصطفیٰ ﷺ کی تاب ہی نہیں لا سکتی۔ چنانچہ آپ ﷺ کا حقیقی حسن و جمال مخلوق سے مخفی رکھا گیا۔ امام قرطبی کہتے ہیں کہ: ''حضور ﷺ کا حسن و جمال مکمل طور پر ہم پر ظاہر نہیں کیا گیا اور اگر آقائے کائنات ﷺ کا تمام حسن و جمال ہم پر ظاہر کر دیا جاتا تو ہماری آنکھیں حضور ﷺ کے جلوؤں کا نظارہ کرنے سے قاصر رہتیں۔''[28]

باب پنجم: آپ ﷺ کے حسن باطنی کے بیان میں:

کتاب کا یہ باب سیرتِ رسول ﷺ کے مختلف گوشوں کے حوالے سے ہے۔ جس میں مولانا نقی علی خان حضور اکرم ﷺ عاجزی وانکساری، طعام وقیام، لباس و اندازِ تکلم، سلام و مصافحہ، خوش مزاجی، شجاعت و بہادری، سخاوت و عفو، صبر ورضا، عبادت وریاضت، کثرت صوم ویاد الٰہی، طب وحکمت، بری خصلتوں سے اجتنات، مجالیس کفر سے دوری، حُب دنیا کی مذمت وبے رغبتی اور ستم ومظالم کے بدلے دعائیں، جیسے متعدد عنوانات کو زیر گفتگو لاتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کے خلق ومحاسن وافعال متاع دنیا سے عظیم تر ہیں۔ آپ کا زہد وتقویٰ، عفت وحیا، خوفِ خدا، رحم وکرم، شجاعت وعدالت، قناعت وصداقت، سخاوت وصبر وشکر، تواضع وانکساری، کلام وروش، نشست وبرخاست، قول وفعل وغیرہ، سب بے نظیر وبے مثال ہیں۔ آپ ﷺ کا ہر عمل و فعل عبادت تھا۔ آپ ﷺ کا اُٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، کھانا، پینا، دعا، سلام وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کے لیے تھا۔ آپ ﷺ کا کوئی کام حکم خدا سے مانع نہ تھا۔

مولانا نقی علی خاں نے آپ ﷺ کی سیرتِ مقدسہ کے اِن تمام پہلوؤں کا ذکر انتہائی ادب واحترام سے کیا ہے۔ اُنہوں نے مثالوں کے ذریعے واضح کیا ہے کہ آپ ﷺ کے خلقِ عظیم کے کافر ومشرک بھی قائل تھے اور کچھ مشرکین آپ ﷺ کے خلق سے متاثر ہوکر ایمان بھی لائے۔ آپ لکھتے ہیں:
"آپ کے عادات واخلاق میں اِس درجہ مرعی تھی کہ مافوق اِس سے متصور نہیں، بالفرض اگر معجزات ظہور میں نہ آتے تو آپ کے سچے ہونے پر گواہی آپ کی صورت وسیرت کی کہ دو گواعادل ہیں، کفایت کرتے۔ ہزاروں منکر آپ کی صورت دیکھ کر کہتے لیس ھذا وجہ الکذابین، یہ منہ جھوٹوں کا سانہیں ہے اور بہت مخالف آپ کے اخلاق وعادات دیکھ کر ایمان لاتے۔"(29)

مولانا نقی علی خان نے اسی باب میں حضور ﷺ کی پسند وناپسند کا بھی ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے نزدیک تمام عبادتوں میں افضل نماز ہے۔ خود آپ ﷺ اِس عبادت کو خشوع وخضوع کے ساتھ ادا فرماتے اور تمام عبادتوں سے زیادہ آپ ﷺ کو نماز سے خوشی حاصل ہوتی تھی۔ چنانچہ مولانا نماز کی اہمیت پر تنبیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اے عزیز! نماز بارگاہِ بے نیاز اور مقام مناجات دراز ہے۔ بکر بن عبد اللہ کہتے ہیں۔ اے فرزند آدم! جب تو بے استیذان خدا کے حضور جائے

اور بے ترجمان اُس سے کلام کیا چاہے تو اچھی طرح وضو کر کے محراب میں داخل ہو، اگر مصلی جانے کس کے حضور بلایا جاتا ہوں، دنیا و متاعِ دنیا ایک نماز کے شکرانے میں تصدق کرے۔ منادیانِ حضرتِ اعلیٰ ہر روز پانچ بار تجھے اُس کے حضور بلاتے ہیں، حی علی الصلوۃ حی علی الفلاح، اور تو ایک بار بھی نہیں جاتا، قیامت کو اگر دریا خون کی آنکھ سے بہائے گا ایک رکوع اور سجدے کی اجازت نہ دیں گے۔"[30]

اُنہوں نے قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں نماز کے کچھ مسائل اور نماز کی پابندی کے ساتھ اہمیت و افادیت کو بھی اجاگر کیا ہے۔

باب ششم: خصائص شریفہ کے بیان میں:

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو ایسے بے شمار اوصاف اور خوبیاں عطا فرمائی ہیں جو کسی اور کے حصّے میں نہیں آئیں، ان اوصاف اور خوبیوں کو "خصائصِ مصطفیٰ" کہا جاتا ہے۔ خصائصِ مصطفیٰ کی حقیقی تعداد تو دینے والا ربِّ رحیم جانتا ہے یا لینے والے رسولِ کریم ﷺ۔ مولانا احمد رضا محدث بریلوی لکھتے ہیں: "اُن کے فضائل نامقصور اور خصائص نامحصور (یعنی آپ کے فضائل میں کوئی کمی نہیں اور خصائص اس قدر ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتے)، بلکہ حقیقتاً ہر کمال ہر فضل ہر خوبی میں عُموماً اِطلاقاً انھیں تمام انبیاء مرسلین وخَلقِ اللہ اجمعین (اللہ پاک کی تمام مخلوق) پر تفضیلِ تام و عام مطلق (یعنی ہر طرح کی برتری خاص) ہے کہ جو کسی کو ملا، وہ سب انھیں سے ملا اور جو انھیں ملا وہ کسی کو نہ ملا۔"[31]

اِسے تُو جانے یا خدا جانے | پیشِ حق رُتبہ کیا ہوا تیرا

اللہ تعالیٰ نے انبیاء و مرسلین میں بعض کو بعض پر فضیلت دی مگر حضور سید المرسلین ﷺ کو ان سب انبیاء و مرسلین پر رفعت و عظمت بخشی، قرآنِ مجید میں ارشاد ہوا وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ[32] اور ان رسولوں میں بعض کو درجوں بلند فرمایا۔ ائمہ فرماتے ہیں کہ یہاں اِس بعض سے حضور ﷺ مراد ہیں اور یوں مبہم، بلانام لیے ذکر فرمانے میں اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اُن کا افضل المرسلین ہونا ایسا ظاہر و مشتہر ہے کہ نام لو یا نہ لو، اُنہی کی طرف ذہن جائے گا اور کوئی دوسرا خیال میں نہ آئے گا۔ چنانچہ خصائصِ مصطفیٰ سے مراد وہ فضائل و کمالات ہیں جن کے باعث حضور ﷺ کو تمام انبیاء و مرسلین وملائکہ مقربین اور تمام مخلوقاتِ الٰہی پر فضیلت بخشی گئی اور حضور ﷺ کو سب سے افضل و اعلیٰ و بلند بالا فرمایا گیا، وہ حضور ہی کے ساتھ خاص ہیں کسی اور کا اِن میں حصہ نہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ

کو تمام خلق سے زیادہ مخصوص فرمایا اور سب پیغمبروں کی صفات حضور ﷺ کی ذات مبارکہ میں جمع فرما کر اپنی خاص الخاص مہربانیوں سے مجلّٰہ فرمایا۔

اِس باب میں مولانا نقی علی خاں نے حضور ﷺ کی خصائص میں بارہ خصائص "محبوبیت"، "رسالت عامہ"، "کثرتِ اسما"، "عبدیا بندہ ہونا"، "جسم مقدس سراپا اعجاز"، "حوض کوثر"، "اُمی لقب"، "روزہ طے"، "اوّل المخلوق و اسبق موجودات"، "برکتِ میلاد"، " شفاعت "اور "اجتماع کمالات "کا ذکر انتہائی محبت اور ندرت کے ساتھ کیا ہے۔ ذیل میں چند اوصاف کا اجمالاً تذکرہ کرتے ہیں۔

خاصہ محبوبیت:

اِس ضمن میں مولانا لکھتے ہیں: آپ باعتبار جملہ صفات و جہات کے ہر زمانہ میں تمام خلائق بلکہ خود خالق کے محبوب ہیں۔ مثلاً عالم سے بسبب علم کے اور زاہد سے بسبب زُہد کے اور حسین سے بسبب حسن کے اور عادل سے بسبب عدل کے محبت ہوتی ہے اور آپ جملہ صفات ظاہری و باطنی و اختیاری و غیر اختیاری متساویہ الاقدام ہیں۔ حسین سے اُس وقت تک محبت رہتی ہے جب تک حسن باقی ہے، جب حسن جاتا رہتا ہے محبت بھی جاتی رہتی ہے اور آپ ﷺ کی ہر صفتِ کمال، زوال سے منزہ ومبرا بلکہ یومًا فیومًا ترقی پر ہے۔ وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلیٰ "[33]

خاصہ رسالت عامہ:

اِس میں مولانا نقی علی خاں قرآن وحدیث کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ: "ہر پیغمبر خاص اپنی قوم پر بھیجا جاتا تھا اور میں ہر سرخ و سیاہ پر مبعوث ہوا۔ "[34] آپ شیخ عبدالحق دہلوی کے حوالے لکھتے ہیں: ہمارے حضرت جن وانس پر مبعوث تھے اسی لیے آپ کو رسول الثقلین کہتے ہیں۔ "[35]

خاصہ کثرتِ اسماء:

حضور ﷺ کے کثرتِ اسما آپ کی کثرتِ صفات پر دلالت کرتے ہیں۔ مولانا لکھتے ہیں: حمد سے پانچ اسم ماخوذ ہو رہے، محمود کہ جنابِ باری نے اپنے اور اپنے محبوب میں مشترک رکھا تاکہ آپ کے کمالِ محمودیت پر دلالت کرے اگرچہ دونوں محمودیت میں فرق ہے۔ دوسرے حمید کہ معنی فاعلیت اور مفعولیت کو جامع تھا اِس لیے خاص فرمایا اِس کے مقابلے میں تین نام اپنے محبوب کو عنایت

فرمائے، احمد، محمد، محمود، تا پہلا اور دوسرا نام فاعلیت اور تیسرا مفعولیت پر دلالت کرے گویا اِس مضمون کی طرف اشارہ ہوا کہ اے میرے حبیب! اگر میں حمید ہوں یعنی تعریف کیا گیا، تو تم احمد ہو، بہت تعریف کرنے والے کہ تمہارے برابر میری تعریف کوئی نہیں کر سکتا اور جو میں حمید ہوں یعنی تعریف کرنے والا تو تم محمد ہو، بکثرت اور بار بار تعریف کیے گئے کہ تمہارے برابر میں کسی کی تعریف نہیں کرتا۔ الغرض اس جناب کو حمد سے ایسی نسبت تامہ ہے کہ نہ محمودیت میں کوئی اُن کے برابر ہے اور نہ حامدیت میں کوئی اُن کا ہمسر، اسی لیے چار نام آپ کے اِس سے مشتق ہیں، حامد، محمود، احمد، محمد، اور آپ کے مقام کا بھی نام مقامِ محمود ہے اور آپ کے نشان کا نام ”لواء الحمد“[36] اِس مقام پر مولانا نے حضور ﷺ کے نام اقدس ”محمد“ کی صفات کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے جو آپ کی وسعتِ علمی پر دلالت کرتا ہے۔

خاصہ شفاعت:

حضور اکرم ﷺ کی شفاعت کے بیان میں مولانا نقی علی خاں لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ: ”سب سے پہلے شفاعت کریں گے اور آپ کی شفاعت قبول ہو گی۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں: میں سردار اولادِ آدم ہوں اور خدا کے نزدیک اُن کا بڑا، اور یہ بات فخر سے نہیں کہتا اور اوّل شافع ہوں اور اوّل مشفع اور اوّل زمین سے نکلوں گا اور اوّل مجھی کو حکمِ سجدہ ہو گا، میں احمد ہوں، میں محمد ہوں، میں خدا کا پیارا اور اُس کا پیغمبر ہوں۔“[37]

آگے لکھتے ہیں: اوّل بقصد شفاعت سجدہ کریں گے، اوّل وہ سر بفرمان الٰہی اُٹھائیں گے، اوّل اُنہیں مراتب و مناسب ملیں گے، اوّل وہ اُمت کو ساتھ لے کر پل صراط سے گزریں گے، اوّل آپ دیدارِ الٰہی سے مشرف ہوں گے، اوّل اُن سے میثاق لیا گیا، اوّل اُنہوں نے جواب الست بربکم میں بلیٰ کہا، اوّل وہ بعد نفخے کے سر اُٹھائیں گے، اوّل وہ بہشت کا دروازہ کھلوائیں گے اور فقرائے اُمت کے ساتھ پہلے بہشت میں جائیں گے۔"[38]

خاصہ اجتماع کمالات:

اِس ضمن میں مولانا نقی علی خاں لکھتے ہیں کہ: "جنابِ باری نے تمام کمالات اگلے پیغمبروں کے بلکہ اعلیٰ و افضل اُن سے ذات جامع البرکات میں جمع کیے اور فضلیت اجتماع کی انفراد پر ظاہر ہے۔"[40] اِس مقام پر اُنہوں نے ایسے سینتیس(37) کمالات کا ذکر بھی کیا جو اللہ تعالیٰ نے دوسرے انبیاء علیہ السلام کے مقابلے میں حضور ﷺ کو عطا فرمائے۔

باب ہفتم: معراج کے بیان میں:

کتاب کا ساتواں باب معراج مصطفیٰ ﷺ کے عنوان سے ہے۔ جس کا آغاز مولانا نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ: سُبْحَانَ الَّذِی أَسْرَی بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِی بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ[41] (یعنی ہر عیب اور نقصان سے پاکی ہے اُسے جو رات میں لے گیا اپنے بندے کو بڑائی والی مسجد سے مسجد اقصیٰ کی طرف جس کے گرد نواح کو ہم نے برکت دی تا کہ دکھائیں ہم اُسے نشانیاں اپنی قدرت کی بے شک وہی سننے والا ہے دیکھنے والا) سے کیا ہے۔ اِس آیت مبارکہ کے کلمات "سُبْحَانَ الَّذِی"، "أَسْرَی"، "بِعَبْدِهِ"، "لَيْلًا"، "مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ"، "إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى"، "الَّذِی بَارَكْنَا حَوْلَهُ"، "لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا" اور "إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ" کے فضائل و محاسن پر مولانا نے انتہائی عالمانہ اور محققانہ بحث کی ہے۔ جس سے مولانا کے علمی وقار اور مقام کا اندازا ہوتا ہے۔ آپ " بِعَبْدِهِ" کی فاضلانہ تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اضافتِ عبد کی ضمیر کی طرف واسطے بیان عظمت مضاف کے ہے، جس طرح کہتے ہیں مصاحب بادشاہ کا آتا ہے جو بڑائی اُس کی، اِس کلمے سے سمجھی جاتی ہے نام لینے میں نہیں، اور تمام صفات سے عبدیت کو بسبب اِس کی فضلیت یا بیان علیّت کے اختیار فرمایا کہ نہ کوئی صفت بندگی کے برابر ہے اور نہ رفعت و بلندی بے اِس کے حاصل ہوسکے، سعادت انسان کی بندگی اور سرافگندگی میں ہے۔ من تواضع للہ رفعہ اللہ۔ گویا اِس مضمون کی طرف اشارہ ہوا کہ ہم نے محمد ﷺ کو بندگی کے عیوض یہ مرتبہ عنایت فرمایا کہ چند ساعت میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کو لے گئے اور اپنی قدرت و حکمت کے اسرار اُن پر ظاہر فرمائے۔"[42]

مولانا نقی علی خاں لکھتے ہیں:

"پرودگارِ عالم نے رسول اللہ ﷺ کو شبِ معراج لوح و قلم، بہشت و دوزخ اور تمام عجائب ملک و ملکوت اور غرائب جبروت ولاہوت ملاحظہ کرائے اور اپنے حضور بلاکر اسرارِ قدرت اور دقائق حکمت ظاہر فرمائے کہ آپ کے محبوب تھے اور محبوب کو محب کے اسرار پر مطلع اور اُس کے ملک و خزانہ اور فوج و لشکر سے واقف ہونا ضرور ہے۔"[43]

اسی طرح مولانا نقی علی خاں نے واقعہ معراج کی حکمتیں، فضائل و نکات، تطبیقات مفصل اور مدلل انداز میں بیان کی ہیں۔ اِس باب میں مولانا نے چار تنبیہات، ایک توجیہہ، چار لطائف، دو حکمتیں،

چار فوائد ایک تذئیل اور چار تطبیقات کے ذریعے واقعہ معراج کے اسرار ورموز اور اُس کی رحمتیں، برکتیں اور فضیلتیں بیان کی ہیں۔

باب ہشتم: معجزات کے بیان میں:

اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اُس کی نبوت ورسالت کے ثبوت کے لیے دلیل کے طور پر معجزات عطا فرمائے، جن کو لوگوں کے سامنے پیش کرکے انبیاء اور رسولوں نے اپنی نبوت ورسالت کا ثبوت پیش کیا۔ حضور ﷺ سے پہلے جتنے بھی پیغمبر یا رسول آئے وہ سب ایک خاص قوم کی طرف مبعوث ہوئے اور انہوں نے اُسی قوم کو سیدھے راستے پر لانے کے لیے معجزات ظاہر کیے۔ مگر نبی کریم ﷺ چونکہ قیامت تک کے لیے آخری نبی (خاتم الانبیاء) بن کر آئے اِس لیے ربّ کریم نے آپ کی ذات مبارکہ کو سراپا معجزہ بنا کر بھیجا۔ آپ کا چلنا پھرنا، اُٹھنا بیٹھنا، بولنا دیکھنا، ہر ہر ادا ہی معجزہ نہ تھی، بلکہ آپ کی پوری زندگی ہی معجزہ ہے۔

قرآن کریم نے ہمیں نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے دلائل پر غور وفکر کرنے کی دعوت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جناب نبی کریم ﷺ کی نبوت کی تائید و اثبات کے لیے بہت زیادہ معجزات عطا فرمائے، جن کے ساتھ ایمان والوں کے دلوں کو قرار وثبات ملتا اور ان کے عمل وایمان میں اضافہ ہوتا تھا۔ اوراس کے ساتھ ساتھ منکرین کے اوپر حجت قائم ہوتی اور ان میں سے سلیم الفطرت لوگ ان معجزات کو دیکھ اور سن کر دولتِ ایمان سے بہرہ ور ہوتے۔ نبی کریم ﷺ کو ملنے والے معجزات کئی انواع واقسام پر مشتمل ہیں۔ آپ ﷺ کو ملنے والے معجزات کی حد بندی تو مشکل ہے۔ تاہم کتبِ احادیث میں ان کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہے جن کو ائمہ محدثین نے بیان کیا ہے۔ اوراس سلسلے میں متعدد علماء نے اس موضوع پر مستقل کتب بھی تصنیف کی ہیں۔

مولانا نقی علی خاں نے اِس باب میں حضور اکرم ﷺ کے معجزات کا ذکر بڑے حسین و جمیل پیرائے میں کیا ہے۔ یہ معجزات سیرت نبوی ﷺ کا وہ بہترین شاہکار ہیں، جسے پڑھ کر ایمان کو تازگی ملتی ہے اور روح معطر ہو جاتی ہے۔ آپ ﷺ کے اَن گنت معجزات کا ذکر مولانا والہانہ انداز میں مستند حوالوں سے کرتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں: ”رسول اللہ ﷺ نے ابن مسعود کو بکریاں چراتے دیکھا، کہا: اے لڑکے کچھ دودھ ہے؟ عرض کیا: ہے مگر میں امین ہوں، یعنی یہ بکریاں میرے پاس امانت ہیں، اِن کا

دودھ نہیں دے سکتا، فرمایا: اِن میں کوئی بکری ایسی ہے جس پر نَر نہیں پھاندا، ابن مسعود نے ایسی بکری حاضر کی، آپ نے اُس کے تھن چھوئے فوراً دودھ اُتر آیا، دوھ کر آپ پیا اور ابو بکر کو پلایا، پھر تھن سے ارشاد فرمایا: ''اقلص ''خشک ہو گئے، ابن مسعود یہ معجزہ دیکھ کر مسلمان ہوئے، آپ نے اُن کو سینہ سے چپٹالیا۔''[44] اِس باب میں مولانا نقی علی خاں نے مشرکین، منافقین اور منکرین معجزات کے اعتراضات اور شبہات کا ازالہ بھی مدلل انداز میں دیا ہے۔

باب نہم: درود پاک کا بیان:

اِس کتاب کا نواں اورآخری باب درود شریف کے فضائل پر مشتمل ہے۔ مولانا نقی علی خاں نے اِس باب کو چار فصلوں میں منقسم کیا ہے۔ پہلی فصل، حضور اکرم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کے احکامات سے متعلق ہے۔ جس کا آغاز مولانا نے قرآن مجید کی آیت مبارکہ: إِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَه يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا[45] سے کیا ہے اور اِس آیت مبارکہ کے ہر کلمہ اور ہر صیغہ کی انتہائی مدلل اور مفصل تفسیر پیش کرے درود وسلام کی فضلیت واضح کی ہے۔

فصل دوم درود شریف کے فضائل وفوائد کے بیان میں ہے۔ اِس فصل میں مولانا نے درود شریف کے اجر وثواب کا بڑے عالمانہ انداز میں بیان کیا ہے۔ اور متعدد احادیث مبارکہ بھی نقل کیں ہیں جو درود شریف کی فضلیت واہمیت کے بارے میں ہیں۔ اِس کے علاوہ اُنہوں نے علماء، فضلاء، ائمہ ومجتہدین کے اقوال وافعال بھی قلم بند کیے ہیں۔ کس موقع پر کون سا درود پاک پڑھنا چاہیے مولانا نقی علی خاں نے یہ بھی تحریر کیا ہے اور ہر درود پاک کی فضیلتیں اور برکتیں بھی اُس درود کے ساتھ لکھی ہیں۔

فصل سوم اُن لوگوں کے بارے میں ہے جو حضور اکرم ﷺ کا نام نامی سن کر درود شریف نہیں پڑھتے۔ اِس فصل میں مولانا نقی علی خاں حضور ﷺ کی وہ احادیث مبارکہ نقل کرتے ہیں جن میں حضور ﷺ نے اُن لوگوں کو بخیل اور دوزخی قرار دیا ہے جو سرور کون ومکاں ﷺ کا نام مبارک سن کر آپ ﷺ پر درود وسلام کے پھول نچھاور نہ کرے۔ چنانچہ اِس حوالے سے آپ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''جس کے پاس میں ذکر کیا گیا اور وہ مجھ پر درود پڑھنا بھول گیا، بے شک بہشت کی راہ سے بہک گیا۔'' اور فرماتے ہیں: ''جس کے پاس میرا ذکر آئے اور مجھ پر درود نہ بھیجے، دوزخ میں جائے۔'' اور فرمایا: ''خاک آلودہو ناک اُس کی، جس کے پاس میرا ذکر آئے، اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔''[46]

اِس باب کی چوتھی فصل درود شریف کے حوالے سے حکایات سے متعلق ہے۔مولانا نے اِس فصل میں درود شریف کی برکت واہمیت کے حوالے سے بائیس (22) حکایات بیان کی ہیں۔

اختتامی تجزیہ:

اِس تناظر میں مولانا نقی علی خاں کی تصنیف "سرور القلوب فی ذکر المحبوب" اپنے زمانہ اشاعت کے اعتبار سے اپنی نوعیت کی ایک منفرد اور بے مثال تصنیف ہے۔اِس کے اسلوبِ نگارش میں شگفتگی اور بے ساختگی ہے۔مولانا نقی علی خان کی زبان و بیان میں جو سوزو گداز ہے، قرآن وحدیث اور سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کے جو اسرار ورموز ہیں، وہ اُن کے دور کے دیگر مصنفین کے یہاں دیکھنے کو نہیں ملتے۔اُنھوں نے ذاتِ رسالمآب ﷺ کی انفرادیت اور جامعیت کو جس موثر انداز میں بیان کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔کتاب کے مطالعہ سے اندازا ہوتا ہے اُنھوں نے طویل واقعات کو اپنی اسی خوبی کی وجہ سے مختصر مگر جامع انداز میں بیان کیا ہے۔یوں اُن کی تحریر کی ایک خاص خوبی مختصر نویسی بھی ہے۔یہ اُن کا خاص وصف ہے کہ وہ واقعات کو مختصر کر کے اپنے مافی الضمیر کو بیان کرنے میں مہارت رکھتے ہیں اور اِس وصف کے باعث وہ اپنے دیگر ہم عصر مصنفین سے ممتاز نظر آتے ہیں۔

مولانا نقی علی خاں کے نزدیک "سرور القلوب فی ذکر المحبوب" کی تصنیف کا اہم مقصد حضور نبی کریم ﷺ کی ذاتِ مقدسہ پر نازیبا حملوں کا مدلل جواب کے ساتھ عوام کی فلاح اور اصلاح بھی ہے۔اسی لیے اُنھوں نے مشکل اور ادق الفاظ کا استعمال بہت کم کیا ہے۔اُنھوں نے متعدد مقامات پر عربی و فارسی الفاظ کا استعمال بھی کیا لیکن یہ استعمال اصطلاحاتِ دین کو واضح کرنے کے لیے ضروری تھا۔آپ اپنی تحریر میں اُردو اور فارسی اشعار کا بھی بر محل استعمال کرتے ہیں جس سے عبارت کی دلکشی میں اضافہ ہوتا ہے۔اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ "سرور القلوب فی ذکر المحبوب" سلاست و روانی اور زور بیان میں اپنی مثال آپ ہے۔یہی وجہ ہے کہ مولانا نقی علی خاں کی یہ کتاب اسلوبِ تحریر کی بناء پر منفرد ہے۔

مولانا نقی علی خاں کی سیرت نگاری کو اگر ادبی حوالے سے دیکھا جائے تو بلاشبہ یہ ایک اہم کارنامہ ہے کہ اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے متعلق، سیرت، تاریخ، مغازی اور احادیثِ مبارکہ سے واقعات کو چُن چُن کر "سرور القلوب فی ذکر المحبوب" میں آسان اور سہل انداز میں اِس طرح بیان کیا ہے کہ یہ کتاب دلچسپی کا باعث قرار پاتی ہے۔گو مولانا نے اپنے زمانہ کے رواج کے مطابق کہیں

کہیں دقیق اور مقفیٰ و مسجع عبارت بھی استعمال کی ہیں مگر ایسی عبارت ذہن پر بوجھ بننے کے بجائے قاری کے دل و دماغ پر خوشگوار اثرات مرتب کرتی ہیں۔

مولانا نقی علی خاں کا اندازِ تحریر موثر ہے۔ وہ اپنا مدعا اِس طرح بیان کرتے ہیں کہ قاری کے ذہن کو متاثر کیے بِنا نہیں رہتے۔ اگر اِس کے مدعا اور مفہوم پر نظر ہو تو متن کتاب سے سیرت نگاری کے گوشے اجاگر ہوتے ہیں لیکن اگر زبان و بیان کی فصاحت و بلاغت پر توجہ ہو تو یہ خالصتاً ایک ادبی رنگ میں رنگی ہوئی تحریر محسوس ہوتی ہے۔

یوں تو دنیا کی ہر زبان میں نبی کریم ﷺ کی ذات والا صفات کی مدح سرائی کی گئی لیکن خطہ پاک و ہند اور اُردو زبان میں سیرت النبی ﷺ کے حوالے سے مولانا نقی علی خاں اِس سلسلۃ الذھب کی اُن اولین کڑیوں میں سے ہیں جنھوں نے اِس سلسلہ کو نہ صرف فروزاں کیا بلکہ خود بھی گلستانِ سیرت کے خوشہ چیں رہے۔ آپ کی نثری تصنیفات کا جائزہ لیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ آپ نے حضور اکرم ﷺ کے عشق و محبت سے مسلمانوں کے سینوں کو لبریز کرنے کے لیے اُردو نثر کو شرف سلامت روی بخشا۔ آپ کی سیرت نگاری کا مقصد رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کے اُسوہ حسنہ کو عام و خاص تک پہنچانا ہے تاکہ اِس کے مطالعہ سے ہر پڑھنے والا نبی کریم ﷺ کی سیرت و کردار اور تعلیمات پر عمل پیرا ہو سکے۔

"سُرورُ القُلوب فی ذِکرِ المحبُوب" سیرت نگاری میں اِس لیے بھی منفرد حیثیت کی حامل ہے کہ اِس کتاب میں سرکارِ رسالت مآب ﷺ کے اوصافِ حمیدہ، اعمال و کردار، فضائل و اخلاق اور اُسوہ حسنہ کا بیان نہایت عقیدت و محبت سے کیا گیا ہے۔ جس کی مثال نایاب نا سہی کم یاب ضرور ہے۔ دوسرے یہ کہ "سُرورُ القُلوب فی ذِکرِ المحبُوب" روہیلکھنڈ (اُترپردیش) میں سیرتِ طیبہ پر شائع ہونے والی کتب میں نقشِ اوّل کی حیثیت رکھنے کے ساتھ ساتھ کتبِ سیرت کے ذخیرے میں مولانا نقی علی خاں کی بہترین انشاء پردازانہ صلاحیتوں کا مظہر اور اُن کے قلم کی شگوفہ کاریوں کا مرقع ہے۔

حوالہ جات وتعلیقات

1۔ڈاکٹر محمد حسن، علامہ مولانا نقی علی خاں حیات وادبی کارنامے، ص43، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی، سن اشاعت 2005۔

2۔ایضاً، ص93

3۔عبدالحکیم شرف قادری، مشعل راہ، مطبوعہ کراچی ص125

4۔چندہ شاہ حسینی، شمس التواریخ،ناشر امجدی بک ڈپو ناگپور، ص95

5۔ڈاکٹر محمد حسن، علامہ مولانا نقی علی خاں حیات وادبی کارنامے، ص6

6۔ایضاً، ص44

7۔ایضاً، ص82

8۔ایضاً، ص85

9۔ایضاً، ص86

10۔ایضاً، ص6

11۔ایضاً ، ص25-36-35

12۔مولانا نقی علی خاں، سرور والقلوب فی ذکر المحبوب، صiii، دارالنعمان پبلیشرز لاہور، نومبر 2018

13۔ایضاً، ص ت

14۔ایضاً، ص ث، ج

15۔ صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب حُبُّ الرَّسُولِ ﷺ مِنَ الإِيمَانِ، ج:1: 14، الرقم:15

16۔مولانا نقی علی خاں، سرور والقلوب فی ذکر المحبوب، ص15

17۔ایضاً ، ص19

18۔ایضاً، ص22

19۔ایضاً، ص35

20۔ایضاً، ص40

21۔ص، 42-41

22۔ایضاً ص، 94-93

23۔ایضاً، ص65

24۔ ایضاً، ص81

25۔ ایضاً، ص105

26۔ ایضاً،110-109

27۔ ایضاً، ص143

28۔ ایضاً، ص143، زرقاني، شرح المواهب اللدنيه،5 : 241

29۔ ایضاً، ص164

30۔ ایضاً، ص168

31۔ فتاویٰ رضویہ، ج22، ص614

32۔ سورۃ البقرۃ :253

33۔ مولانا نقی علی خاں، سرور والقلوب فی ذکر المحبوب، ص249، سورۃ الضحی- آیت 4

34۔ ایضاً، ص274

35۔ ایضاً، ص273

36۔ ایضاً، ص280-279

37۔ ایضاً، ص301-300

38۔ ایضاً، ص301

39۔ ایضاً، ص310

40۔ ایضاً، ص312

41۔ الإسراء:1

42۔ مولانا نقی علی خاں، سرور والقلوب فی ذکر المحبوب، ص338

43۔ ایضاً، ص360

44۔ ایضاً، ص373

45۔ سورۃ الاحزاب: آیت:56

46۔ مولانا نقی علی خاں، سرور والقلوب فی ذکر المحبوب، ص456-455

علامہ شبلی نعمانی بحیثیت اردو، سیرت نگار، محمد رسول اللہ ﷺ

عزیز احمد بیگ

(محقق شعبہ اصول الدین، جامعہ کراچی واستاد جامعہ ملیہ گورنمنٹ ڈگری کالج، کراچی)

Abstract:

"One of the most important and famous name in Urdu(Sirat-un-Nabi)Biographic is Allama Shabli Namani. Those belonging to this family offered their services at the educational level after converting to Islam Among them are Allama Shabli Nomani. The subject of his biography is "Sirat al-Nabi".this book is a academic and research in Urdu literature. I have presented an overview of the first two volumes of Sirat-un-Nabi. These are the two volumes that Allama Shabali wrote with her own hands. I have presented the first is the introduction of Allama Shabali Allama. Shabali compiled the academic and research material in her book. Examples of which are not found in other books written in Urdu, I have highlighted them.Then the meaning of the "Sirah" is written. After presenting a brief history of the biography, Allama has reviewed Shabli Nomani's biography.

The topics discussed in this article include responses to the questions of European authors, Expressing devotion and love to Muhammad Rasulullah, Muhammad Rasulullah's arrival in Medina, Special focus on imagery, style writing, historiography, manuscript references, Islam Abi Talib, The Tradition Of The Father Of Hazrat Khadija (RA), The Difference Between Them And Them, The Word, The Investigation Of The Rich, The Faith Of The Saur, Jihad and prayer, the difference between the winner and the prophet".

Keywords: Biographic, Sirat-un-Nabi, European authors.

تمہیدی کلمات:

خصوصی طور پر جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی سوانح حیات کو سیرت کہتے ہیں۔ سیرت نگاری باقاعدہ طور پر ایک فن کی صورت اختیار کر گئی ہے۔ جس کا آغاز عربی زبان سے ہوا پھر اس میں اتنی وسعت پیدا ہو گئی کہ اس کا دائرہ عربی زبان تک ہی محدود نہ رہا بلکہ فارسی، اردو سمیت دوسری زبان میں بھی پھیل گئی۔ اردو زبان میں پہلے نظم اور پھر نثر کی صورت میں مولود نامے ،میلاد نامے وغیرہ لکھے گئے۔اور اب تک اتنا کام ہو گیا کہ جس کا احاطہ کرنا ناممکن ہو گیا ہے۔

سابقہ کام کا جائزہ:

اردو سیرت نگاروں میں ایک اہم معروف اور معتبر نام علامہ شبلی نعمانی کا ہے۔ ان کی مشہور زمانہ تصنیف ''سیرت النبی'' اور علامہ شبلی کی سیرت نگاری پر متعدد مضامین اور مقالے لکھے گئے ان میں زیادہ تر عقیدت مندانہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ البتہ اس سلسلے کا جو سب سے اہم کام شعبہ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ ،انڈیا میں ہوا ہے وہ ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ''علامہ شبلی کی علمی وادبی خدمات'' کے موضوع پر ہے۔اس کا ایک باب ''سیرت النبی'' کے تحقیقی و تنقیدی جائزہ سے متعلق ہے۔اس میں تنقیدی اسلوب کو اپنایا گیا ہے۔

جامعہ کراچی کے ایک فاضل اور شعبہ علوم اسلامیہ کے ٹیچنگ ایسوسی ایٹ،ڈاکٹر شاکر حسین خان نے ''جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری کی علمی و دینی خدمات'' کے تحت پی ایچ ڈی سطح پر مقالہ،ڈاکٹر محمد شکیل اوج کی نگرانی میں تحریر کیا ہے۔ جس کا ایک باب ''جسٹس پیر محمد کرم شاہ بحیثیت سیرت نگار سرورِ دوعالم ﷺ'' ہے۔ اُس باب میں جزوی طور پیر صاحب کی کتاب ضیاء النبی اور شبلی کی کتاب ''سیرت النبی'' کا تقابل کیا ہے جس میں ادبی طور پر شبلی کی کتاب ''سیرت النبی'' کو پیر صاحب کی کتاب ''ضیاء النبی'' پر فوقیت دی ہے۔

جب کے راقم نے اعتدال کا راستہ اختیار کرتے ہوئے اپنا مقالہ تیار کیا ہے جس میں علامہ شبلی کی ان نگارشات کو اہمیت دی ہے جن کا دائرہ علمی و تحقیقی نوعیت کا ہے اور ان سے قبل کسی اور اردو سیرت نگار نے پیش نہیں کیا۔

تعارف(علامہ شبلی نعمانی):

علامہ شبلی نعمانی کی پیدائش اعظم گڑھ ضلع کے ایک گاؤں بندول جیراج پور میں 3 جون 1857ء میں ہوئی تھی- ابتدائی تعلیم گھر پر ہی مولوی فاروق چریا کوٹی سے حاصل کی وکالت کا امتحان بھی پاس کیا مگر اس پیشہ سے دلچسپی نہ تھی۔ علی گڑھ گئے تو سرسید احمد خان سے ملاقات ہوئی۔ شروع میں شبلی اپنے خاندانی اثر کے مطابق مذہبی لحاظ سے ایک فکر کے حامل تھے پھر سرسیّد احمد خان کی قائم شدہ علی گڑھ یونیورسٹی سے تعلق کے بعد شبلی وسیع النظر ہوگئے۔ پھر فارسی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ یہیں سے شبلی نے علمی و تحقیقی زندگی کا آغاز کیا۔ پروفیسر آرنلڈ سے فرانسیسی بھی سیکھی۔ 1913ء میں دار المصنفین کی بنیاد ڈالی۔ شبلی کا شمار اردو تنقید نگاری کے بنیادی افراد میں ہوتا ہے۔ اردو کی نظریاتی تنقید کو فروغ دینے اور اسے ایک مثبت سمت دینے میں ان کا اہم کردار رہا ہے۔ ان کی شخصیت اردو دنیا میں بطور شاعر، مورخ، سوانح نگار اور سیرت نگار کی حیثیت سے بھی مسلم ہے۔ 18، نومبر 1914ء میں انتقال ہوا۔ شبلی کی تصانیف، الفاروق، سوانح مولانا روم، علم الکلام (شبلی)، المامون، موازنہ (دبیر و انیس)، شعر العجم، مقالاتِ شبلی، سیرت النعمان، سیرت النبی ﷺ اور الغزالی، ہیں۔(1)

سیرت کا معنی ومفہوم:

سیرت یا سیرۃ، موجودہ دور میں سیرت نبویہ یا سیرت نبوی یا سیرت النبی کی اصطلاح مسلمانوں کے ہاں محمد رسول ﷺ کی سوانح کے لیے خاص ہے۔ سیرت کے لغوی معنی طریقہ کار یا چلنے کی رفتار اور انداز کے ہیں۔(2)

آزاد دائرۃ المعارف، ویکیپیڈیا میں ہے کہ لفظ سیرت اب بطور اصطلاح صرف آنحضرت(ﷺ) کی مبارک زندگی کے جملہ حالات کے بیان کے لیے مستعمل ہے جبکہ کسی اور منتخب شخصیت کے حالات کے لیے لفظ سیرت کا استعمال قریباً متروک ہو چکا ہے۔ اب اگر مطالعہ سیرت یا کتب سیرت جیسے الفاظ کے ساتھ رسول، نبی، پیغمبر یا مصطفی کے الفاظ نہ بھی استعمال کیے جائیں تو ہر قاری سمجھ جاتا ہے کہ اس سے مراد آنحضرت ﷺ کی سیرت ہی ہے بلکہ بعض دفعہ لفظ سیرت کو کتاب کے مصنف کی طرف مضاف کر کے بھی یہی اصطلاحی معنی مراد لیے جاتے ہیں جیسے سیرت ابن ہشام کہ اس کا مطلب ابن ہشام کے حالات زندگی نہیں بلکہ آنحضرت کے حالات ہیں جو کتاب کے مصنف ابن

ہشام نے جمع کیے ہیں۔اسی طرح موجودہ دور میں جلسہ سیرت، سیرت کانفرنس، مقالات سیرت، اخبارات و رسائل کے سیرت نمبر،وغیرہ بکثرت الفاظ مستعمل ہیں۔ ان تمام تراکیب میں لفظ سیرت کے معنی ہمیشہ سیرت النبی ہی ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ ادب و احترام کے اظہار کے لیے اس لفظ کے ساتھ کسی صفت کا اظہار کر دیتے ہیں جیسے سیرت طیبہ، سیرت مطہرہ اور سیرت پاک وغیرہ۔(3)

سیرت نگاری:

محمد رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مسلمانوں میں آپ ﷺ کے اخلاق و کردار اور آپ ﷺ کی زندگی سے متعلق واقعات کو جاننے کا رجحان بڑھتا گیا۔اس شوق و جستجو کے باعث روایات کا ایک وسیع ذخیرہ جمع ہو گیا۔مثلاً ایک تابعی مختلف صحابہ کرام سے محمد رسول اللہ ﷺ کے واقعات کو یاد کرتا یا لکھ لیتا تو دوسرا تابعی بھی اپنے ملنے والے صحابی سے محمد رسول اللہ ﷺ کے واقعات دریافت کر کے لکھ لیتا اور اس طرح باقاعدہ طور پر سیرت نگاری کا آغاز ہو گیا۔ مسلمان دنیا کے جس خطے میں پہنچے انہوں نے اس زبان میں اپنی مذہبی تعلیمات بالخصوص قرآن مجید، احادیث کے ترجمے کیے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ پر کتابیں لکھیں اس طرح سیرت نگاری کے فن نے بھی شہرت پائی۔ اس طرح دیگر زبانوں کی طرح اردو زبان میں بھی سیرت نگاری پر کام ہوا۔اُن میں ایک اہم کام وہ ہے جسے علامہ شبلی نعمانی نے سرانجام دیا۔

علامہ شبلی نعمانی اور سیرت نگاری:

مولانا شبلی نعمانی کی تصانیف میں سیرت النبی ﷺ ان کا بے مثال شاہکار ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ شبلی نے سیرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تدوین میں احتیاط، دیانت داری اور جرح و تعدیل کے ساتھ ساتھ محمد رسول سے والہانہ عقیدت و محبت کا اظہار کیا ہے۔اس کی نظیر اردو ادب میں کم ہی ملتی ہے۔ علامہ شبلی نعمانی نے اپنی اس تصنیف میں، عہد رسالت کے کثیر واقعات کا جائزہ لیا ہے خصوصاً محمد رسول اللہ ﷺ کے ذاتی واقعات وحالات و سوانح حیات کے مختلف پہلوؤں کو اس طرح قلم بند کیا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کے مختلف گوشے ان کی مذکورہ تصانیف کا مطالعہ کرنے والوں کی نگاہوں کے سامنے آجائیں بلکہ عہد نبوی ﷺ کا معاشرہ بھی سیرت نبوی کا مطالعہ کرنے والوں کی نگاہوں کے سامنے رہے۔ علامہ شبلی نے اس میں ایک کام یہ بھی کیا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی

حیات طیبہ کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات کو علم الکلام کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ علامہ شبلی نے اپنی مذکورہ تصنیف "سیرت النبی ﷺ" کو موضوع کے اعتبار سے تالیف کیا ہے۔ سیرۃ النبی ﷺ کی پہلی دو جلدیں ان کی اپنی مرتب کردہ ہیں۔ ہم انہیں دو جلدوں کا جائزہ لینے کی سعی کریں گے۔

یورپین مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات:

سیرۃ النبی ﷺ کی پہلی جلد میں اکثر مقامات پر حیات نبوی ﷺ کے متعلق مختلف واقعات کے ضمن میں یورپین مصنفین کے افکار و خیالات سے تعرض کیا گیا ہے اور اسلام اور رسول اللہ ﷺ پر اُن کے اعتراضات و تنقیدات کے جوابات دیے گئے ہیں۔ اس ضمن میں درجِ ذیل مثال ملاحظہ کیجیے:

"رسول اللہ ﷺ کی قبل از بعثت زندگی میں ایک واقعہ بُحیرہ راہب سے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عمر جب بارہ سال تھی تو آپ نے اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ شام (Syria) کا سفر کیا تھا۔ اسی سفر میں بصریٰ کے مقام پر ایک عیسائی راہب جس کا نام بحیرا تھا، سے آپ ﷺ کی ملاقات ہوئی تھی۔ علامہ شبلی رقم طراز ہیں" جب ابو طالب بُصریٰ پہنچے تو ایک عیسائی راہب کی خانقاہ میں اترے جس کا نام، بُحیرا، تھا۔ اُس نے آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر کہا کہ یہ سید المرسلین ہیں۔ "لوگو نے پوچھا" تم نے کیوں کر جانا، اُس نے کہا جب تم لوگ پہاڑ سے اُترے تو جس قدر درخت اور پتّھر تھے سب سجدے میں جھک گئے۔ یہ روایت مختلف پیرایوں میں بیان کی گئی ہے۔ تعجّب ہے کہ اس روایت سے جس قدر عام مسلمانوں کو شغف ہے اس سے زیادہ عیسائیوں کو ہے۔ سرولیم میور، ڈریپر، مارگولیس وغیرہ سب اس واقعہ کو عیسائیت کی فتح عظیم خیال کرتے ہیں اور اس بات کے مدّعی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مذہب کے حقائق و اسرار اسی راہب سے سیکھے اور جو نکتے اس نے بتادیئے تھے اُنہی پر آنحضرت ﷺ نے عقائدِ اسلام کی بنیاد رکھّی۔ اسلام کے تمام عمدہ اصول انہی نکتوں کی شروح اور حواشی ہیں۔ عیسائی مصنفین اگر اس روایت کو صحیح مانتے ہیں تو اس طرح ماننا چاہیے جس طرح روایت میں مذکور ہے۔ اس بُحیرا کی تعلیم کا کہیں ذکر نہیں۔ قیاس میں بھی نہیں آسکتا کہ دس بارہ برس کے بچّے کو مذہب کے تمام دقائق سکھا دیئے جائیں اور اگر یہ کوئی خرقِ عادت تھا تو بحِرا کو تکلیف کرنے کی کیا ضرورت تھی۔؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت ناقابلِ اعتبار ہے، اس روایت کے جس قدر طریقے

ہیں سب مُرسَل ہیں یعنی راوی اول واقعہ کے وقت خود موجود نہ تھا اور اس راوی کا نام نہیں بیان کرتا جو شریکِ واقعہ تھا۔"(4)

شبلی رقم طراز ہیں: "اس روایت میں مذکور ہے کہ حضرت بلال اور ابو بکر بھی اس سفر میں شریک تھے حالانکہ اس وقت بلال کا وجود بھی نہ تھا اور حضرت ابو بکر بچے تھے۔ اس حدیث کے اخیری راوی ابو موسیٰ اشعری ہیں۔ وہ شریک واقعہ نہ تھے اور اوپر کے راوی کا نام نہیں بتاتے۔ ترمذی کے علاوہ طبقات ابن سعد میں جو سلسلہء سند مذکور ہے۔ حافظ ابن حجر رواۃ پرستی کی بنا پر اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہیں لیکن چونکہ حضرت ابو بکر اور بلال کی شرکت بداہۃً غلط ہے اس لیے مجبوراً اقرار کرتے ہیں کہ اس قدر حصّہ غلطی سے روایت میں شامل ہو گیا۔ لیکن حافظ ابن حجر کا یہ ادعّا بھی صحیح نہیں کہ اس روایت کے تمام رُواۃ قابل سند ہیں۔ عبد الرحمٰن بن غزوان کی نسبت خود انہی حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ وہ خطا کرتا ہے۔ اس کی طرف سے اس وجہ سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے ممالیک کی روایت نقل کی ہے۔ ممالیک کی ایک روایت ہے جس کو محدثین جھوٹا اور موضوع قرار کرتے ہیں۔"(5)

مذکورہ مثال سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ شبلی نے صرف مستشرقینِ یورپ ہی کے اعتراضات و تنقیدات کا جواب نہیں دیا بلکہ حدیثی روایات و تاریخی واقعات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ بھی لیا ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ سے عقیدت و محبت کا اظہار:

ہر صاحب ایمان، مسلمان، محمد رسول اللہ ﷺ سے عقیدت و محبت کو باعث سعادت اور اپنے ایمان کا جز قرار دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے مختلف گوشوں کے متعلق ہر زبان میں کتابیں، مضامین اور نعتیں لکھیں اور مختلف مواقع پر میلاد و سیرت کے عنوان سے جلسے ،کانفرنس، سیمینار اور نعت خوانی کی محافل منعقد کرتے ہیں۔

علامہ شبلی کی مذکورہ تصنیف میں محمد رسول اللہ ﷺ سے عقیدت و محبت کا اظہار جابجا نظر آتا ہے۔ ایک مقام پر علامہ شبلی، محمد رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت کا ذکر اس طرح کرتے ہیں "توحید کا غلغلہ اٹھا، چمنستانِ سعادت میں بہار آگئی، آفتابِ ہدایت کی شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں، اخلاقِ انسانی کا آئینہ پرتوِ قُدس سے چمک اٹھا، یعنی یتیم عبد اللہ، جگر گوشہء آمنہ، شاہِ حرم، حکمرانِ عرب، فرماں روائے عالم، شہنشاہِ کونین، عالم قدس سے عالم امکان میں تشریف فرمائے عزّتِ اجلال ہوا"(6)

محمد رسول اللہ ﷺ کی مدینہ طیبہ میں آمد:

مختلف سیرت نگاروں نے محمد رسول اللہ ﷺ کی مدینہ طیبہ میں آمد کو اپنے اپنے ذوق کے مطابق مختلف انداز میں پیش کیا ہے۔ علامہ شبلی مذکورہ تصنیف میں محمد رسول اللہ ﷺ کی مدینہ طیبہ میں آمد کے واقعہ کو اس طرح پیش کرتے ہیں ”آفتاب کی روشنی دور پہنچ کر تیز ہوتی ہے شمیم گل باغ سے نکل کر عطر فشاں بنتی ہے۔ آفتابِ اسلام طلوع مکّہ میں ہوا لیکن کرنیں مدینہ کے افق پر چمکیں۔“(7)

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری نے علامہ شبلی کی اتباع میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے ”نیّر اعظم کی نورانی شعاؤں کی ہیبت سے ہر نوع کی تاریکیوں پر لرزہ تاری تھا ویسے تو ہر رات کے بعد ہمیشہ صبح طلوع ہوتی ہے۔ اور ہر صبح کی روشنی زمین کے گوشہ گوشہ میں کو منوّر کرتی رہتی ہے لیکن آج کی صبح نرالی تھی، اس کے اجالوں میں اتنی شوخی تھی کہ کوئی تاب نہ لا سکتا تھا۔“(8)

منظر کشی پر خصوصی توجہ:

شبلی کی مذکورہ کتاب کے جائزے سے یہ بات بھی عیاں ہوتی ہے کہ شبلی نے اپنی تحریر میں منظر کشی یعنی محاکات یا تصویر کشی پر خاص توجہ دی جو کہ ان کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔ اس حوالے سے حجۃ الودع کے واقعہ کی مثال ملاحظہ کیجیے: ”آپ نے نظر اٹھا کر اس عظیم الشان مجمع کی طرف دیکھا تو فرائض نبوّت کے تئیس سالہ نتائج نگاہوں کے سامنے تھے۔ زمین سے آسمان تک قبول و اعترافِ حق کا نور ضوفشاں تھا۔ دیوان قضا میں انبیائے سابقین کے فرائض تبلیغ کے کارناموں پر ختم رسالت مہر کی ثبت ہو رہی تھی اور دنیا اپنی تخلیق کے لاکھوں برس کے بعد بھی دینِ فطرت کی تکمیل کا مژدہ کائینات کے ذرہ ذرہ کی زبان سے سن رہی تھی۔“(9)

اسلوبِ تحریر:

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ علامہ شبلی، اردو ادب کے صاحب طرزِ ادیب وانشا پرداز تھے۔ اس لیے ان کی مذکورہ تصنیف صاحب طرزِ ادیب عمدہ انشاء پردازانہ صلاحیتوں کی مورت ہے۔ اس حوالے سے بھی ایک مثال ملاحظہ کیجیے:

"وسیع خطّہ ءخاک میں گز بھر زمین نہیں ملتی تھی جہاں کوئی شخص خالص خدائے واحد کا نام لے سکتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کلدان میں یہ صدا بلند کرنی چاہی تو آگ کے شعلوں سے کام پڑا۔ مصر آئے تو ناموس کو خطرہ کا سامنا ہوا۔ فلسطین پہنچے تو کسی نے بات تک نہ پوچھی۔ خدا کا جہاں نام لیتے تھے شرک اور بت پرستی کے غلغلہ میں آواز دَب دَب کر رہ جاتی تھی۔ معمورہء عالم کے صفحے نقشہائے باطل سے ڈھک چکے تھے۔ اب ایک سادہ، بے رنگ، ہر قسم کے نقش و نگار سے معّرا ورق درکار تھا جس پر طغرائے حق لکھا جائے یہ صرف حجاز کا صحرائے ویران تھا۔ جو تمدّن اور عمران کے داغ سے کبھی داغدار نہیں ہوتا تھا۔"(10)

مؤرخانہ شعور:

علامہ شبلی، میں مؤرخانہ شعور تھا۔ وہ تاریخ نگاری کے مسلمہ اصولوں سے واقفیت رکھتے تھے۔ انہوں نے مذکورہ تصنیف کو اس وقت رائج ہونے والے جدید اصولوں کے مطابق تصنیف کیا۔ انہوں نے واقعاتِ سیرت کے بیان میں مؤرخانہ اسلوب اپنایا۔

علامہ شبلی غزوہء بدر کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے رقم طراز ہیں" مغربی مؤرخین کو جن کے نزدیک عالم اسباب میں جو کچھ ہے، اسبابِ ظاہری کے نتائج ہیں، حیرت ہے کہ تین سو پیدل آدمیوں نے ایک ہزار پر جن میں سو سواروں کا رسالہ تھا، کیونکر فتح پائی لیکن تائید آسمانی نے بارہا ایسے حیرت انگیز مناظر دکھائے ہیں۔ تاہم اس واقعہ میں ظاہر بینوں کے اطمینان کے سامان بھی موجود ہیں۔ اول تو قریش میں باہم اتفاق نہ تھا۔ عتبہ سردارِ لشکر لڑنے پر راضی نہ تھا۔ زہرہ کے لوگ بدر تک آکر واپس چلے گئے۔ پانی برسنے سے موقع جنگ کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ قریش جہاں صف آرا تھے وہاں کیچڑ اور دلدل کی وجہ سے چلنا پھرنا مشکل تھا۔ قریش مرعوب ہوکر اسلامی فوج کا تخمینہ غلط کر رہے تھے یعنی اپنی تعداد سے دگنا۔"(11)

حواشی و حوالہ جات کا اندراج:

اس وقت کتابوں میں حوالہ جات لکھنے کا رجحان نہیں تھا۔ سیرت النبی میں حواشی اور کتابوں کے حوالہ جات جابجا نظر آتے ہیں۔ اردو ادب میں جب حواشی و حوالہ جات لکھنے کا آغاز ہوا تو اسی صفحے کے آخر میں لکھنے کا رواج ہوا۔ عصرِ حاضر میں حواشی و حوالہ جات مضمون یا کتاب کے آخر میں لکھے جاتے

ہیں۔ حواشی وحوالے کی مثال ملاحظہ کیجیے: 0 یہ تمام تفصیلات طبقات ابن سعد میں ہیں۔ بعض مؤرخوں نے اس ہجرت ثانیہ کا ذکر نہیں کیا۔ اور بعض نے نہایت اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔زرقانی بر مواہب جلد اول ذکر ہجرتِ ثانیہ حبش۔(12)

حضرت عبدالمطلب اوران کی عمرمبارک:

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے داداجان عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو خاص باتیں علامہ شبلی نے درج کی ہیں وہ یہ ہیں۔علامہ شبلی نقل کرتے ہیں کہ ”اس نے قریباً آٹھ برس تک مدینہ میں پرورش پائی، ہاشم کے بھائی جن کا نام مطّلب تھا، اُن کو یہ حالات معلوم ہوئے تو فوراً مدینہ روانہ ہوئے وہاں پہنچ کر بھتیجے کی جستجو کی، سلمٰی نے اُن کے آنے کا حال سنا تو بلوا بھیجا۔ تین دن مہمان رہے۔ چوتھے دن شیبہ کو ساتھ لے کر مکّہ معظمہ روانہ ہوئے،اُن کی عمر آٹھ برس کی تھی، یہاں آکر ان کا نام عبد المطّلب پڑ گیا۔“(13)(شبلی، جلد اول، ص:159)جب کہ ابن اثیر نے لکھاہے کہ ”مدینہ میں سلمٰی کے بطن سے شیبہ بن ہاشم پیدا ہوئے اور وہیں ننہیال میں سات برس تک رہے۔“(14) ابن اثیر،الکامل فی التاریخ،اردو،(کراچی، قرطاس،جون 2015ء)جلد2،ص: 25-26

علامہ شبلی نے لکھاہے کہ ”عبد المطلب کے دس بیٹے مختلف ازواج سے تھے۔ ان میں سے آنحضرت ﷺ کے والد اور ابو طالب ماں جائے بھائی تھے۔“(15) شبلی،جلد اول،ص:168

علامہ شبلی نے عبد المطلب کی عمر بیاسی برس لکھی ہے۔وہ لکھتے ہیں ”عبد المطلب نے بیاسی برس کی عمر میں وفات پائی۔“(16)(شبلی،جلد اول،ص:168) قاضی منصور پوری نے بھی یہی لکھاہے کہ ”عبد المطلب نے بیاسی برس کی عمر میں وفات پائی۔“(17)منصور پوری، سلیمان سلمان، قاضی، رحمۃ للعالمین، دار الاشاعت، کراچی، 1411ھ / 1995ء، جلد اول، ص: 45)جب کہ ابو النعیم احمد اصفہانی واقدی کے حوالے سے لکھاہے ”عبد المطلب نے ایک سو دس یا آٹھ سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے جان جاں آفرین کے حوالہ کی۔“(18) (اصفہانی،ابو النعیم احمد / مترجم قاری محمد طیب، نقشبندی ،دلائل النبوۃ، اردو، ضیاء القرآن پبلی کیشنز،لاہور ،جولائی 1999ء،ص:148)ہم شبلی کے قول ”عبد المطلب نے بیاسی برس کی عمر میں وفات پائی۔“کو مختار مانتے ہیں۔

اسلام ابی طالب:

علامہ شبلی مذکورہ تصنیف میں "اسلام ابی طالب" کے متعلق رقم طراز ہیں ابنِ اسحاق کی روایت ہے کہ مرتے وقت ابو طالب کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ حضرت عباس نے کان لگا کر سنا تو آنحضرت ﷺ سے کہا "تم نے جس کلمہ کے لیے کہا تھا ابو طالب وہی کہہ رہے ہیں" اس بنا پر ابو طالب کے اسلام کے متعلّق اختلاف ہے۔ لیکن چونکہ بخاری کی روایت عموماً صحیح تر مانی جاتی ہے اس لیے محدّثین زیادہ تر اُن کے کفر ہی کے قائل ہیں۔ لیکن محدّثانہ حیثیت سے بخاری کی یہ روایت چنداں قابل حجّت نہیں کہ اخیر راوی مسیّب ہیں جو فتحِ مکّہ میں اسلام لائے۔ اور ابو طالب کی وفات کے وقت موجود نہ تھے۔ اسی بنا پر علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ "روایت مُرسل ہے۔" ابنِ اسحاق کے سلسلہ روایت میں عباس بن عبد اللہ بن معبد اور حضرت عبد اللہ بن عباس ہیں۔ یہ دونوں ثقہ ہیں۔ لیکن بیچ کا ایک راوی یہاں رہ گیا ہے۔ اس بنا پر دونوں روایتوں میں درجہ استناد میں چنداں فرق نہیں۔ ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کے لیے جو جاں نثاریاں کیں اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ وہ اپنے جگر گوشوں تک کو آپ ﷺ پر نثار کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی محبت میں تمام عرب کو اپنا دشمن بنا لیا۔ آپ ﷺ کی خاطر محصور ہوئے، فاقے اٹھائے، شہر سے نکالے گئے۔ تین تین برس تک آب و دانہ بند رہا۔ کیا یہ محبت، یہ جوش، یہ جان نثاریاں سب ضائع جائیں گی؟

ابو طالب، آنحضرت ﷺ سے پینتیس برس عمر میں بڑے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو اُن سے نہایت محبت تھی۔ ایک دفعہ وہ بیمار پڑے۔ آنحضرت ﷺ اُن کی عیادت کے لیے گئے تو انہوں نے کہا "بھتیجے! جس خدا نے تجھ کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اس سے دعا نہیں مانگتا کہ مجھ کو اچھا کر دے؟ آپ ﷺ نے دعا کی اور وہ اچھے ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ سے کہا "خدا تیرا کہنا مانتا ہے" آپ ﷺ نے فرمایا کہ "آپ بھی اگر خدا کا کہنا مانیں تو وہ بھی آپ کا کہنا مانے۔" (13)

علامہ شبلی نے "اسلام ابی طالب" کے موضوع پر جو لکھا ہے۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ابو طالب، مؤمن تھے۔ ابو طالب کے متعلق ایسا نظریہ سنی مکاتب کے محققین و محدثین و مورخین میں بہت کم دیکھنے میں آیا ہے۔ ہمارے ہاں، جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری، پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج، اور باحیات لوگوں میں ڈاکٹر محمد طاہر القادری اور ڈاکٹر شاکر حسین خان نرم گوشہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔

اس سلسلے میں ماہنامہ بشار، کراچی، کا یہ اقتباس بڑی اہمیت کا حامل ہے ملاحظہ کیجیے ”جناب ابو طالب کے ایمان و عدم ایمان کے بارے میں اہل سنت کے علماء کے مابین دو طرح کی آراء موجود ہیں۔ جمہور علمائے اہل سنت عدم ایمان کے قائل ہیں۔ جو ایمان کے قائل ہیں یا قائل نہیں ان میں سے کسی ایک پر کفر و فسق یا گمراہی کا قول کرنا نظریات اہل سنت کے خلاف ہے۔“(14)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد کے متعلق روایت:

رسول اکرم ﷺ کا جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا اس وقت اُن کے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ البتہ ان کے چچا حیات تھے۔ علامہ شبلی رقم طراز ہیں ”حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے پاس شادی کا پیغام بھیجا۔ اُن کے والد کا انتقال ہو چکا تھا لیکن اُن کے چچا عمرو بن اسد زندہ تھے۔ عرب میں عورتوں کو یہ آزادی حاصل تھی کہ شادی بیاہ کے متعلق خود گفتگو کر سکتی تھیں اور اُس میں بالغہ نابالغہ کی قید نہ تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے چچا کے ہوتے ہوئے خود سارے مراتب طے کیئے تاریخ معیّن پر ابو طالب اور تمام رؤسائے خاندان جن میں حضرت حمزہ بھی تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر آئے۔ ابو طالب نے خطبہ ء نکاح پڑھا اور پانسو طلائی درہم مہر قرار پایا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد زندہ تھے۔ اور ان کی موجودگی میں نکاح ہوا لیکن شراب میں مخمور تھے۔ جب ہوش میں آئے تو نکاح کا حال سن کے برہم ہوئے کہ یہ برابر کا جوڑ نہیں۔ لیکن یہ روایت صحیح نہیں، امام سہیلی نے بہ تصریح اور بدلیل ثابت کیا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد جنگِ فِجار سے قبل انتقال فرما چکے تھے۔“(15)

علامہ شبلی کا یہ کہنا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد کا پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا درست معلوم ہوتا ہے۔ البتہ انہوں نے نکاح کی تقریب کے شُرکاء میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا کی شرکت کا ذکر نہیں کیا۔ جیسا کہ ابنِ اثیر نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ "جنہوں نے بی بی خدیجہ کی شادی کی تھی وہ ان کے چچا عمرو بن اسد تھے۔(16)

مغازی اور سیرت میں فرق:

علامہ شبلی نے اپنی کتاب ”سیرت النبی ﷺ“ جلد اول کے اختتام پر ” غزوات پر دوبارہ نظر “ کے عنوان کے تحت، چند ضروری اور اہم اصطلاحات کی بھی وضاحت کی ہے۔ وہ ”مغازی اور سیرت کا

فرق" تحریر کرتے ہیں کتب سیر میں کثرت اور اہمیت دونوں حیثیتوں سے جو واقعات زیادہ تر نمایاں ہیں، صرف غزوات ہیں، اگر صرف تصانیفِ سیرت کو پیش نظر رکھا جائے تو نظر آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تمام تر سوانح عمری، غزاوت ہی کا نام ہے چناں چہ پہلے سیرت پر جو کتابیں لکھی گئیں وہ سیرت نہیں بلکہ مغازی ہی کے نام سے مشہور ہیں۔ مثلاً مغازی ابن عقبہ، مغازی ابن اسحٰق، مغازی واقدی، یہ اندازِ تحریر آج تک چلا آیا۔ اس لیے اگر طرز بالکل بدل جائے تو جو شخص کوئی قدیم تصنیف پہلے پڑھ چکا ہو گا وہ اس جدید تصنیف کو پڑھ کر سمجھے گا کہ سیرت کے بجائے کوئی اور چیز پڑھ رہا ہے۔(17)

لفظ،غنیمت، کی تحقیق:

علامہ شبلی رقم طراز ہیں"ابو علی قالی نے کتاب: الامالی (جلد اول)، میں لکھا ہے، وَذٰلِكَ اَنَّهُم كانوا لكوهون ان تتوالى عليهم ثلاثة اشهرلاتمكنهم الاغارة فيهاآلان معاشهم كان مِنَ الاغارة"(یہ اس لیے کہ وہ ناپسند کرتے تھے کہ اُن پر تین ماہ متواتر اس طرح گزر جائیں کہ ان میں وہ غارت گری نہ کر سکیں کیوں کہ ان کی معاش کا ذریعہ یہی تھا۔)

چوں کہ لوٹ میں زیادہ تر بکریا ہاتھ آتی تھیں اور بکری کو عربی میں "غنم" کہتے ہیں۔ اس لیے لوٹ کے مال کو عربی میں "غنیمت" کہنے لگے۔ اس لفظ نے پھر یہ وسعت حاصل کی کہ قیصر و کسریٰ کا تاج و تخت لُٹ آیا اسی نام سے پکارا گیا۔ رفتہ رفتہ یہی لفظ عربی، قوم زبان، عربی تاریخ کا سب سے زیادہ محبوب، سب سے زیادہ نمایاں، سب سے زیادہ وسیع الاثر لفظ بن گیا، آج بھی ایک سلطان، ایک رئیس، ایک شیخ القبائل اپنے عزیز و قارب کو سفر کے وقت رخصت کرتا ہے تو کہتا ہے: سَالِماً غَانِماً، یعنی سلامت آنا اور لوُٹ کر لانا۔"ہماری زبان میں سب سے عزیز چیز کو جو "غنیمت" کہتے ہیں (مثلاً آپ کا تشریف لانا نہایت غنیمت ہے) یہ وہی لفظ ہے اور عربی زبان سے آیا ہے۔"(18)

ثار کا عقیدہ:

علامہ شبلی، ثار کے عقیدہ کے متعلق لکھتے ہیں لڑائی کا اصلی ابتدائی سبب یہ تھا لیکن جب یہ سلسلہ چھڑا تو اور اور اسباب بھی پیدا ہو گئے۔ اور یہ اسباب اہمیت اور وسعت کے لحاظ سے اصلی سبب سے کم نہ تھے۔ ان میں سب سے مقدم اور شدید الاثر، ثار کا قانون تھا۔ یعنی جب کسی قبیلہ کا کوئی شخص کسی موقع پر قتل ہو جاتا تھا تو مقتول کے قبیلہ کو اس کا انتقام لینا فرض ہو جاتا تھا۔ گویا سینکڑوں برس گزر جاتے تھے

اور قاتل بلکہ اس کے خاندان کا نام ونشان مٹ جاتا تھا۔ تاہم جب تک قاتل کے قبیلے کے ایک آدمی کو قتل نہیں کرلیتا تھا قومی فرض سے ادا نہیں ہوسکتا تھا۔ اسی کو ثار کہتے ہیں اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ایک معمولی قتل پر سینکڑوں بلکہ ہزاروں برس تک مسلسل لڑائیاں قائم ہوجاتی تھیں۔ اسی طریقہ کے ابطال کا آنحضرت صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے حجۃ الوداع میں اعلان کیا تھا اور اپنے قبیلہ کے قاتلوں کا خون معاف کردیا تھا۔ لیکن صحرانشین عربوں میں آج تک یہ طریقہ قائم ہے اور ان کے قومی خصائص کا جزوِاعظم ہے۔

ثار کے متعلق عجیب عجیب قسم کے معتقدات پیدا ہوگئے تھے۔ مثلاً یہ کہ مقتول جب مرجاتا ہے تو اس کی روح پرندہ بن جاتی ہے اور جب تک اس کا انتقام نہیں لیا جاتا مقامِ قتل پر شور کرتی رہتی ہے کہ ”مجھ کو پلاؤ میں پیاسی ہوں، اس پرند کو صدیٰ یا ہامہ کہتے تھے۔“(19) ہمیں علامہ شبلی پر اعتماد ہے لیکن انہوں نے جو ”سینکڑوں بلکہ ہزاروں برس تک مسلسل لڑائیاں قائم ہوجاتی تھیں“ کی پیوندکاری کی ہے، یہ بات ہضم نہیں ہوتی۔

جہاد اور نماز:

علامہ شبلی جہاد اور نماز، کے تعلق سے ایک دلچسپ نکتہ نقل کرتے ہیں کہ ”ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جہاد میں دستور تھا کہ چڑھائیاں آتی تھیں تو تکبیر کہتے تھے اور اُتار آتا تھا تو تسبیح پڑھتے تھے۔ نماز بھی اسی اصول پر قائم کی گئی۔ یعنی سر اٹھاتے ہیں تو اللہ اکبر، اور سجدہ میں جاتے ہیں تو سبحان اللہ کہتے ہیں۔ اس روایت میں ادائے مطلب میں ذرا فرق آگیا ہے۔ جہاد کے اصول پر نماز قائم کی گئی بلکہ جہاد میں نماز کا طریقہ ملحوظ رکھا گیا ہے کیوں کہ یہ ظاہر ہے کہ نماز ابتدائے اسلام سے وجود میں آئی اور جہاد کی تاریخ ہجرت کے بعد شروع ہوتی ہے۔ بہرحال اس روایت سے اس قدر قطعی ثابت ہوتا ہے کہ نماز اور جہاد دونوں میں ایسی مشابہت تھی کہ ایک کو اصل اور دوسری کو اس کی نقل سمجھتے تھے۔ غرض وہی جنگ جو ہر طرح کے ظلم وستم اور جہالت ووحشت کا مجموعہ تھی اسلام کی تعلیمِ ربانی نے اس کو اعلائے کلمۃ اللہ، قیامِ امن، رفعِ مفاسد، نصرتِ مظلوم اور تسبیح و تہلیل کی صورت میں بدل دیا۔“(20)

فاتح اور پیغمبر کا فرق:

علامہ شبلی، فاتح اور پیغمبر کا فرق، بڑے خوبصورت انداز میں پیش کرتے ہیں، آپ بھی ملاحظہ کیجیے ''جہاد کے معرکوں میں آپ صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے ہاتھ میں گو تیغ وسپر اور جسم مبارک پر خود و مِغفر ہوتا تھا لیکن

اس وقت بھی پیغمبر اور سپہ سالار کا فرق صاف نظر آتا تھا۔ عین اُس وقت جب معرکئہ کارِزار گرم ہے، تیروں کا مینہ برس رہا ہے، تمام میدان لالہ زار بن گیا ہے، ہاتھ اور پاؤں اس طرح کٹ کٹ کر گر رہے ہیں جس طرح موسمِ خزاں میں پتّے جھڑتے ہیں، دشمن کی فوجیں سیلاب کی طرح بڑھتی آرہی ہیں، عین اس حالت میں آنحضرت ﷺ کا دستِ دعا آسمان کی طرف بلند ہے، جنگ آور باہم نبرد آزماہیں اور سرِ مبارک سجدہء نیاز میں ہے۔ معرکئہ بدر میں حضرت علی شدّتِ جنگ میں تین بار خبر لینے آئے اور ہر دفعہ دیکھا کہ مقدّس پیشانی خاک پر ہے۔ فوجیں تیروں کا مینہ برسا رہی ہیں اور لڑائی کا فیصلہ نہیں ہوتا۔ فاتحِ بے سلاح زمین سے مٹھی بھر خاک اٹھالیتا ہے اور دشمنوں کی طرف پھینکتا ہے۔ دفعتہً فوجوں کا بادل پھٹ کر مطلع صاف ہو جاتا ہے۔

حنین میں دشمن نے دفعتہً اس زور سے حملہ کیا کہ تمام فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ بارہ ہزار آدمیوں میں سے ایک بھی پہلو میں نہیں۔ سامنے سے دس ہزار قدر انداز تیر برساتے آرہے ہیں لیکن مرکزِ حق اپنی جگہ پر قائم ہے۔ اور ایک پُر جلال آواز آرہی ہے: انا النبی لاکذب، میں پیغمبر ہوں اور جھوٹا پیغمبر نہیں ہوں۔(21) ملاحظہ کیا آپ نے کہ علامہ شبلی نے کتنی اچھی منظر کشی کی ہے۔ سبحان اللہ، اور کتنے اچھے انداز میں فاتح اور پیغمبر کا فرق، دلآویز الفاظ میں سپردِ قلم کیا۔

خلاصہء بحث:

مذکورہ حوالوں سے ثابت ہوا کے علامہ شبلی نعمانی نے اپنی تصنیف "سیرت النبی ﷺ" میں جناب رسول خدا، محمد رسول اللہ ﷺ کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھا ہے اور تحقیقی اسلوب اپنایا جہاں کہیں روایتوں اور تاریخی واقعات میں کسی قسم کا جھول، تضاد واختلاف پایا تو تحقیق سے درست واقعے کی نشاندہی کی۔ نیز منظر کشی کرتے وقت شان رسالت کا خیال کرتے ہوئے خوبصورت، حسین، دلکش، دلربا، دلآویز، الفاظ کا انتخاب کیا۔ ڈاکٹر نثار احمد سابق چئیر میں شعبہ تاریخ اسلامی جامعہ کراچی، علامہ شبلی کی تصنیف "سیرت النبی ﷺ" کے بارے میں لکھتے ہیں "اردو سیرت نگاری کے باب میں وہ ایک بڑا سنگِ میل تھا جو علام العلامٓ مولانا شبلی نے عبور کیا۔(22) حامد حسن قادری رقم طراز ہیں "اردو با اصول محقق اور مکمل سیرت لکھنے کی سعادت علامہ شبلی کے حصہ میں آئی اور سچ یہ ہے کہ ایسی جامع سیرت دنیا کی کسی زبان میں موجود نہیں۔"(23) علامہ شبلی نے تحقیقی اسلوب اپنایا اور اپنے صاحب طرزِ

ادیب ، انشاء پرداز ہونے کا ثبوت پیش کیا۔ بلاشبہ علامہ شبلی نعمانی کی تصنیف "سیرت النبی ﷺ" کو اردوادب کی بہترین کتاب ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

جامعہ کراچی کے محقق، ڈاکٹر شاکر حسین خان، اپنے تحقیقی مقالہ باعنوان "جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری کی علمی و دینی خدمات" برائے پی ایچ ڈی میں رقم طراز ہیں "جہاں تک (جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری کی) ضیاء النبی اور شبلی کی سیرت النبی کے تقابل کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں شبلی کی تالیف اپنی متعدد خامیوں کے باوجود ضیا النبی پر حاوی نظر آتی ہے۔ ضیاء النبی کے آنے سے، سیرت النبی (شبلی) پر کوئی اثر نہیں پڑا اس کو اردو ادب میں جو اہمیت و مقام حاصل تھا وہ برقرار ہے۔"(24)

حوالہ جات وتعلیقات

1.https://ur.wikipedia.org/wiki/%D8%B4%D8%A8%D9%84%DB%8C_%D9%86%D8%B9%D9%85%D8%A7%D9%86%DB%8C

2۔غازی، محمود احمد،ڈاکٹر، محاضراتِ سیرت، ستمبر2012ء،لاہور، الفیصل ناشران، ستمبر2012ء، طبع چہارم، صفحہ: 16

3.https://ur.wikipedia.org/wiki/%D8%B3%DB%8C%D8%B1%D8%AA_%D9%86%D8%A8%D9%88%DB%8

4۔ نعمانی، علامہ شبلی، سیرۃُ النبی، جلد اول،1985ء لاہور، نیشنل بک فاؤنڈیشن پاکستان، طبع سوم، ص:170-171

5۔ نعمانی، سیرۃُ النبی، جلد اول، ص:172

6۔ نعمانی، سیرۃُ النبی، جلد اول،، ص:163

7۔ نعمانی، سیرۃُ النبی، جلد اول، ص:244

8۔ الازہری، محمد کرم شاہ، پیر، ضیاء النبی، جلد سوم،1420ھ، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ص:112

9۔ نعمانی، علامہ شبلی، سیرۃُ النبی، جلد دوم،1974ء، اعظم گڑھ، معارف پریس، طبع دہم، ص:162

10۔ نعمانی، سیرۃُ النبی، جلد اول، ص:147

11۔ نعمانی، سیرۃُ النبی، جلد اول، ص:305-306

12۔ نعمانی، سیرۃُ النبی، جلد اول، ص:230

13۔ نعمانی، سیرۃُ النبی، جلد اول، ص:234-235

14۔ ماہنامہ بشار، کراچی، جنوری تا مارچ (خصوصی شمارہ) 2021ء، ص:87

15۔ نعمانی، سیرۃُ النبی، جلد اول، ص:178-179

16۔ نعمانی، سیرۃُ النبی، جلد اول، ص:543

17۔ ابنِ اثیر، عزالدین ابی الحسن علی، الکامل فی التاریخ، مترجم: مقصود علی خیر آبادی، جون2015ء، کراچی، قرطاس، ص:54

18۔ ایضاً نعمانی، سیرۃُ النبی، جلد اول، ص:544-545

19۔ نعمانی، سیرۃُ النبی، جلد اول، ص:546

20۔ نعمانی، سیرۃُ النبی، جلد اول،، ص:587-588

21۔ نعمانی، سیرۃُ النبی، جلد اول، ص588-589

22۔ نثار احمد، ڈاکٹر، "حضرت مولانا پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ کی کتاب ضیاء النبی پر ایک نظر"، مشمولہ: ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، (ضیاء الامت نمبر)، اپریل / مئی1999ء، ص:240

23۔ قادری، حامد حسن، داستان تاریخ اردو،1988ء، اردو اکیڈمی سندھ، ص:855

24۔ خان، شاکر حسین، پیر محمد کرم شاہ الازہری کی علمی ودینی خدمات، شعبہ علومِ اسلامی، جامعہ کراچی، ایوارڈ،2008ء، ص299

"الفیض النبوی"

ایک تجزیاتی مطالعہ

توفیق احسن برکاتی

"الفیض النبوی" کا موضوع علوم حدیث سے ہے اور اس کے مصنف بارہویں صدی ہجری کے گجراتی عالم و محدث شیخ عمر بن محمد عارف نہروالی [فتنی، گجراتی، مدنی] ہیں۔ آپ ایک جید عالم دین، باکمال محدث اور دین حق کے مخلص داعی و سرگرم رکن تھے۔ "الفیض النبوی" کے علاوہ ان کی دو اور عربی کتابوں کا پتا چلتا ہے ایک علم حدیث میں "مشرع العطشان" [جو ۱۱۲۶ھ کی تصنیف ہے] اور دوسری "منهل الصائمین و معراج المخلصین" [یہ ۱۱۷۷ھ کی تصنیف ہے]۔ ان دو کتابوں کے سنہ تالیف سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف ۱۱۷۷ھ میں باحیات تھے، لیکن ان کا سنہ وفات کیا ہے؟ اور کس سنہ میں ان کی پیدائش ہے؟ تاریخ و تذکرہ کی کتابیں ان کے حتمی بیان سے بالکل خالی ہیں۔ خود ان کا چند سطری تذکرہ اگر کہیں ہے بھی تو تشنہ سا۔ یعنی علمی دنیا کو نہ ان کی کتابوں کی کوئی اطلاع ہے نہ احوال کی۔ خدا بھلا کرے گجراتی عالم دین اور جامعہ اشرفیہ کے فاضل مولانا محمد نظام الدین مصباحی کا کہ جب انھیں برطانیہ کی ایک لائبریری میں "الفیض النبوی" کے قلمی نسخے کی خبر ملی تو انھوں نے اسلاف کے علمی سرمایے کو تحفظ فراہم کرنے کی نیت سے نہ صرف اس کا عکس حاصل کیا بلکہ استاذ گرامی مولانا نفیس احمد مصباحی دام ظلہ العالی [استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور] سے گزارش کی کہ وہ اس کتاب کی تحقیق و تدوین

کر دیں اور پھر شایان شان اس کی طباعت واشاعت کی جائے۔ اللہ کا کرم ہوا کہ حضرت استاذی الکریم کی تحقیق وتدوین اور تقدیم وتعلیق کے ساتھ یہ علمی و تحقیق سرمایہ بہ حفاظت ہم تک پہنچ چکا ہے اور گردشِ دوراں کے تھپیڑوں کے مظالم سہنے اور دیمکوں کا لقمہ تر بننے سے محفوظ ومامون ہو گیا۔ اس کے لیے مولانا محمد نظام الدین مصباحی، جماعت رضاے مصطفی [برطانیہ] کے تمام ارکان ومعاونین اور محقق وحاشیہ نگار سب قابل مبارک باد ہیں۔

" مولانا نفیس احمد مصباحی" کا شمار عربی اور اردو زبان وادب کے ان باکمال ماہرین اور تحقیق وتدوین کے رجالِ کار میں ہوتا ہے جن کی تحریروں میں قدیم وجدید کی ہم آہنگی اور عصری ادبیات کے مطالعے کا گہرا شعور نظر آتا ہے۔ سنجید گی، بر جستگی، شگفتگی اور ادبی ولسانی آہنگ سے مالامال علمی اور ادبی مضامین میں جو نفاست ملتی ہے وہ انھیں اَوروں سے ممتاز کرتی ہے۔ ان کی علمی، ادبی، نصابی، تاریخی اور سوانحی تصانیف میں ایک خاص قسم کا استدلالی اسلوب دکھائی دیتا ہے جو ان کے قلم کا نقش دلوں پر جما دیتا ہے اور فکر وذہن کے مختلف دریچے وَا ہوتے ہیں۔

انھوں نے اپنے باکمال اساتذہ بالخصوص صدرالعلما علامہ محمد احمد مصباحی مدظلہ العالی سے تحقیق وتدوین کا ڈھنگ سیکھا ہے اور ان کے لسانی وادبی جمالیات سے بھی حظ وافر پایا ہے۔ وہ سخن فہم بھی ہے اور سخن ساز بھی، نام کی طرح ان کا اسلوبِ نگارش بھی نفیس اور شستہ ہے، روانی اور بے ساختگی ان تحریروں کا حسن ہے۔ اس دعوے کی دلیل وہ تمام مضامین اور کتابیں ہیں جو ان کے قلم زر نگار سے منصہ شہود پر جلوہ ہوئیں اور اربابِ ذوق کے مطالعہ کی میز تک پہنچیں۔

راقم الحروف اس تحریر سے قبل عربی ادب وانشا پر مشتمل ان کی کتاب "مصباح الانشاء" [تین حصے] پر اظہار خیال کر چکا ہے۔ اس وقت ان کی بالکل تازہ کتاب "الفیض النبوی" مطالعہ کی میز پر ہے، جو جماعت رضاے مصطفیٰ [برطانیہ] اور روضۃ الکتاب العربی [بیروت لبنان] سے ایک ساتھ شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب سے قبل فاضل محقق نے معروف گجراتی عالم دین شیخ وجیہ الدین علوی ﷺ کی عربی کتاب "شرح نزھۃ النظر" کی تحقیق وتعلیق اور تحشیہ کا گراں بہا کارنامہ انجام دیا تھا، جو ہند وبیروت سے طبع ہو چکی ہے۔ "بردۂ مدحت" اور "کشفِ بردہ" کے نام سے انھوں نے امام شرف الدین بوصیری علیہ الرحمہ کے مشہورِ زمانہ "قصیدۂ بردہ" کے سلیس، شگفتہ اور ادبی ترجمہ وتشریح پر مشتمل مختصر ومبسوط دو

علمی اور ادبی کتابیں لکھیں جس میں اشعار کے معنی و مفہوم کے ساتھ محاسن شعر پر جو عالمانہ وفاضلانہ دل چسپ حقائق پیش کیے ہیں وہ نگاہوں کو حسنِ دیدہ زیبی اور دلوں کو حسنِ معرفت عطا کرتے ہیں۔ ان کی دوسری کتابوں میں "كافية النحو" [عربی]، "ميزان المتنبي شرح ديوان المتنبي" [عربی]، "تعريف موجز بالجامعة الأشرفية" [عربی]، اصول حدیث [اردو]، مشائخ نقش بندیہ [اردو]، امام احمد رضا اور عربی زبان وادب [اردو] قابل ذکر ہیں۔ عربی سے اردو، اردو سے عربی تراجم بھی ایک درجن کے قریب ہیں۔ دیگر عربی، اردو مضامین ومقالات ان کے سوا ہیں۔

"الفیض النبوی" اب تک غیر مطبوعہ تھی، اس کا صرف ایک خطی نسخہ برطانیہ کی ایک لائبریری میں موجود ہے جو مجموعی طور پر تین سو تیرہ صفحات پر مشتمل ہے، ہر صفحے میں پندرہ سطریں اور ہر سطر میں تقریباً پندرہ الفاظ ہیں۔ لیکن یہ نسخہ کس نے تیار کیا اور کس سنہ میں نقل کیا؟ اس کا کوئی سراغ نہ ابتدا میں ہے نہ آخر میں نہ درمیانی صفحات میں کہیں۔

مجموعی طور پر یہ کتاب علوم حدیث کے مباحث کا احاطہ کرتی ہے۔ اس مطبوعہ نسخے میں سابقہ اور لاحقہ کو چھوڑ کر ۴۵۱ صفحات ہیں، ۲۵۰ صفحات میں علوم حدیث کے مبسوط اور دل چسپ مضامین اور بقیہ ۲۰۱ صفحات میں احادیثِ بخاری کی شرح ہے۔ تقریباً ۷۰ صفحات میں محقق موصوف کا مبسوط علمی اور تحقیقی مقدمہ ہے۔ ابتدا میں مولانا محمد نظام الدین مصباحی نے "عرض ناشر"، صدر العلما علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی نے "اعترافیہ" اور ڈاکٹر محمد ابراہیم مصباحی نے ۹ر صفحات میں محقق ومحشی مولانا نفیس احمد مصباحی کا تفصیلی سوانحی تذکرہ قلم بند کیا ہے۔ اخیر کے ساڑھے آٹھ صفحے میں کتابیات کے ذیل میں انہتر [۶۹] کتابوں کا ذکر ہے اور چونتیس صفحے [۳۴] میں تفصیلی فہرست دی گئی ہے۔ جب کہ پوری کتاب ۶۱۲ر صفحات پر مشتمل ہے۔

فاضل محقق نے اس خطی نسخے کی کماحقہ تحقیق فرمائی ہے، نقل وکتابت میں جو نحوی، صرفی اَغلاط راہ پاگئی تھیں انھیں صحت بخشی ہے، تاریخ وتذکرہ اور علم حدیث وفقہ کی رو سے جو باتیں خلافِ واقعہ درج تھیں ان کی تصحیح کی ہے، حاشیہ میں ضرورت بھر لغوی تحقیقات اور تعلیقات بھی مرقوم ہیں۔ کماحقہ تحقیق کا مطلب ہے: دورانِ تحقیق ان مراجع ومصادر کو کھنگالنا جن سے مصنف نے استفادہ کیا ہے۔ اس کتاب کی تحقیق میں فاضل محقق نے یہی کیا ہے اور جہاں ترمیمات تھیں حاشیہ میں دیانت داری کے

ساتھ انھیں ذکر بھی کر دیا ہے۔ صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں:

''ولو لا هٰذا البحث والفحص والتصويب لكان كثير من عبارات الكتاب مَجهَلة ومَضَلّة للناشئين، وأضحوكة وأعجوبة للباحثين وألغازاً وأحاجي لعامة القارئين.''

(الفیض النبوی، ص:۱۱)

[یعنی اِس مطبوعہ کتاب میں اگر تلاش و تفحص اور اصلاحِ زبان وبیان کا یہ رنگ نہیں ہوتا تو اصل کتاب کی بہت سے عبارتیں انشاپردازوں کے لیے جہل آمیز اور گمراہ کن، محققین کے لیے مضحکہ خیز اور حیران کن اور عام قارئین کے لیے سراپا چیستان اور پہیلی معلوم ہوتیں۔]

تحقیق و تخریج اور تصویب و تدوین کے علاوہ محقق موصوف نے تعلیقات میں گراں قدر افادات تحریر کیے ہیں اور اپنے علم و تحقیق اور ادبی وفنی شان کا خوب خوب مظاہرہ کیا ہے، جس نے اس کتاب کو بین الاقوامی علمی و تحقیقی سرمایہ کی حیثیت بخش دی ہے اور اس کے اعتبار واستناد میں اضافہ ہوا ہے۔

مقدمہ کتاب میں مولانا نفیس احمد مصباحی نے علوم حدیث کے مختلف علمی وفنی مباحث کو جگہ دی ہے اور پوری فنی واصولی نزاکتوں اور علمی وادبی طمطراق کے ساتھ حقائق پیش کیے ہیں، ساتھ ہی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ، صحیح بخاری کی علمی حیثیت، شروح بخاری کی تفصیل، صاحبِ کتاب کا تذکرہ اور الفیض النبوی کا تعارف بڑے نفیس انداز میں کرایا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ مقدمہ ایک مستقل رسالے کی شکل اختیار کر گیا ہے۔

مقدمے کا آغاز علوم حدیث کی تاریخ سے ہوتا ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ علوم حدیث کس قدر متنوع اور کثیر ہیں؟ ان کی حتمی تعداد کیا ہے؟ اس سلسلے میں علما و محدثین مختلف الرائے ہیں لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ علوم حدیث بنیادی طور پر دو خاص علم میں منقسم ہے: (۱) علم حدیث بہ اعتبارِ روایت (۲) علم حدیث بہ اعتبارِ درایت۔

روایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل یا تقریر یا صفت حتی کہ حرکات و سکنات پر مشتمل بیانات کے نقل سے متعلق ہوتی ہے اور درایت میں راوی اور مروی عنہ سے احوال سے آگاہی حاصل کی جاتی ہے۔ درایت میں رجال الحدیث اور مصطلحات الحدیث خاص طور پر بحث کا حصہ بنتے ہیں اس لیے مقدمہ نگار نے علوم حدیث کی تاریخ کو آسانی کے لیے تین زمروں میں بانٹا ہے۔ (۱) روایت کے اعتبار سے علم

حدیث کی تاریخ،(۲) علم رجال حدیث کی تاریخ(۳) اصطلاحات حدیث کی تاریخ۔ تاریخ علم حدیث کی ضمن میں تدوینِ حدیث کی تفصیل دی گئی ہے۔ مقدمہ نگار نے تدوین حدیث کے تین طریقے بیان کیے ہیں: پہلا طریقہ انفرادی تدوین کا[یہ سلسلہ عہد نبوی میں شروع ہو چکا تھا۔]، دوسرا اجتماعی تدوین کا[یہ سلسلہ تابعین کرام کے عہد وسطیٰ میں شروع ہوا۔] اور تیسرا علمی انداز میں کتب احادیث کی تصنیف۔ [یہ کام تابعین کے دورِ اخیر میں باضابطہ شروع ہوا جس میں کبار تبع تابعین بھی شامل رہے۔]اِس جگہ علمی اور تاریخی انداز میں کتب احادیث کی تصنیف وترتیت کا مرحلہ وار تاریخی جائزہ لیا گیا ہے جس کے مطالعے سے بہت سی تاریخی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے اور تدوین حدیث کے ذیل میں پھیلائی گئی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری ﷺ کے تذکرے میں مستند ماخذ کی روشنی میں ان کا نام ونسب، پیدائش، نشو ونما، خاندانی پس منظر، تعلیم و تعلم،اسفارِ علمیہ، قوت حافظہ، طلب علم کا شوقِ فراواں، عبادت وریاضت اور زہد وتقویٰ، تلامذہ، ان کا علمی مقام اور ان کی وفات پر معتد بہ مواد پڑھنے کو ملتا ہے، پھر صحیح بخاری کے علمی مقام ومرتبے، امام بخاری کے مشائخ حدیث، رجال بخاری، مابین العلما صحیح بخاری کا مقام قبول، شروح وتعلیقات بخاری کے ذیل میں ۸۴ کتب کا مختصر ومفصل تذکرہ تحریر کیا گیا ہے۔ اردو زبان میں جن ہندستانی علما و محققین نے صحیح بخاری کی شرح تحریر کی ان میں صدرالعلما علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی کی ”بشیر القاری بشرح صحیح البخاری“، محدث کبیر علامہ سید محمد محمود کی ”فیوض الباری“، مفتی محمد شریف الحق امجدی ”نزهة القاری“، علامہ غلام رسول رضوی فیصل آبادی کی ”تفهیم البخاری“ اور علامہ غلام رسول سعیدی کی ”نعمة الباری“ کا ذرا تفصیلی تعارف کرایا گیا ہے۔ اس کے بعد الفیض النبوی اور اس کے مصنف کا ذکر جمیل ہے۔

محدث گجرات شیخ عمر بن محمد نہروالی مدنی علیہ الرحمہ نے اپنی اس کتاب کو ایک مقدمہ، مقاصد اور خاتمہ پر تقسیم کیا ہے۔ مقدمہ میں اصول حدیث کی اصطلاحوں کا بیان ہے۔ یہیں حدیثیں گھڑنے والوں کے اصناف بھی مذکور ہیں اور اسبابِ وضع بھی بیان ہوئے ہیں۔[فاضل محقق نے اسی مقام پر متن میں مندرج عبارت ”لقوله عم“ [الفیض النبوی، ص:۱۷۷] پر دو صفحے میں بے حد معلوماتی حاشیہ تحریر کیا ہے اور مختلف دلائل وشواہد کی روشنی میں یہ واضح فرمایا ہے کہ کلماتِ درود میں اختصار سخت ناپسندیدہ ہے، چاہے

"علیہ الصلاۃ والسلام" کے بدلے میں "عم" لکھا جائے یا "صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم" کی جگہ "صلعم"۔ یہ درودِ پاک کی حسنات وبرکات سے سخت محرومی کا سبب بھی ہے اور کتابت کا بخل بھی۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "تدریب الراوی" میں لکھا ہے کہ کلماتِ درود کی رمز یہ کتابت کرنے والے پہلے شخص کا ہاتھ تک کاٹ دیا گیا تھا۔ فقیہ اسلام امام احمد رضا قادری رحمۃ اللہ علیہ نے "السَّنِيَّة الأنيقة فی فتاوىٰ أفريقه" میں اس مسئلہ پر تحقیقی گفتگو فرمائی ہے۔

مقاصد چار ابواب پر مشتمل ہیں:

بابِ اول: اقسام حدیث کے بیان میں ہے اور اس میں تین فصلیں ہیں، فصل اول میں صحیح کا ذکر ہے، فصل دوم میں حسن اور فصل سوم میں ضعیف کا بیان ہے، ان کے سوا کچھ تمہیدی بحثیں ہیں جو مذکورہ تینوں مصطلحات سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ مباحث انتہائی کارآمد اور افادیت سے بھرپور ہیں اور ان کا مطالعہ ذہن وفکر کے نئے دریچے کھولتا ہے۔

اقسام حدیث کی تعریف کے ساتھ ان کے احکام کا بیان بھی درج ہے۔ حدیث ضعیف [جس میں صحیح وحسن کی شرطیں نہ ہوں] کے حکم سے متعلق مصنف نے تحریر فرمایا ہے:

"ويجوز عند أهل الحديث كأحمد وابن مهدى وابن المبارك وغيرهم ممن اقتفى أثرهم أو الأئمة وجمهور العلماء التساهلُ فی الأسانيد الضعيفة وروايةُ ما سوى الموضوع والشواذ من أنواع الضعيف والعملُ به من غير بيان ضعفه فی المواعظ والقصص وفضائل الأعمال، لا فی صفات الله عزوجل وفيما يجوز ويستحيل عليه، وتفسير كلامه، والأحكام كالحلال والحرام." (الفیض النبوی، ص: ۱۳۲)

اس بحث کو فاضل محقق نے حاشیہ میں علم وتحقیق کے اجالے میں اور زیادہ واضح کیا ہے، محدثین اور علماوائمہ کے اقوال بھی پیش کیے ہیں اور امام احمد رضا قادری ﷺ کے رسالہ "الهاد الكاف فی حكم الضعاف" سے ایک اہم "افادہ جلیلہ" بھی شامل کیا ہے۔ جس کا مطالعہ انتہائی مفید ہے اور چشم کشا بصیرت بھی عطا کرتا ہے۔

بابِ اول سے منسلک تین فصلوں کی جو متعلقاتی تمہید مصنف نے ذکر کی ہے اس میں کچھ باتیں ایسی ہیں جو صحیح، حسن اور تینوں میں مشترک ہیں اور کچھ ضعیف کے ساتھ خاص ہیں۔ نوعِ اول میں مسند،

متصل، مرفوع، معنعن، معلق، افراد، مدرج، مشہور، غریب، عزیز، مصحّف، مسلسل اور اعتبار جیسی اصطلاحوں کے معنی و مفہوم کو زیر بحث لایا گیا ہے اور نوعِ دوم [یعنی جو اُمور ضعیف سے مختص ہیں] میں موقوف، مقطوع، مرسل، منقطع، معضل، شاذ، معلل، مدلس، مضطرب، مقلوب، موضوع اور منکر کی تعریفیں اور احکام مذکور ہیں۔ ان میں حدیثِ موضوع کی بحثیں سولہ صفحات میں پھیلی ہوئی ہیں جس میں آٹھ صفحات میں متن اور آٹھ میں معلوماتی حاشیہ درج ہے۔ موضوع کی تعریف، اسبابِ وضع، موضوع روایت کا حکم اور موضوع شناسی میں معاون کتب وغیرہ کی تفصیل دی گئی ہیں۔

بابِ دوم: جرح وتعدیل سے متعلق ہے، اس میں دو فصلیں ہیں، پہلی فصل عدالت وضبط اور دوسری فصل جرح کے بیان میں۔ ان دونوں فصلوں میں جرح وتعدیل کا حکم، کتاب وسنت سے ان کے جوازی دلائل، عدالت وضبط کی تفسیر وتوضیح، عورت اور غلام کی تعدیل میں علما کا اختلاف، عدالت وضبط کی معرفت کے طریقے، الفاظِ تعدیل کے مراتب، حکم میں جرح وتعدیل کے مابین فرق، الفاظِ جرح کا ذکر اور ان کے مراتب، جرح وتعدیل سے متعلق قواعد وغیرہ امور مشترکہ طور پر متن اور حاشیہ میں مندرج ہیں اور بحث وتحقیق کے نئے در وَا کرتے ہیں۔ اور جن امور میں علما و محققین کا اختلاف ہے وہاں اجمالاً وہ اختلاف بھی درج ہے اور فاضل محقق نے علما کی اصل عبارتوں کو تلاش کر کے حاشیہ بند کیا ہے۔

بابِ سوم: سماعِ حدیث کی کیفیت اور ضبط وتحمل کے بیان میں۔

یہاں تحمل حدیث کے آٹھ طریقوں کو واضح کیا گیا ہے، ان میں سماع لفظ الشیخ، القراءۃ علی الشیخ من الطالب، الاجازۃ [یہاں اجازت کی بھی آٹھ صورتوں کا بیان ہے]، المناولۃ، المکاتبۃ، اعلام الشیخِ الطالبَ، الوصیۃ، الوجادۃ۔ ان آٹھ انواع سے متعلق اہم اور ضروری حقائق حاشیہ میں درج ہیں جو متن کی تشنگی بھی دور کرتے ہیں اور توضیح مطالب میں معاون بھی بنتے ہیں۔ مزید چند فوائد بھی مذکور ہیں۔

بابِ چہارم: اسماء الرجال کے بیان میں۔

اس باب میں صحابی اور تابعی کی تعریف، صحابیت وتابعیت شناسی کا طریقہ، کتاب وسنت کی روشنی میں ان کی عدالت وثقاہت کا بیان، ان کے فضائل ومناقب، ان کی تعداد اور طبقات کا بیان موجود ہے۔

متن میں صحابی کی پوری بحث محض پندرہ صفحات میں ہے لیکن فاضل محشی نے اس مقام پر بحث و تحقیق کا جو دبستان آباد کیا ہے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہاں علم و معرفت کے اجالے ہیں، شعور وآگہی کی رونق ہے اور تدبر و تفکر کی نرم خرام ہوائیں قلب پریشاں کو یقین واعتماد کی برودت تقسیم کرتی ہیں۔ یہ پورا حاشیہ چودہ صفحات میں پھیلا ہوا ہے جس میں صحابی کا لغوی واصطلاحی معنی، صحابی کی تعریف میں علما و محققین کے پانچ مختلف اقوال کا خلاصہ مستند ماخذ کی روشنی میں درج کیا گیا ہے۔ پھر حنفیہ اور شافعیہ کا اختلاف بیان ہوا ہے کہ اگر درمیان میں ارتداد حائل ہو جائے تو صحابیت کا حکم باقی رہے گا یا نہیں؟ حنفیہ کے نزدیک ”وان تخللت ردة فی الأصح“ [یعنی اگر چہ درمیان میں ارتداد آجائے] قابل قبول ہے، شافعیہ اس کا انکار کرتے ہیں۔

اس جگہ متن میں صحابیت شناسی کے پانچ طریقے مذکور ہیں: (۱) تواتر (۲) استفاضہ وشہرت (۳) کسی دوسرے صحابی کا خبر دینا (۴) ثقہ تابعی کا بتانا (۵) خود صحابی کا بتانا جب کہ وہ عادل ہو اور دعویٰ ممکن ہو۔

حاشیہ نگار نے ہر طریقے کی پوری وضاحت کی ہے اور معتمد اقوال علمائے اصول سے معتبر شواہد بھی پیش کیے ہیں۔ ”الاصابة لابن حجر العسقلانی، لسان المیزان، فتح المغیث للسخاوی، شرح شرح نخبة الفکر للقاری“ اور ”تدریب الراوی“ جیسی کتب معتبرہ سے اپنا استنادی حق متعین کیا ہے۔ یہیں یہ بحث بھی شدومد کے ساتھ اٹھائی ہے کہ تمام صحابہ عادل ہیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے کتاب وسنت کی روشنی میں ان کی عدالت کی تحقیق، امام الحرمین اور جمہور کا قول درج کیا ہے، عدالت اور عدل کا معنی ومفہوم متعین کیا ہے، مشاجراتِ صحابہ سے کف لسان اور ان کے اس قسم کے اقوال کی مناسب توجیح وتاویل تلاش کرنا واجب ہے۔ حضرت علی مرتضی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین جو اختلافی امور تھے ان کا حکم بھی بیان کیا ہے۔ پھر یہ سوال اٹھایا ہے کہ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے؟ اوراس کا شافی جواب بھی دیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقام کیا تھا اور احادیث نبویہ میں ان کے کیا مناقب بیان ہوئے ہیں؟ ان تمام حقائق کو معتبر شواہد سے واضح فرمایا ہے۔

علامہ شیخ عبدالحی لکھنوی [م: ۱۳۰۴ھ] نے اپنی کتاب ”ظفر الأمانی فی مختصر الجرجانی“ میں عدالتِ صحابہ سے متعلق ایک نفیس بحث درج کی ہے، فاضل محشی نے اس کتاب کا پندرہواں اور

سولھواں فائدہ یہاں پیش کیا ہے جس میں علامہ عبد الحی لکھنوی نے عدالتِ صحابہ کے نقد پر مشتمل چار اقوال بیان کر کے ان کا رد بلیغ کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ چاروں اقوال محققین محدثین اور اہل سنت کی دیگر جماعتوں کے نزدیک مردود ہیں، یہی جمہور اہل سنت کا بھی مذہب ہے اور ناقدین محدثین و متکلمین نے بھی اپنی کتابوں میں درج فرمایا ہے کہ تمام صحابہ عادل و ثقہ ہیں، خورد و کلاں سب، کسی فتنے میں پڑنے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی، فتنے میں داخل بھی ہوں یا نہ ہوں، کیوں کہ دلائل عقلیہ و نقلیہ ان کی عدالت کے شاہد ہیں۔ علامہ عبد الحی لکھنوی نے سولھویں فائدہ میں عدالت اور عصمت کے معنی و مفہوم کی تحقیق فرمائی ہے۔ انھوں نے ایسوں کی سخت سرزنش کی ہے جو عدالتِ صحابہ کو تسلیم کرنے میں پس و پیش کرتے ہیں۔

یہ ساری بحثیں آج کے حالات میں اور زیادہ اہم اور دور رس نتائج کی حامل ہو جاتی ہے کیوں کہ موجودہ عہد کے نام نہاد ناقدین و خود ساختہ مفکرین خلافتِ امیر معاویہ کے تعلق سے سخت کشمکش کا شکار ہیں اور بے بنیاد بحثوں میں الجھ کر معاذ اللہ ان پر بہتان تراشی اور ہجو گوئی کے مرتکب بن جاتے ہیں۔ یہ بحثیں پڑھ کر ہر مسئلہ صاف ہو جاتا ہے اور حقیقت روزِ روشن کی طرح سامنے آجاتی ہے۔ ماتن و محشی دونوں کی علمی عظمتوں کو سلام۔

درمیان میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی تابعیت کا ذکر، مدینہ منورہ کے سات فقہا کے تذکار، ان کے علاوہ اور بھی بہت سی معلومات درج ہیں۔ بابِ چہارم میں متن تقریباً بیس[۲۰] فیصد اور حاشیہ اسی [۸۰] فیصد ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حاشیہ نگار نے کس قدر محنت کی ہے اور کس قدر علم افروز باتیں شامل کی ہیں۔ یہ بات کل تیئس صفحات پر مشتمل ہے، جس میں ۴۳ سطریں متن کی ہیں بقیہ حاشیہ ہے۔ اس کے بعد اسی باب میں اصول حدیث سے متعلق کچھ ایسے مفید مسائل کا ذکر ہے جن کا جاننا علم حدیث کے ہر طالب علم کے لیے بے حد ضروری ہے۔

یاد رکھیں! علم حدیث علوم و فنون میں اپنا ایک مقام رکھتا ہے، کیوں کہ اس کا تعلق براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات، اقوال و افعال اور احوال و تذکار سے ہے۔ علم حدیث کا تعلق علوم آخرت سے ہے، جو اس کی برتری اور بزرگی کا پتا دیتا ہے۔ اسی بنیاد پر محدثین کا مقام و درجہ بھی بلند اور بے مثال ہے۔ ماتن نے سب سے پہلے یہاں محدث کی آداب شناسی کا سبق ازبر کرایا ہے، پھر طالب علم حدیث

کے آداب ذکر کیے ہیں، مختصراً اسماء الرجال پر بھی بحث کی ہے، کچھ راویانِ حدیث کے اسماء، القاب اور کنیت کی لفظی تشریح کی ہے اور ان کے درست تلفظ کو بیان کیا ہے۔

یہیں اسناد عالی ونازل کا ذکر، روایۃ الأکابر عن الأصاغر، روایۃ الآباء عن الأبناء، روایۃ الأبناء عن الآباء وغیرہ امور بھی مختصراً زیر بحث آئے ہیں۔ لیکن بیان میں خشکی کا احساس ہوتا ہے نہ تطویل لاطائل کی کیفیت نظر آتی ہے، بلکہ ایک خاص قسم کا اختصار ہے جو جامعیت سے ہم رشتہ ہے اور جہاں تشنگی رہ گئی تھی فاضل محقق وحاشیہ نگار نے بڑی عمدگی اور ادب سے اس کی بھرپائی کی ہے۔

خاتمہ میں امیر المومنین فی الحدیث امام محمد بن اسماعیل بخاری کے مناقب واحوال اور صحیح بخاری کے تعارف کی تفصیل دی گئی ہے۔ یہاں امام بخاری کے ان شیوخ واساتذہ کو پانچ طبقات میں تقسیم کیا گیا ہے جن سے امام بخاری نے حدیث کا سماع کیا ہے، امام بخاری کے ان رجال کا بھی ذکر ہے جو ان کی شرط پر قائم ہیں۔ کچھ ان کے ہم عصروں کا تذکرہ ہے، کچھ حفاظ احادیث کا بھی تذکرہ ہے۔ اسی ضمن میں صحیح بخاری کے تراجم کی درجہ بندی بھی کی گئی ہے، مذکورہ ابواب کے ساتھ ترتیبِ مذکور کی مناسبت بھی بیان کی گئی ہے۔ صحیح بخاری کے کس باب میں کتنی احادیث، تعالیق اور متابعات ہیں انھیں شمار کرایا گیا ہے۔ راوی صحابہ کرام کے مختصر احوال بھی درج ہیں جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ کس صحابی سے کتنی احادیث مروی ہیں۔ ان کے سوا کچھ افادات بھی ہیں، پھر صحیح بخاری کی شرح کا آغاز ہوتا ہے۔

شرح میں ''کتاب بدء الوحی'' مکمل ہے اور ''کتاب الایمان'' بس عنوان کی حد تک ہے اس کے تحت کوئی حدیث مذکور نہیں ہے۔ تشریحی نوٹ میں عنوانِ باب کی نحوی ترکیب کا بیان ہے اور بس۔ اسی پر یہ مخطوطہ ختم ہو جاتا ہے۔

''الفیض النبوی'' تقریباً ڈھائی صدی بعد پہلی بار تحقیق وتحشیہ اور تقدیم وتذہیب کے ساتھ منظر عام پر آئی ہے۔ مولانا محمد نظام الدین مصباحی نے اس کتاب کی تحقیق وتعلیق کے لیے جس عظیم ادبی ذات کا انتخاب کیا وہ ان کا حسن انتخاب ثابت ہوا اور جماعت رضائے مصطفیٰ، برطانیہ نے اس کے شایانِ شان یہ کتاب طبع کرا کے بہت بڑا تاریخی کارنامہ انجام دیا ہے، محرک ومحقق وناشر اور جملہ معاونین کو دلی مبارک باد۔ امید ہے کہ پوری علمی دنیا اس کتاب سے استفادہ کرے گی اور اسے بے پناہ مقبولیت حاصل ہو گی۔

تبصرہ کتب

"حضور ﷺ کا سراغ رسانی کا نظام"

مصنف: ڈاکٹر ناصر مجید ملک

صفحات: 398

قیمت: 600روپے

ناشر: ادراک پبلی کیشنز، حیدر آباد

تبصرہ نگار: ڈاکٹر محمد سہیل شفیق

جاسوسی، جنگی حکمتِ عملی کا وہ موثر ترین ہتھیار ہے جس کی اہمیت اور افادیت سے انکار ممکن نہیں۔جنگ میں کامیابی کے لیے دشمن کے ارادوں، حالات، فوج اور اسلحہ کی تعداد و صلاحیت سے آگاہی ازبس ضروری ہے۔اور ان معلومات کا حصول جاسوسی کے نظام کے ذریعے ہی ممکن ہے۔یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور میں کم و بیش ہر ملک میں خفیہ اداروں کا نظام کام کررہا ہے۔امریکہ کی سی۔آئی۔اے۔، برطانیہ کی ایم۔آئی۔6، روس کی کے۔جی۔بی۔، اسرائیل کی موساد، بھارت کی را اور پاکستان کی آئی۔ایس۔آئی۔کا شمار دنیا کے فعال ترین خفیہ اداروں میں ہوتا ہے۔

جاسوسی یا سراغ رسانی کو عربی میں استخبارات کہا جاتا ہے ۔جو کہ انگریزی لفظ (Intelligence) کا مترادف ہے۔جو یہ کام کرتا ہے اسے جاسوس یا مخبر کہا جاتا ہے۔ غیر ملکی خفیہ اداروں کی طرف سے ان تمام کاوشوں کا توڑ کرنا جو وہ ہمارے ملک میں حصولِ استخبارات، دہشت گردی اور قتل و غارت گری کے لیے کررہا ہو، ضد استخبارات (Counter Intelligence) کہلاتا ہے۔

سراغ رسانی کے موضوع پر عربی اور انگریزی زبانوں میں خاصا مواد موجود ہے۔ البتہ اردو زبان میں اس موضوع پر ایک مبسوط اور جامع کام کی تاحال ضرورت باقی تھی۔

پیشِ نظر کتاب "حضور ﷺ کا سراغ رسانی کا نظام، عہدِ حاضر میں اس سے حاصل شدہ تعلیمات اور تقاضے" اس ضرورت کو بحسن وخوبی پورا کرتی ہے۔ یہ کتاب دراصل پی ایچ۔ڈی۔ کا تحقیقی مقالہ ہے جسے کتابی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔ یہ کتاب درجِ ذیل سات ابواب پر مشتمل ہے۔

1:۔ سراغ رسانی اور اس کی اہمیت، 2:۔ عہد قدیم میں سراغ رسانی، 3:۔ سراغ رسانی عہدِ نبوی ﷺ میں، 4:۔ سراغ رسانی مسلم دورِ حکمرانی میں، 5:۔ موجودہ دور کے اہم سراغ رساں ادارے، 6:۔ تقابلی وتجزیاتی موازنہ۔ تعلیمات اور تقاضے۔ ہر باب کے اختتام پر خلاصۃ الباب پیش کیا گیا ہے۔

فاضل محقق و مصنف ڈاکٹر ناصر مجید ملک پاکستان ائیر فورس میں بحیثیت ونگ کمانڈر خدمات انجام دے رہے ہیں اور اس موضوع پر علمی و عملی دسترس رکھتے ہیں۔ فاضل محقق نے حضور ﷺ کے اختیار کردہ ذرائع سراغ رسانی کا باریک بینی اور بڑی دقتِ نظر سے مطالعہ کیا ہے اور عہدِ رسالت مآب ﷺ کے نظامِ سراغ رسانی کا دورِ جدید کے خفیہ اداروں کے کام سے تقابل اور موازنہ بھی کیا ہے۔ نیز جاسوسی کی شرعی حیثیت، اس کی حدود و قیود اور دائرہ کار کا تفصیلی جائزہ بھی لیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے غزوات و سرایا میں جاسوسی کا کیا نظام وضع کیا؟ دورِ امن میں ممکنہ خطرات سے بچاؤ کے لیے خفیہ معلومات اور ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے کیا کیا تدابیر اختیار کیں؟ اور ان کے تتبع میں بعد میں آنے والے فرماں رواؤں نے اس کو کیسے وسعت دی اور کیا مفید اضافے کیے؟ ان تمام موضوعات پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

ڈاکٹر ناصر مجید ملک یہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی عسکری فتوحات میں خدائے بزرگ و برتر کی نصرت کے ساتھ آپ ﷺ کی سیاسی و جنگی حکمت عملی، فراست اور دوراندیشی، جاسوسی ذرائع کا بروقت صحیح استعمال وغیرہ کا بھی اہم حصہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے محکمہ سراغ رسانی کی باقاعدہ تنظیم و ترتیب کی تھی اور جاسوسی کا ایک ایسا نظام قائم کیا تھا جس سے جدید مسلم افواج کی رہنمائی کے اشارے بھی ملتے ہیں۔ آپ ﷺ نے مدینہ کے اندر اور باہر اپنے جاسوس تعینات کیے جو آپ ﷺ کو مکہ، نجد، طائف اور دوسرے مقامات کے حالات سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔ انھی کی فراہم کردہ معلومات

کی بناپر یہ ممکن ہوسکا کہ جونہی کسی قبیلے نے مدینے کے خلاف کوئی منصوبہ بنایا۔ آپ ﷺ کو خبر ہو جاتی اور آپ احتیاطی تدابیر اختیار کر لیتے آپ ﷺ کا ضد تخریب(Counter Intelligence) کا نظام انتہائی کامیاب تھا۔ آپ ﷺ نے تفتیش کو زریں اصول "تفتیش میں تشدد نہیں" عطا کیا۔ رازوں کی پردہ داری پر بہت زور دیا۔ مال و اسباب کے حساب کتاب اور تقسیم کا ایک عمدہ نظام وضع کیا اور اس طرح مملکت کے رازوں، افراد اور اموال کو دشمن کی پہنچ سے دور کر دیا۔ فاضل مصنف نے عہد رسالت مآب ﷺ میں خواتین کی استخباراتی خدمات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

فاضل مصنف کا کہنا ہے کہ اسلامی تاریخ ایک فعال اور بااصول جاسوسی نظام کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اگرچہ اس وقت وسائل اور جدید ذرائع رسل ورسائل موجود نہ تھے لیکن بنیادی اصول ایسے تھے کہ آج بھی ان کی اہمیت مسلم ہے۔ مثلاً: افراد کی خصوصی تربیت، جوابی جاسوسی، دشمن کی فوجی تیاریوں کی خفیہ نگرانی، حاصل شدہ خفیہ خبر کی تحقیق کرنا، اپنے منصوبوں اور رازوں کو خفیہ رکھنا، دشمن کے لوگوں سے معلومات حاصل کرنا، دشمن کے اقدامات کی پیشگی خبر رکھنا، دشمن کا جاسوس گرفتار ہو جائے تو اس کے ساتھ سلوک، جنگی کمانڈر کے لیے ضروری ہدایات وغیرہ۔

پیش نظر کتاب میں عہد حاضر کے سراغ رساں اداروں اور ان کے کام کرنے کے طریقہ کار پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے کہ یہ ادارے حصولِ معلومات اور جاسوسی کے لیے کون کون سے تفتیشی طریقہ کار اپناتے ہیں؟ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے کن حدود و قیود کا پاس رکھتے ہیں اور جاسوسی کے لیے ان کے ہاں کیا شرائط و ضوابط رائج ہیں؟ نیز رسول اللہ ﷺ کا اختیار کردہ جاسوسی کا نظام، تعلیمات اور ضابط اخلاق کس طرح جاسوسی اداروں کے لیے بالعموم اور موجودہ مسلمان خفیہ تنظیموں کے لیے بالخصوص بہترین نمونہ بن سکتا ہے؟ نیز عصرِ حاضر میں مسلمان خفیہ تنظیموں کو کیا لائحہ عمل اپنانے کی ضرورت ہے؟ اس سلسلے میں فاضل محقق نے عہد رسالت مآب ﷺ کی تمام جنگی مہمات (غزوات و سرایا (کا استخبارات کے نقطہ نظر سے بڑی دقت نظری سے مطالعہ کیا ہے اور مفید نتائج تحقیق ہمارے سامنے پیش کیے ہیں۔ کتابیات سے اندازہ ہوتا ہے کہ فاضل محقق نے بنیادی اور جدید ماخذ سے براہ راست استفادہ کیا ہے۔ مصنف کی یہ جگر کاوی اور کدو کاوش لائقِ صد تحسین و قابل مبارک باد ہے۔ اور سیرتی ادب میں بلاشبہ ایک عمدہ اضافہ ہے۔

"الاشارۃ الی سیرۃ سیدنا محمد المصطفیٰ ﷺ" المعروف "سیرت مصطفیٰ ﷺ"

مولف: حافظ علاؤ الدین مغلطائی بن قلیج حنفی

مترجم: ڈاکٹر مفتی محمد عمران انور نظامی

صفحات: 600

سن اشاعت: اکتوبر 2018ء

قیمت: 1500روپے

ناشر: پروگریسو بک لاہور

تبصرہ نگار: راجہ قاسم محمود

رسول اللہ ﷺ کی سیرت مقدسہ کا بیان تاقیامت ایک زندہ موضوع ہے۔بقول ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب نے سیرت کو ایک لامتناہی اور متلاطم سمندر قرار دیا۔ ساتھ یہ بھی کہا کہ یہ محض ایک شخصیت کی سوانح نہیں بلکہ ایک تہذیب، ایک تمدن، ایک ملت اور الٰہی پیغام کے آغاز و ارتقاء کی داستان ہے۔

پروگیسو بکس نے قاضی القضاء حافظ علاؤ الدین مغلطائی بن قلیج حنفی رحمہ اللہ کی سیرت مقدسہ پر لکھی مختصر و جامع کتاب "الاشارۃ الی سیرۃ سیدنا محمد المصطفیٰ ﷺ" کا اردو ترجمہ بنام سیرت مصطفیٰ ﷺ للمغلطائی کے نام سے شائع کیا ہے۔ اس کے مترجم ڈاکٹر مفتی محمد عمران انور نظامی صاحب نے اس کے ساتھ ساتھ شرح بھی کی ہے۔ یہ کتاب چھے سو صفحات پر مشتمل ہے۔

امام مغلطائی ترکی میں پیدا ہوئے۔ آپ کو علم حدیث سے خصوصی شغف تھا جس پر آپ کی متعدد تصانیف بھی ہیں۔ آپ قاضی کے منصب پر بھی فائز رہے۔ آپ کے اساتذہ میں امام تقی الدین سبکی اور امام جلال الدین القزوینی قابل ذکر ہیں۔اس کے ساتھ ایک اور جگہ آپ کے اساتذہ میں ایک اور نام شیخ ابنِ تیمیہ کا بھی ہے۔ سیرت مقدسہ پر آپ نے ایک ضخیم کتاب "الزھر الباسم فی سیرۃ ابی قاسم" لکھی پھر اپنے استاد قاضی جلال الدین قزوینی کے تقاضے پر اس کی تلخیص لکھی۔ یہ کتاب دراصل وہی تلخیص

ہے۔ اس میں جامعیت کو مد نظر رکھتے ہوئے سیرت مقدسہ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ امام مغلطائی حنفی کی وفات 762 ہجری (1361 عیسوی) ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ کتاب ساڑھے سات سو سال پرانی ہے۔ یہ پہلے مخطوطوں کی شکل میں تھی مگر بغداد سے تعلق رکھنے والی ایک خاتون محترمہ آسیا کلیبان علی بارح نے سن 2000 میں اس پر تحقیق کی اور اس کو منظر عام پر لائیں۔ یہ کتاب 2003 میں بیروت سے پہلی بار شائع ہوئی۔

کتاب میں مترجم کا مقدمہ بھی کافی جاندار ہے جس میں سیرت کے معانی اور اس کی ضرورت و اہمیت کے حوالے سے گفتگو کی گئی ہے اور مترجم نے بتایا ہے کہ مطالعہ سیرت کی اہمیت مذہبی ضرورت کے ساتھ ساتھ علمی، تہذیبی، تاریخی و ثقافتی اور بین الاقوامی ضرورت کی حامل ہے۔ کتاب کا آغاز امام مغلطائی حنفی نے رسول اللہ ﷺ کے اسماء مبارکہ سے کیا ہے اور آپ ﷺ کے پچاس سے زائد اسماء و القاب کو نقل کیا ہے۔ جیسے کہ المصطفیٰ، العاقب، النور، المسلم، الھادی، الامام، السراج، المنیر، الامین، خاتم النبیین، الطیب، عبداللہ، نبی الرحمۃ، احمد اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وغیرہ۔ شارح نے آپ ﷺ کے نسب میں موجود آباء کا ساتھ مختصر تعارف کروایا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ شخصیات اپنے زمانے کے بڑے اور قابل احترام لوگوں میں سے تھے۔

امام مغلطائی حنفی نے ولادت باسعادت کے احوال میں لکھا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام مختون پیدا ہوئے۔ اس بارے میں دوسرا قول بھی ذکر کیا ہے مگر امام مغلطائی کا اسلوب یہ ہے کہ جس قول کو وہ زیادہ صحیح سمجھتے ہیں اس کو پہلے ذکر کرتے ہیں۔ آپ صلی ﷺ کے مختلف سرایا و غزوات کے حوالے سے مصنف نے بہت جامعیت اور اختصار سے ہر ایک کا زمانی ترتیب سے ذکر کیا ہے جن کی تفصیل بصورت حاشیہ شارح نے بیان کی ہے۔ غزوات و سرایا کی معلومات کے حوالے سے مصنف اور شارح نے اہم معلومات فراہم کی ہیں۔

آپ ﷺ کے جوامع الکلم ہونے کے حوالے سے مصنف نے عمدہ کلام کیا ہے اور بطور ثبوت آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیالیس احادیث بیان کی ہیں جو جوامع الکلم کی قبیل سے تعلق رکھتی ہیں۔ آپ ﷺ نے جو مختلف سربراہوں کو دعوتی خطوط لکھے ان کو بھی ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ ان کو لیکر جانے والے کون کون سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے حوالے سے

مصنف نے بارہ ربیع الاول کی تاریخ ذکر کی ہے۔ جس پر شارح نے تفصیلی کلام کیا ہے اور بتایا ہے کہ بارہ کی تاریخ درست نہیں بلکہ یکم یا دو ربیع الاول کی تاریخ زیادہ صحیح ہے۔ کتاب میں رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کریمانہ کا ذکر ہے اس کے ساتھ آپ ﷺ کا سادہ طرز زندگی، کھانے میں عیب نہ نکالنا۔ آپ ﷺ خوشبو کو پسند فرماتے تھے۔ مباح کھیل کو ملاحظہ فرماتے ہنسی مزاح بھی کرتے مگر اس میں بھی ہمیشہ حق بات فرماتے۔ کتاب کے مطابق شفاعت و مقام محمود سمیت کثیر فضائل و کمالات آپ ﷺ کو عطا ہوئے جن میں سے امام مغلطائی حنفی رح نے صرف چھتیس ذکر کیے ہیں۔

مجموعی طور پر سیرت کا اجمالی جائزہ اس کتاب میں لیا گیا ہے اور پھر مفتی عمران انور نظامی صاحب کی شرح نے اس کتاب کو مفصل و ضخیم بنا دیا ہے۔ مفتی عمران نظامی صاحب نے ترجمہ کے ساتھ ساتھ شرح پر بہت محنت کی ہے اور بہت سی کتب سیر سے استفادہ کیا ہے۔ اور کوشش کی ہے کہ ہر وہ بات جو مصنف رحمہ اللہ نے مختصر ذکر کی ہے اس کی وضاحت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ مصنف کی مغفرت فرمائے اور مترجم و شارح، محرک اور ناشر کو جزائے خیر دے جو ایک قدیم کتاب سیرت سے ہم کو روشناس کرایا۔ اللہ تعالیٰ ان کی کاوش قبول فرمائے۔

"مقالات سیرت طیبہ"

مصنف:	**علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری**
صفحات:	**260**
سن اشاعت:	**دسمبر 2006ء**
قیمت:	**درج نہیں**
ناشر:	**مکتبہ قادریہ، جامعہ اسلامیہ ٹھوکر نیاز بیگ لاہور**
تبصرہ نگار:	**راجہ قاسم محمود**

علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری ایک قابلِ قدر علمی و مذہبی شخصیت ہونے کے ساتھ ساتھ مصنف و مترجم کی حیثیت سے بھی پاکستان کے سنی علماء میں صف اول کی شخصیات میں شامل ہیں۔ مولانا

سردار احمد لائلپوری، علامہ اشرف سیالوی اور علامہ عطاء محمد بندیالوی جیسے لوگ آپ کے اساتذہ جبکہ مفتی محمد خان قادری، علامہ عبدالرزاق بھترالوی اور مفتی محمد صدیق ہزاروی جیسے لوگ آپ کے شاگردوں میں شامل ہیں۔

"مقالات سیرت طیبہ" علامہ شرف قادری رح صاحب کے سیرت مقدسہ کے حوالے سے لکھے ہوئے پانچ مقالات کا مجموعہ ہے۔ اگر دیکھا جائے تو پانچ میں سے تین مقالات علامہ شرف قادری کے اپنے جبکہ دو مقالات تراجم میں شمار ہوتے ہیں بلکہ کل مقالات کی تعداد چھے بنتی ہے جس میں سے اول مقالہ صاحبزادہ نثار قطب رضی شیرازی علی پوری صاحب کا ہے جس میں اختصار کے ساتھ سیرت النبی ﷺ کا اجمالی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ جس کی جامعیت کو دیکھتے ہوئے علامہ شرف قادری نے اس کو کتاب کے ابتداء میں شامل کیا ہے۔ صاحبزادہ نثار قطب صاحب کا مضمون قابل تعریف ہے جس میں کم سے کم صفحات پر سید المرسلین ﷺ کی سیرت مقدسہ کو بیان کیا گیا ہے۔ دوسرا مقالہ دراصل علامہ ابنِ حجر مکی رح کی کتاب نعمت کبریٰ جس میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت باسعادت کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے پورے عالم پر نعمت ہونے کو بہت خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔

یہ رسالہ تیس صفحات پر مشتمل ہے مگر جس خوبصورتی اور محبت سے آپ ﷺ کے فضائل بیان کئے گئے ہیں وہ پڑھنے والے کے دل میں محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑھانے کا سبب بنتا ہے۔ تیسرا مقالہ بہت اہم ہے وہ محافل میلاد کی اصلاح کے حوالے سے علامہ شرف قادری کی گذارشات پر مشتمل ہے۔ علامہ ابنِ حجر مکی رح کے ایک غیر مستند اور جعلی نسخہ جس میں محفل میلاد کے انعقاد کے حوالے سے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سمیت دوسرے بزرگان امت سے منسوب اقوال کو بے سند اور من گھڑت قرار دیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ ان کی کوئی استنادی حیثیت نہیں ہے۔ بلکہ ان اقوال کا انداز ہی بتارہا ہے کہ یہ دسویں صدی کے بعد تیار کیے گئے ہیں۔ اس مقالے میں انہوں نے محافل میلاد کی اصلاح پر زور دیا ہے اور مقررین سے کہا ہے کہ وہ غیر مستند روایات بیان کرنے سے گریز کریں۔

چوتھا مقالہ "رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خشیت الٰہی" کے نام سے ہے۔ اس مقالے کے آغاز میں علامہ شرف قادری نے لکھا ہے کہ رب تعالیٰ اور آخرت کا خوف ایمان کامل کے لیے مطلوب

ترین اوصاف ہیں مگر جب ہم اپنے کردار کا جائزہ لیں تو فرائض و واجبات کی انجام دہی میں کوتاہی، فسق و فجور کا بے دھڑک ارتکاب، عریانی و فحاشی کا پھیلنا یہ سب چیزیں بتا رہی ہیں کہ ہمارے دل خوف خدا اور خوف آخرت سے عاری ہو چکے ہیں۔ یہ بیماری معاشرے میں ہر طبقہ کے اندر موجود ہے۔

خشیت الٰہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کا ایک روشن و اہم پہلو ہے۔ اس مقالے میں علامہ صاحب نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت و احادیث سے واقعات نقل کیے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ میں خشیت الٰہیہ کا جذبہ کس قدر زیادہ تھا۔ پھر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امت کو بھی اس کی تعلیم دی۔ یہ مقالہ بھی بہت اہم ہے اور پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

پانچواں مقالہ آپ ﷺ کے اخلاق عظیمہ کے متعلق ہے۔ اس مقالے کا آغاز مصنف نے لکھا کہ جب اخلاق عظیمہ موضوع سخن ہوں تو سننے والے کا ذہن خود بخود ذات اقدس ﷺ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے جو جلال و جمال کا حسین امتزاج ہے، پیکر اخلاق ہے، مجسمہ حلم و کرم ہے اور سراپا رحمت و شفقت ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ اخلاق جمیلہ کے اس مقام رفیع پر فائز ہیں۔ جہاں تک نہ کوئی پہنچا ہے اور نہ پہنچے گا۔ علامہ شرف قادری نے بہت ہی خوبصورت انداز میں اس مقالے میں رسول اللہ ﷺ کے خلق عظیم کے مختلف پہلوؤں پر بہت اعلیٰ انداز میں بیان کیا ہے۔۔ اُن کی یہ تحریر ان کے جذبہ عشق رسول ﷺ کی ترجمان ہے اور پڑھنے والے کے دل میں بھی اس جذبے کے اضافے کو بڑھاتی ہے۔

چھٹا مقالہ بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہونے والے وفود کے بارے میں ہے۔ یہ مقالہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ سیرت ابن ہشام کے ایک حصے کا ترجمہ ہے جس میں بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہونے والے سولہ وفود کا ذکر ہے۔ یہ مقالہ ادبی مجلہ نقوش میں شائع ہوا تھا۔ پھر علامہ شرف قادری رح نے مزید کتب سیرت سے تلاش کر کے مزید چھپن وفود کا ذکر کیا ہے۔ یوں کل وفود کی تعداد بہتر (72) بنتی ہے۔ یہ مقالہ سیرت نگاری سے دلچسپی رکھنے والے افراد کے لیے کافی اہمیت رکھتا ہے اور سیرتی ادب کے حوالے سے قیمتی اور مفید ہے۔ اللہ تعالیٰ علامہ شرف قادری کی مغفرت فرمائے اور ان کی اس کاوش کو قبول فرمائے۔

"مختصر سیرت نبویہ ﷺ"

مولف:	مولانا عبد الشکور فاروقی لکھنوی
تسہیل و تحقیق:	ڈاکٹر ضیاء الحق قمر
صفحات:	128
سن اشاعت:	2018ء
قیمت:	280روپے
ناشر:	جامعہ فتحیہ ذیلدار روڈ اچھرہ لاہور
تبصرہ نگار:	محمد احمد ترازی

اردو اور فارسی سیرت، عربی سیرۃ کا لفظ عربی زبان کے جس مادے اور فعل سے بنا ہے اس کے لفظی معنی ہیں چل پھرنا، راستہ لینا، رویہ یا طریقہ اختیار کرنا، روانہ ہونا، عمل پیرا ہونا وغیرہ۔ اس طرح سیرت کے معنی حالت، رویہ، طریقہ، چال، کردار، خصلت اور عادت کے ہیں۔ اس سے اردو میں تعمیر سیرت، سیرت سازی، پختگی سیرت، نیک سیرت، بد سیرت اور حسن سیرت وغیرہ کے الفاظ مستعمل ہیں۔ لفظ سیرت واحد کے طور پر اور بعض دفعہ اپنی جمع سیر کے ساتھ اہم شخصیات کی سوانح حیات اور اہم تاریخی واقعات کے بیان کے لیے استعمال ہوتا رہا ہے۔ مثلاً کتابوں کے نام سیرت عائشہ یا سیرت المتاخرین وغیرہ۔ کتب فقہ میں السیر جنگ اور قتال سے متعلق احکام کے لیے مستعمل ہے۔

چونکہ آنحضرت ﷺ کی سیرت کے بیان میں غزوات کا ذکر خاص اہمیت رکھتا ہے اس لیے ابتدائی دور میں کتب سیرت کو عموماً مغازی و سیر کی کتابیں کہا جاتا تھا جبکہ لفظ مغازی مغزی کی جمع ہے جس کے معنی جنگ (غزوہ) کی جگہ یا وقت کے ہیں لیکن اب سیرت کی ترکیب ہی مستعمل ہے۔

قرآن کریم میں لفظ سیرۃ صرف ایک جگہ آیا ہے:

سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ ○ (سورۃ طٰہٰ: آیت نمبر 21)

’’ہم اسے ابھی اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے‘‘ اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا (لاٹھی) کے سانپ بن جانے کے بعد دوبارہ اصلی حالت میں آجانے کی طرف اشارہ ہے لہذا یہاں لفظ سیرۃ حالت اور کیفیت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

لفظ سیرت اب بطور اصطلاح صرف آنحضرت کی مبارک زندگی کے جملہ حالات کے بیان کے لیے مستعمل ہے جبکہ کسی اور منتخب شخصیت کے حالات کے لیے لفظ سیرت کا استعمال قریباً متروک ہو چکا ہے۔ اب اگر مطالعہ سیرت یا کتب سیرت جیسے الفاظ کے ساتھ رسول، نبی، پیغمبر یا مصطفی کے الفاظ نہ بھی استعمال کیے جائیں تو ہر قاری سمجھ جاتا ہے کہ اس سے مراد آنحضرت ﷺ کی سیرت ہی ہے بلکہ بعض دفعہ لفظ سیرت کو کتاب کے مصنف کی طرف مضاف کر کے بھی یہی اصطلاحی معنی مراد لیے جاتے ہیں جیسے سیرت ابن ہشام کہ اس کا مطلب ابن ہشام کے حالات زندگی نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ کے حالات ہیں جو کتاب کے مصنف ابن ہشام نے جمع کیے ہیں۔ اسی طرح موجودہ دور میں جلسہ سیرت، سیرت کانفرنس، مقالات سیرت، اخبارات و رسائل کے سیرت نمبر وغیرہ بکثرت الفاظ مستعمل ہیں۔ ان تمام تراکیب میں لفظ سیرت کے معنی ہمیشہ سیرت النبی ہی ہوتے ہیں۔

واضح رہے کہ کسی علم خصوصاً جس کا تعلق تاریخ سے ہو، اس کے مآخذ سے مراد وہ کتابیں، روایات اور آثار وغیرہ ہیں جن میں اس علم کے متعلق سب سے پہلے بات کی گئی ہو یا جن میں اس علم کے متعلق معلومات سب سے پہلے جمع کی گئی ہوں۔ کسی تاریخی شخصیت کے بارے میں معلومات کا اہم مآخذ وہ کتاب یا کتابیں ہوں گی جو اس کی زندگی میں لکھی گئی ہوں یا اس کے بعد قریب ترین زمانے میں لکھی گئی ہوں اور جن میں زیادہ سے زیادہ مواد یکجا جمع کیا گیا ہو یا اس مواد کے جمع کرنے میں علمی تگ و دو اور تحقیقی چھان بین سے کام لیا گیا ہو۔ اس لحاظ سے سیرت طیبہ کے اہم بنیادی مآخذ قرآن مجید، کتب حدیث، تواریخ حرمین وغیرہ شامل ہیں۔

مسلمانوں نے فن تاریخ نویسی کو بڑی ترقی دی اور عالمی تاریخ کو عموماً اور تاریخ اسلام کو خصوصاً بڑی بڑی ضخیم کتابوں میں جمع کیا۔ اس قسم کی کتابوں میں سیرت طیبہ کا مذکور ہونا لازمی تھا۔ سیرت نبویہ اسلامی تاریخ کا وہ موضوع ہے جس پر ہر دور میں لکھا گیا لکھا جا رہا ہے اور لکھا جائے گا۔

محترم ڈاکٹر ضیاء الحق قمر صاحب کی تسہیل و تحقیق سے شائع ہونے والی کتاب ”مختصر سیرت نبویہ“ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ کتاب کے مولف مولانا عبد الشکور فاروقی لکھنوی ہیں۔ جو 1876ء میں اودھ کے قصبہ کاکوری میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم کے بعد مولانا عبد الحئ فرنگی محلی کے شاگرد مولانا سید عین القضاۃ سے مزید تعلیم حاصل کی۔ تصنیف و تالیف کے میدان میں انہوں نے کم و بیش چالیس سے زائد کتابیں چھوڑیں۔

”مختصر سیرت نبویہ ﷺ“ ایک مقدمہ اور چار ابواب پر مشتمل ہے:

مقدمہ میں ”لفظ سیرت کے معنی“، ”آپ ﷺ کی سیرت کی معرفت کے فرض قطعی ہونے“، ”آپ ﷺ کی سیرت قرآن مجید اور دیگر کتب الہیہ میں بیان ہونے“ اور ”آپ ﷺ کی سیرت کی حفاظت ربّ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے کر با حسن وجوہ پورا کرنے“ پر مفصل گفتگو کی گئی ہے۔ جبکہ کتاب کا

باب اول: عرب زمانہ جاہلیت اور آپ ﷺ کی بعثت کے لیے خطہ عرب کی تخصیص کی حکمت۔

باب دوم: رسول اللہ ﷺ کے حالات قبل از نبوت۔

باب سوم: آپ ﷺ کی نبوت اور دلائل نبوت۔ اور

باب چہارم: آپ ﷺ کے حالات بعد از نبوت پر مشتمل ہے۔ خاتمہ کتاب میں اُن عظیم الشان نعمتیں جن کا وعدہ آپ ﷺ کے متبعین سے کیا گیا اور اتباع کا طریقہ کار اور اُس کی حقیقت کا بیان ہے۔

قرآن پاک کی روشنی میں سیرت نبوی کے موضوع پر یہ مختصر کتاب ہے جسے ڈاکٹر ضیاء الحق قمر صاحب نے تسہیل و تحقیق کے ساتھ بہترین پیپر پر کلر پرنٹنگ کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اللہ کریم ان کی اس کوشش و کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے اور توشہ آخرت بنائے۔

تربية الشباب المعاصر في ضوء السيرة النبوية

حافظ ذيشان طاهر

(الباحث بمرحلة الدكتوراة بالقسم العربي، جامعة المنهاج، لاهور)

الدكتور ممتاز أحمد السديدي

(رئيس القسم العربي، بجامعة المنهاج، لاهور)

Abstract:

"Prophet's life(السيرة النبوية) has great importance for mankind. It's a role model, light and guidance for Muslims. He spent his whole life according to instruction of Almighty ALLAH S.W.T changed the whole world with his strong character, holy teaching and wellbeing of mankind. He spread the message of Islam through young Muslims who embraced Islam. In this article we discussed the Prophet's youth period, and wrote important incidents of that era, which help and support modern youth how to live successful life. Our Prophet Muhammad P.B.U.H earned money through trade in his youth, he married with his uncles consultation, showed great wisdom at the time of setting black stone(الحجر الأسود) and due to this stopped bloodshed. Before revelation he used to go cave in mountains for several nights of prayer and seclusion. In reality this article providing complete course of life for youth to get success in this world and hereafter."

Keywords: Prophet's life, youth, character, Islam, training, success.

الإنسان مركب من الروح والنفس والحرب يستمر بينهما من خلق الإنسان. القوت الحقيقي للروح هي عبادة الله تعالى والنفس تريد المنكرات والسيئات لذا أرسل الله تعالى رُسُله لهداية البشرية ورشدها إلى الصراط المستقييم و جعل سيرتهم المطهرة أسوة حسنة كاملة و نموذجا رائعا للاقتداء بها حتى يفوز الإنسان في هذه الدنيا والآخرة بالفوز والنجاح فقد قال الله تبارك وتعالي في سيرة سيدنا إبراهيم خليل الله عليه السلام:

''قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ''(1)

وفي هذه السورة تكرر الموضوع المذكور عن أسوة إبراهيم عليه السلام،لذا قال الله عزّوجلّ:

''لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ.'' (2)

هذا هو كلام الله تعالى في شأن سيرة خليله عليه السلام، ولقد حث الله تعالى المؤمنين على الاقتداء بأسوة سيدنا ابراهيم عليه السلام واتباع سنته لإحقاق الحق وإبطال الباطل والنجاح في الدراين. وقال الله تبارك وتعالى في اتباع سيرة نبيه العظيم سيدنا محمد ﷺ:

''لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا.''(3)

فرض الله عزوجل على المؤمنين طاعة سيرة النبي صلي الله عليه وآله وسلم، واتباعه تحيط بجميع مجالات الحياة البشرية كما قال ابن كثير في تفسير هذه الآية:

''هذه الآية الكريمة أصل كبير في التأسي برسول الله ﷺ في أقواله وأفعاله وأحواله؛ ولهذا أمر الناس بالتأسي بالنبي ﷺ يوم الأحزاب، في صبره ومصابرته ومرابطته ومجاهدته وانتظاره الفرج من ربه، عز وجل، صلوات الله وسلامه عليه دائما إلى يوم الدين.'' (4)

وهكذا الأمر أن سيرة سيدنا محمد رسول الله ﷺ أسوة حسنة للمؤمنين في جميع مجالات الحياة، وسيرته ﷺ حافلة بالفضل والخير، وقدوة حسنة كاملة ماعرفت البشرية أفضل منها. إنها سيرة الحبيب المصطفى ﷺ التي يتجلى فيها الإيمان بالله، والتوكل عليه، كما تظهر فيها كل الخصائل الحميدة من أمانة وصدق وإخلاص ووفاء وجد وعمل ورحمة ورأفة. هذه هي أهمية دراسة سيرة رسول الله ﷺ واتباعه، والجدير بالذكر في هذه الورقة البحثية ذكرت الحوادث والوقائع التي وقعت في فترة شباب رسول الله ﷺ.

ا۔ شباب رسول الله ﷺ مليء بعمل اليد والسعي:

قضى رسول الله ﷺ زمن شبابه بالجهد والكد، فكان أحيانا يرعى الغنم لأهل مكة و كذلك سافر إلى بلد شام للتجارة، وباع السلع بنفسه في السوق وكسب النفع الكثير بصدق حديثه والامانة، وقد ذكر ابن ماجة قيام رسول الله ﷺ برعي الغنم لأهل مكة:

''عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ ما بعث الله نبيا إلا راعي غنم، قال له أصحابه: وأنت يا رسول الله؟ قال: وأنا كنت أرعاها لأهل مكة بالقراريط قال سويد: يعني كل شاة بقيراط.'' (5)

يظهر الحديث المذكور أن رسول الله ﷺ عمل بيده واكتسب الرزق بالجهد والسعي بنفسه، وما سأل احدا قط في حياته الكاملة، إلا أنه أعطى من ماله كل سائل ومحروم.

كان رسول الله تاجرا صادقا وأمينا في زمن شبابه فذهب بمال السيدة خديجة ﵂ إلى بلد شام، وبعثت معه عبدها ميسرة الذي شاهد الحوادث الطيبة والأخلاق العالية لرسولنا الحبيب ﷺ، ولما رجعا من سفرهما ذكر ميسرة لسيدتنا خديجة ﵂ صدق رسول الله وأمانته وحسن خلقه وحكمته ومكانته الرفيعة عند الله تعالى وقد وردت القصة في سيرة ابن هشام كالتالي:

''وكانت خديجة بنت خويلد امرأة تاجرة ذات شرف ومال تستأجر الرجال في مالها وتضاربهم إياه بشيء تجلعه لهم، وكانت قريش قوما تجارا فلما بلغها عن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ما بلغها من صدق حديثه وعظم أمانته وكرم أخلاقه بعثت إليه فعرضت عليه أن يخرج في مال لها إلى الشام تاجرا وتعطيه أفضل ما كانت تعطي غيره من التجار مع غلام لها يقال له ميسرة، فقبله رسول الله ﷺ منها وخرج في مالها ذلك وخرج معه غلامها ميسرة حتى قدم الشام، حديثه ﷺ مع الراهب فنزل رسول الله ﷺ في ظل شجرة قريبا من صومعة راهب من الرهبان، فاطلع الراهب الى ميسرة فقال له: من هذا الرجل الذي نزل تحت هذه الشجرة؟ قال له: ميسرة هذا رجل من قريش من أهل الحرم. فقال له: الراهب ما نزل تحت هذه الشجرة قط إلا نبي.''(6)

يظهر من هذا الاقتباس أن السيدة خديجة ﵂ انتخبت رجلا أمينا ذا اخلاق كريمة لبيع مالها واتفقت أن تعطيه أفضل ما كانت تعطي غيره، وقد ذكر المؤلف قيام الرسول صلى الله عليه وآله وسلم بيع سلعة السيدة خديجة ﵂ في سوق الشام:

''ثم باع رسول الله ﷺ سلعته التي خرج بها واشترى ما اراد أن يشتري ثم أقبل قافلا الى مكة ومعه ميسرة فكان ميسرة فيما يزعمون إذا كانت الهاجرة واشتد الحر يرى ملكين يظلانه من الشمس وهو يسير على بعيره فلما قدم مكة على خديجة بمالها باعت ما جاء به فأضعف أو قريبا.'' (7)

رجع الرسول الكريم ﷺ من سفره بربح كثير وبركة وحدثها ميسرة عن قول الراهب وعما كان يرى من إظلال الملكين إياه، وفي النتيجة مالت سيدة خديجة اليه ﷺ فخطبت اليه بصديقتها:

''وكانت خديجة امرأة حازمة شريفة لبيبة مع ما أراد الله بها من كرامته، فلما أخبرها ميسرة مما أخبرها به بعثت الى رسول الله ﷺ فقال له فيما يزعمون: يا ابن عم إني قد رغبت فيك لقرابتك، وسطتك في قومك، وأمانتك، وحسن خلقك، وصدق حديثك، ثم عرضت عليه نفسها.''(8)

ضمن هذا الحدث اقول: إن سيدنا رسول الله ﷺ كسب الرزق بأيديه المباركة، وأنه رعى الأغنام وقام بالتجارة في الأسواق، كذلك حرض نبينا العظيم ﷺ المؤمنين على كسب المعاش فقد جاء في الخبر:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:''إِنَّ أَطْيَبَ مَا أَكَلَ الرَّجُلُ مِنْ كَسْبِهِ، وَوَلَدُهُ مِنْ كَسْبِهِ.'' (9)

ومن هنا اتضح أمر أكل الحلال، وأنه بمثابة طلب الرزق عن الحرف و طريق الصناعات، والتجارة والخياطة أو غير ذلك من عمل اليد. سنة الأنبياء الكرام التي ترشد الشباب إلى تكسب الرزق وطلب المعاش بالمشي في الأسواق.

۲۔عصمته ﷺ من لهو الجاهلية وعبثها:

وصف الله عزوجل نبيه العظيم بصفة الطاهر والمطهر وعصمه من رجس الظاهر والباطن أي أبعده من لهو الجاهلية ولعبها فابتعد رسول الله ﷺ من جميع الأعمال السيئة، فأورد الله تبارك الآية الكريمة في طهارة نبيه ﷺ قائلا:

''إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا''(10)

فهذه الآية تبين سيرة الحبيب المصطفى رسول الله ﷺ المطهرة وكشفت عن أخلاقه المقدسة قبل البعثة، كما نرى شباب رسول الله ﷺ طاهرا ونقيا وذكيا فذكر الإمام الحاكم في كتابه المستدرك قصة قصيرة عن عفته و طهارته:

’’عن علي بن أبي طالب ﷺ قال سمعت رسول الله يقول ما هممت بما كان أهل الجاهلية يهمون به إلا مرتين من الدهر كلاهما يعصمني الله تعالى منهما. قلت ليلة لفتى كان معي من قريش في أعلى مكة في أغنام لأهلها ترعى أبصر لي غنمي حتى أسمر هذه الليلة بمكة كما تسمر الفتيان. قال: نعم. فخرجت فلما جئت أدنى دار من دور مكة سمعت غناء وصوت دفوف وزمر، فقلت: ما هذا؟ قالوا: فلان تزوج فلانة لرجل من قريش تزوج امرأة فلهوت بذلك الغناء والصوت حتى غلبتني عيني فنمت فما أيقظني إلا مس الشمس، فرجعت فسمعت مثل ذلك فقيل لي مثل ما قيل لي فلهوت بما سمعت وغلبتني عيني فما أيقظني إلا مس الشمس، ثم رجعت إلى صاحبي فقال: ما فعلت؟ فقلت: ما فعلت شيئا. قال رسول الله ﷺ فوالله ما هممت بعدها أبدا بسوء مما يعمل أهل الجاهلية حتى أكرمني الله تعالى بنبوته‘‘(11)

اتضحت عفة رسول الله رسول الله ﷺ من خلال الحديث المذكور وأعلاه حماية الله تعالى لنبيه العظيم يعني عصمه الله تعالى من الفواحش والمنكرات والأخلاق الرذيلة.ضمن ذكر هذه الطهارة لنبي الله رسول الله ﷺ نذكر القصة الأخرى التي تبين إبعاد الله تعالى لنبيه الكريم عن التعري فذكر البخاري الحديث النبوي الشريف:

’’حَدَّثَنِي مَحْمُودٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ لَمَّا بُنِيَتْ الْكَعْبَةُ ذَهَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَبَّاسٌ يَنْقُلَانِ الْحِجَارَةَ فَقَالَ عَبَّاسٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْعَلْ إِزَارَكَ عَلَى رَقَبَتِكَ يَقِيكَ مِنْ الْحِجَارَةِ فَخَرَّ إِلَى الْأَرْضِ وَطَمَحَتْ عَيْنَاهُ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ أَفَاقَ فَقَالَ إِزَارِي إِزَارِي فَشَدَّ عَلَيْهِ إِزَارَهُ‘‘(12)

بعد ذكر الدلائل القرآنية والحديثية ثبتت الحقيقة أن رسول الله ابتعد عن المعاصي والفواحش والمنكرات برحمة الله عزوجل وعنايته فيجب على الشباب المعاصر أن يجنب نفسه من الأعمال السيئة ويتصف بأسوة الرسول رسول الله ﷺ لكي يفوز في الدارين.

٣۔ شباب رسول الله وميله إلى الخلوة بغار حراء:

الشباب زمن القوة والطاقة وعلامة العمل والسعي لذا يشتغل الشاب المعاصر بأمور لاهية والتي لا تفيده في الدارين ولكن ما اشتغل رسول الله ﷺ باللهو واللعب واللغو فقد حبب إلىه الخلوة بغار حرا حيث كان يفكر و يعبد الله عزوجل كما ذكر القشيري النيسابوري:

''كَانَ أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّادِقَةَ فِي النَّوْمِ، فَكَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ، ثُمَّ حُبِّبَ إِلَيْهِ الْخَلَاءُ، فَكَانَ يَخْلُو بِغَارِ حِرَاءٍ يَتَحَنَّثُ فِيهِ - وَهُوَ التَّعَبُّدُ - اللَّيَالِيَ أُوْلَاتِ الْعَدَدِ، قَبْلَ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى أَهْلِهِ وَيَتَزَوَّدُ لِذَلِكَ، ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى خَدِيجَةَ فَيَتَزَوَّدُ لِمِثْلِهَا، حَتَّى فَجِئَهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِي غَارِ حِرَاءٍ، فَجَاءَهُ الْمَلَكُ، فَقَالَ: اقْرَأْ..إلي آخر.'' (13)

وفي الحديث المذكور أعلاه بيان أحوال شباب رسول الله ﷺ كيف قضى شبابه؟ هل أفناه في طاعة الله تبارك وتعالى أو ضيعه في المعصية؟ فتحقق الأمر أن رسول الله ﷺ كان متوجها إلى الله عزّوجل و راغبا في عبادته والآن أذكر كيفية قيام رسول الله صلى الله عليه وسلم بالعبادة وأبين كيف كان بعبد ربّه في الليالي، فروى مُحَمَّد بن عيسي الترمذي:

''عن أبي هريرة ﷺ قال كان رسول الله ﷺ يقوم و يصلي حتى تنتفخ قدماه فيقال له: يا رسول الله تفعل هذا وقد غفر الله لك ما تقدم من ذنبك وما تأخر؟ قال أفلا اكون عبدا شكورا؟.''(14)

كان رسول الله كثيرا العبادة من الصلوات والصيام والدعاء، وكان لا يترك قيام الليل، و كان يقوم من الليل حتى تورمت قدماه وهكذا داوم رسول الله على عبادة الله تعالى. وفي الحقيقية كانت حياة رسول الله ﷺ عبارة عن إطاعة الله واتباعه، فعلى الشباب في عصرنا الراهن أن يلتزم بعبادة الله تعالى وإطاعته لينجح في الدارين.

۳۔ كراهيته للأصنام في شبابه:

سيدنا مُحَمَّد رسول الله هو الذي أرسله الله تعالى لإحقاق الحق وإبطال الباطل وجعله ميزانا وفرقانا بين الحق والباطل، فلن يتوجه نبينا العظيم ﷺ إلى عادات الجاهلية وعلى رأسهم عبادة الأصنام مثل اللات والمنات،والهبل والعزى، ويغوث، ويعوق، ونسر وغيرها، و كان يشربون الخمر ويزنون علانية ويقتلون أولادهم، فذكر ابن كثير قصة زمن شباب رسول الله:

''عن زيد بن حارثة قال: كان صنم من نُحاس يقال له إساف ونائلة يتمسح به المشركون إذا طافوا، فطاف رسول الله ﷺ وطفت معه فلما مررت مسحت به،فقال رسول الله ﷺ لا تمسّه.'' (15)

هذة القصة تظهر كراهية وانكار لعادات المشركين، والأمر المهم ابتعد نبي الله صلى الله عليه وسلم قبل بعثته عن مس الصنم وكذلك منع صاحبه عن مسحه. وفي زمننا هذا يجب على الشباب أن يمنعوا أنفسهم من تعظيم شعائر أهل الكفر وتقليد عاداتهم السيئة.

۵۔ نفوره من الحلف بالأصنام:

سافر رسول الله ﷺ في عنفوان شبابه إلى بلد شام لغرض التجارة وهناك لقيه الراهب الذي كان شهير باسم بحيرى، وجرى الحوار بينهما، وفي أثناء الكلام حلف بحيرى باسم أصنامه فرد سيدنا رسول الله ﷺ بما يدل على نفوره من الحلف بالأصنام:

" لا تسألني بها فوالله ما أبغضت شيئا بغضهما"(16)

۶۔ زواجه ﷺ من السيدة خديجة رضي الله عنها:

رأت السيدة خديجة رضي الله عنها في مالها من الفضل والبركة ما باع سيدنا محمد ﷺ في سوق الشام وسمعت من ميسرة القصة الطويلة التي كانت حافلة بمظاهر الصدق والأمانة ومكارم الأخلاق. وكانت السيدة خديجة ذات شرف ونسب ومال وحسب في قريش، فأرادت أن تتزوج من سيدنا محمد ﷺ فخطبت يده بصديقتها فرضي النبي ﷺ بذلك وقال لأعمامه واتفق الجانبان بهذا الأمر المبارك فألقى أبو طالب خطبة النكاح وهكذا تمت مراسم الزواج وذلك كما ذكر ابن اسحاق عن قصة زواجه:

"فلما قدم مكة على خديجة بمالها باعت ما جاء به فأضعف أو قريبا وحدثها ميسرة عن قول الراهب وعما كان يرى من اظلال الملكين اياه وكانت خديجة امرأة حازمة شريفة لبيبة مع ما أراد الله عز وجل بها من كرامته فلما أخبرها ميسرة عما أخبرها به بعثت الى رسول الله ﷺ فقالت له فيما يزعمون يا بن عم اني قد رغبت فيك لقرابتك مني وشرفك في قومك وسطتك فيهم وأمانتك عندهم وحسن خلقك وصدق حديثك ثم عرضت عليه نفسها وكانت خديجة يومئذ أوسط نساء قريش نسبا وأعظمهم شرفا وأكثرهم مالا كل قومها قد كان حريصا على ذلك منها لو يقدر على ذلك وهي خديجة ابنة خويلد"(17)

ما حكم رسول الله في نفسه بنفسه بل استشار بأعمامه وهذا هو نموذج طيب و مبارك لشبابنا فقد روى ابن اسحاق القصة التالية:

"قال فلما قالت لرسول الله ﷺ ما قالت ذكر ذلك لأعمامه فخرج معه منهم حمزة بن عبد المطلب حتى دخل على أسد بن أسد فخطبها اليه فتزوجها رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فولدت له قبل أن ينزل عليه الوحي ولده كلهم زينب وأم كلثوم ورقية وفاطمة والقاسم والطاهر والطيب فأما القاسم والطاهر والطيب فهلكوا قبل الاسلام وبالقاسم كان يكنى ﷺ فأما بناته فأدركن الإسلام وهاجرن معه واتبعنه وآمن به عليه السلام." (18)

هنا يطرح السؤال المهم نفسه،كم عمر سيدنا رسول الله ﷺ عندما تزوج من السيدة خديجة رضي الله تعالى عنه؟ أذكر الجواب لهذه السؤال:

"نكح رسول الله ﷺ خديجة وهو ابن خمس عشرين سنة وخديجة يومئذ ابنة أربعين سنة."(19)

فيلزم على شبابنا المعاصر أن يجعل زواج رسول الله نموذجا وقدوة له في بداية مرحلة الشباب وفي أختيار الزوج، ورضى الكبار فيه، وحسن العشرة بزوجته وغيرها من الأمور لكي تتحسن حياته في هذه الدنيا والآخرة.

۷۔ مظاهر حكمة الرسول في شبابه:

آتى الله رسوله الكريم ﷺ الحكمة البالغة والمعرفة بحقائق الأمور، وبهذه الحكمة كان يحكم عند الاختلاف والمشاجرات بين الناس. ولما انهدمت الكعبة المكرمة من السيل فبناها جميع القبائل وعندما وصلوا إلى تنصيب الحجر الأسود، قالت كل قبلية نحن أحق بتنصيبه فوقع الاختلاف بينهم حتى خافوا القتال بينهم. واجتمعوا على من يدخل من باب بني شيبة اولا هو الذي يقوم بتنصيب الحجر الأسود في جدار الكعبة وهذا أورده ابن سعد في الطبقات:

"فكان رسول الله أول من دخل من باب بني شيبة فلما رأوه قالوا: هذا الأمين رضينا بما قضي بيننا. ثم أخبروه الخبر فوضع رسول الله رداءه وبسطه في الأرض ثم وضع الركن فيه ثم قال ليأت من كل ربع من أرباع قريش"(20)

هذه هي قوة السيرة المطهرة للرسول ﷺ قبل البعثة حيث أن المعارضين والمشركين جعلوه حكما بينهم، وبلوا حكمه عن طيب خاطر فيجب علي الشباب أن يقتدوه في تطهير سيرتهم وتزكية نفوسهم فيكونوا محبوبين لجميع الناس.قضى سيدنا رسول الله لهم بحكمة ففرحوا بهذا القرار كما ورد في الطبقات لابن سعد:

"قال رسول الله ليأخذ كلّ رجل منكم. بزاوية من زوايا الثوب ثم ارفعوه جمعيا، فرفعوه، ثم وضعه رسول الله بيده في موضعه ذلك"(21)

هذه القصة تذكرنا الحكمة البالغة والفهم الكامل والرأي الصواب لسيدنا رسول الله ﷺ قبل بعثته، ولهذا السبب مافعل نبينا الحبيب صلى الله عليه وآله فعلا بغير الحكمة ولا تكلم بأي كلام إلا زاد العلم والفكر لدي السامع فينبغي الشباب المسلمون أن يتعلم الحكمة والتفكر والتدبر والتعقل لكي يفوز في الدارين.

٨ـ حرصه على مساعدة المظلوم في شبابه:

كان رسول الله ﷺ رحيما ورؤوفا لجميع المؤمنين وكان يرغب دائما في مساعدة المظلومين والمساكين والفقراء، فقد شارك رسول الله صلى الله عليه وآله خلال فترة شبابه في الحلف الذي انعقد في بيت عبد الله بن جدعان بتعاهد و تعاقد بنصرة المظلومين حتى يؤدي إليهم حقهم وقد روى ابن سعد هذا الحلف بقوله:

”وأول من دعا إليه الزبير بن عبد المطلب، فاجتمعت بنو هاشم وزُهرة و تيم في دار عبد الله بن جدعان، فصنع لهم طعاما فتعاقدوا و تعاهدوا بالله، القاتل لنكونن مع الظلوم حتى يؤدي إليه حقه ما بل بحر صوفة، وفي التأسي في المعاش، فسمت قريش ذلك الحلف، حلف الفضول.“(22)

هذا هو الحلف الذي افتخر به الرسول ﷺ و كان هذا الحلف لمساعدة المظلومين كما قال رسول الله ﷺ عن هذا الحلف الفضول:

”قال رسول الله ﷺ :لقد شهدت في دار عبد الله بن جدعان حلفا لو دعيت به في الإسلام لأجبت تحالفوا أن يردوا على أهلها ولا يُعز ظالم على مظلوم.“ (23)

هذا نموذج قيم لشبابنا أن يتحلوا بها في حياتهم ليساعدوا فقراء و مساكين لمجتمعاتهم ويطوروا ملتهم بين صفوف الامم.

أهم نتائج البحث:

1. وضح هذا المقال العلمي منهج السيرة النبوية الشريفة و وصايا النبوية لتربية الشباب و تعليمه.
2. تحريض الشباب على عمل اليد والسعي لتكسب الرزق.
3. ابتعاد الشاب من لهو الجاهلية وعبثها.
4. رغبة الشاب في حب الله عزوجل
5. شوق العبادة لله سبحانه وتعالى

6. النفور من الحلف بالأصنام
7. اجتناب من الشرك بالله تبارك وتعالى
8. سنة نكاح رسول الله ﷺ للشاب
9. أهمية الحكمة والتدبر في زمن الشباب
10. تبيان أهمية مساهمة الشباب في تقدم الإجتماعي.
11. هذا المقال العلمي وجه المؤسسات و الحكومات إلى ترتيب البرامج الإصلاحية و والتربوية
12. هذا البحث شجع الشباب علي أخذ التعليم و التربية والأخلاق العالية في الحياة.

ماالفرق بين شبابنا وشباب الصحابة فى عصرنا الراهن؟ الشّباب يضيّعون وقتهم ومشغولون فى اللهو واللعب، ويتعوّدون على التدخين والمخمرات والسكرات ولايبالون بقيم الإسلام ولا يتبعون بأوامر الله والنواحى، ولكن حينما نرى دور الشّباب فى عهد الصحابة كيف قضواحياتهم وكيف جاهدوا فى سبيل الله بمالهم وأنفسهم؟ وماهى الخطوات التى تركوا لنا فى تاريخ الإسلام؟

فعندما نطالع التاريخ الإسلامى ونقرأ سير الصحابة فنعلم كانوا يعملون الدين ويتعلمون القرآن والسنة ويساعدون فقراءهم ومساكينهم وينفقون مالهم فى سبيل الله ويجاهدون فى الحرب مع النبى ويحبون رسوله العظيم حبّاً جمّاً ويتبعون أحكامه وسيرته وخطواته فهولاء الشّباب العظيم الّذين نشروا الإسلام بأيديهم فى العالم الشرق والغرب، وقامت الخلافة الإسلامية فى العرب والعجم بتضحياتهم وإنفاقهم وجهادهم ليجزين الله لهم أحسن الجزاء، وينزل الله عليهم رحمته وفضله وبركاته فى كل لحظة وساعة.

الحواشي

(1)۔ الممتحنة،4:60

(2)۔ الممتحنة،6:60

(3)۔ الأحزاب،21:33

(4)۔ ابن کثیر، أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي، تفسير القرآن العظيم (دار طيبة للنشر والتوزيع)، ج6،ص391.

(5)۔ ابن ماجه،ابو عبد الله محمد بن يزيد،سنن ابن ماجه(بيروت:دارالفكر)باب الصناعات، رقم الحديث 2149،ج2،ص727

(6)۔ ابن هشام، عبد الملك بن هشام بن أيوب الحميري المعافري أبو محمد، السيرة النبوية (بيروت:دار الجيل ،1411)، ج2،ص 9

(7)۔ نفس المصدر

(8)۔ نفس المصدر

(9)۔ النسائي،أحمد بن شعيب أبو عبد الرحمن النسائي،السنن الكبرى(بيروت:مؤسسة الرسالة، العلمية، 2001م)، باب،الحث على التكسب،رقم الحديث 6002،ج6،ص7

(10)۔ الأحزاب،33،31

(11)۔ الحاكم،محمد بن عبدالله أبو عبدالله الحاكم النيسابوري،مستدرك على الصحيحين(بيروت:دارالكتب العلمية،1990م)، كتاب التوبةوالإنابة،رقم الحديث،7619،ج4،ص273

(12)۔ البخاري،محمد بن إسماعيل،الجامع الصحيح(دار طوق النجاة،1422ھ)،باب،بنيان الكعبة،رقم الحديث3829 ، ج5،ص 41

(13)۔ القشيري،مسلم بن الحجاج أبو الحسين القشيري النيسابوري، الصحيح المسلم(بيروت:دار إحياء التراث العربي) باب بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ،رقم الحديث 252،ج:1،ص:140

(14)۔ الترمذي،محمد بن عيسى بن سورة الترمذي أبو عيسى، الشمائل المحمدية والخصائل المصطفوية(بيروت:مؤسسة الكتب الثقافية،1412م)،باب ما جاء في عبادة رسول الله ﷺ،رقم الحديث 264،ج1،ص 222

(15)۔ ابن كثير، أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي،السيرة النبوية(دار طيبة للنشر والتوزيع)، ج1،ص253.

(16)۔ ابن كثير، أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي،البداية والنهاية(بيروت،مكتبة المعارف،1990)، ج2،ص286

(17)۔ ابن إسحاق، محمد بن إسحاق،سيرة ابن إسحاق (المبتدأ والمبعث والمغازي)(معهد الدراسات والأبحاث للتعريف،تحقيق: محمد حميد الله)، ج2،ص 61

(18)۔ نفس المصدر

(19)۔ الطبري، محمد بن جرير الطبري أبو جعفر،تاريخ الرسل والملوك (مصر،دار المعارف)، ج2،ص 280

(20)۔ ابن سعد، محمد بن سعد بن منيع الزهري،الطبقات الكبرى(القاهرة:مكتبة الخانجي، 2001م)، ج1،ص 108

(21)۔ نفس المصدر، ج1،ص108

(22)۔ نفس المصدر، ج1،ص 108

(23)۔ الصالحي، محمد بن يوسف الصالحي الشامي،سُبُل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد(مصر)، ج2، ص 209

النعال النبوية بين السيرة والتاريخ والفن

Sandals of the Prophet between Serah , History and Art

محمّد علی عبد الحفيظ

أستاذ الآثار والحضارة الإسلامية، قسم التاريخ والحضارة ، كلية اللغة العربية بالقاهرة ،جامعة الأزهر

وكيل كلية الدراسات العليا السابق،جامعة الأزهر

Abstract:

"The prophetic relics have received a great deal of reverence and veneration in the hearts of Muslims from the era of prophethood to the present day, and among the prophetic relics that gained that position are the noble prophetic sandals attributed to the Prophet, may God bless him and grant him peace.

Studies specializing in the prophetic relics indicate that there are many sandals that remained preserved after the death of the Prophet, one of the manifestations of Muslims 'interest in these sandals was that they wrote independent books on them, including news reported about them in biography books, the shapes of these sandals, and the preserved models. Among them, and some of these books were interested in collecting the poems that were said in praise of these sandals, and one of the most famous books that dealt with this topic is the book "*fath al-mutal fi madeh al-neal* " by the Moroccan historian Ahmed bin Muhammad Al-Maqri.

The books of Serah and Shamaels provided us with detailed information about the Prophet's sandals and their descriptions. These sandals were also related with a number of historical incidents, and were a field for competition between the ruling families in the Islamic world, such as the Ottomans and the Saadian in Morocco. , It was also used to seek relief from the

horror of seditions, as happened in Fez when its people put examples of the Prophet's sandals on their heads during the sedition that broke out during the reign of Sultan Abi al-Maaly Zidan al-Saadi in 1020 AH.

The Muslims' reverence for the Prophet's sandals was reflected in the social customs and traditions, so they took amulets and amulets in their models, and placed their models in their homes, as they visited the places preserved these sandals , such as the *Al-Ashrafiyya* Madrasa in Damascus, and *Dar Al-Shuraffa AL-Tahreen* in Fez

In the field of Islamic arts, the Muslim artist was inspired the shape of the Prophet's sandals as a decorative element on the ceramic mihrabs carpets ,textiles, tombs,sundials, and women's jewelry in the form of these sandals was made as a matter of blessing. Drawings for these sandals, as well as books of *Awrad and Azkar.*

In this research we will follow the texts mentioned in the Serah and Islamic history books related to the Prophet's soles, and we will not stop for long at the drawings of the Prophet's soles in manuscripts given that they were dealt with in a previous study, and the research will be focused on studying the sandals drawings on buildings and applied arts through new examples. It has not been studied before".

Keywords: The prophetic relics - the prophetic sandals - ceramic tiles - Al-Maqarri - religious art – Ottoman art.

ملخص البحث:

لقيت الآثار النبوية قدرا كبيرا من الإجلال والتعظيم فى نفوس المسلمين منذ عصر النبوة وحتى يومنا هذا، ومن بين الآثار النبوية التى حظيت بتلك المكانة النعال النبوية الشريفة المنسوبة إلى النبيﷺ.

وتشير الدراسات المتخصصة فى الآثار النبوية إلى أن هناك عدة نعال بقيت محفوظة بعد وفاة النبي ﷺ ،وكان من مظاهر اهتمام المسلمين بهذه النعال أن كتبوا عنها مؤلفات مستقلة، تتضمن ما ورد عنها من أخبار فى كتب السيرة ،وأشكال هذه النعال، والنماذج المحفوظة منها، كما اهتمت

بعض هذه المؤلفات بجمع القصائد التى قيلت فى مدح هذه النعال ،ومن أشهر الكتب التى تناولت هذا الموضوع كتاب "فتح المتعال فى مدح النعال" للمؤرخ المغربي أحمد بن مُحَّد المقرى.

وقد أمدتنا كتب السيرة والشمائل بمعلومات مفصلة عن النعال النبوية وأوصافها، كما ارتبطت هذه النعال بعدد من الحوادث التاريخية، وكانت مجالا للتنافس بين الدول الحاكمة فى العالم الإسلامي مثل الدولة العثمانية ودولة السعديين فى المغرب ،كما كانت تستخدم للاستغاثة من هول الفتن كما حدث بفاس حين وضع أهلها أمثلة النعال النبوية على رؤسهم أثناء الفتنة التى اندلعت فى عهد السلطان أبي المعالى زيدان السعدي سنة 1020هـ/1611م.

انعكس تقديس المسلمين للنعال النبوية على العادات والتقاليد الاجتماعية، فاتخذوا تمائم وتعاويذ على صورتها، ووضعوا صورتها فى منازلهم ، كما قصدت الأماكن المحفوظة بها بالزيارة، مثل المدرسة الأشرفية فى دمشق، ودار الشرفاء الطاهريين فى فاس.

ارتبطت النعال النبوية بالفنون الإسلامية، حيث استلهم الفنان المسلم شكل النعال النبوية كعنصر زخرفي على المحاريب الخزفية وعلى السجاد والمنسوجات ، وعلى تراكيب القبور وعلى الساعات الشمسية، كما صنعت حلى النساء على شكل هذه النعال من باب التبرك، واشتملت مخطوطات السيرة والشمائل التى تعنى بأوصاف النبي ﷺ على رسوم لهذه النعال، وكذلك كتب الأوراد والأذكار.

وسوف نقوم فى هذا البحث بتتبع النصوص التى وردت فى كتب السيرة والتاريخ الإسلامي التى تتعلق بالنعال النبوية، ولن نقف طويلا عند رسوم النعال النبوية فى المخطوطات نظرا لتناولها فى دراسة سابقة، وسيكون البحث منصبا على دراسة رسوم النعال على العمائر وعلى الفنون التطبيقية من خلال نماذج جديدة لم تتم دراستها من قبل.

الكلمات المفتاحية:

الآثار النبوية- النعال النبوية- البلاطات الخزفية- المقري- الفن الديني- الفن العثماني.

DOI: 10.21608/mjaf.2020.46920.2008

المقدمة:

حظيت مقتنيات النبي ﷺ بقدر كبير من الإجلال والتعظيم في نفوس المسلمين منذ عصر النبوة وحتى يومنا هذا، وتتمثل هذه المقتنيات فى درعه وسيفه وعمامته وعصاه وقدحه وخاتمه ومكحلته ومروده ونعاله، ونالت النعال النبوية الشريفة المنسوبة إلى النبي (ﷺ) الاهتمام والاحترام والإكرام، ويرجع هذا الاهتمام لسببين أساسيين، الأول : أنها مصدر للخير والبركة، لأنها مست جسد النبي ﷺ، وكل ما مسه جسد النبي ﷺ فهو مبارك، ويجوز التبرك به فى حياته وبعد مماته[1]،

والثاني أن هناك اعتقاد لدى كثير من المسلمين أن هذه النعل عرج بهاالنبي عليه السلام إلى السماوات العلى، ووصل بها إلى سدرة المنتهى، ولم يؤمر بنزعها كما أمر موسى عليه السلام.

وكان من مظاهر اهتمام المسلمين بالنعال النبوية أن صنفت فيها الكتب، وألفت في مدحها القصائد، وقصدها المسلمونللزيارة والتبرك، وأخذوا يصنعون نماذج على نفس شكلها وهيئتها أطلق عليها "مثال النعل" أو "تمثال النعل"، كانوا يتبركونبها، ويرفعونها على رؤوسهم وقت الشدائد والمحن، ويعتقدون أن لها أسرارًا وخواصَّ معينة، كما استوحى الفنانون شكل-

"النعل النبوي" كعنصر زخرفي على كل أنواع الفنون التطبيقية.

والبحث الذي بين أيدينا يقدم دراسة جديدة حول موضوع النعال النبوية، تختلف عن الدراسات السابقة التي كان اهتمامها مُنص بًا على رسوم النعال في المخطوطات فحسب[2]، وسوف نقوم بتتبع النصوص التي وردت في كتب السيرة والتاريخ الإسلامي التي تتعلق بالنعال النبوية؛ للتعرف على صفة هذه النعال، وعددها، ومصير كل منها، وما يتعلق بها من أحداث تاريخية، كما سنقدم حصرًا كاملًا للمؤلفات التي كُتبت عن النعال، وسيكون البحث منص بًابصفة أساسية على دراسة رسوم النعال على العمائر وعلى الفنون التطبيقية، مع تقديم نماذج جديدة لم تتم دراستها من قبل.

مشكلة البحث: عدم وجود دراسات متخصصة اهتمت برسوم النعال النبوية على الفنون الإسلامية، وكان الاهتمام منصبا على صور النعال فى المخطوطات فحسب.

أهمية البحث: تكمن أهمية البحث فى تقديم صورة واضحة ودقيقة عن النعال التى كان يلبسها النبي الكريم، وعددها ومواصفاتها، ومظاهر احترام المسلمين لها، وانعكاس ذلك على بعض الممارسات الشعبية، وتضمن البحث دراسة أثرية وفنية لرسوم النعال التى وردت على العمائر وعلى الفنون التطبيقية.

أهداف البحث: جمع وتحليل النصوص التاريخية المتعلقة بالنعال النبوية- تقديم حصر دقيق لعدد النعال النبوية وتتبع رحلة كل نعل منها- تحديد المواصفات التى اتصفت بها نعال النبي ﷺ- دراسة نماذج من رسوم النعال النبوية على الفنون الإسلامية مثل البلاطات الخزفية – الأوانى الخزفية- تراكيب القبور- النسيج- السجاد- الرخام.

حدود البحث: من القرن الأول الهجري/السابع الميلادي، وحتى نهاية القرن الثالث عشر الهجري، التاسع عشر الميلادي.

منهجية البحث: اعتمد البحث على منهجين: المنهج التاريخي فيما يختص بالروايات التاريخية، والأحداث التاريخية المرتبطة بموضوع النعال، والمنهج الوصفي بالنسبة للتحف الفنية الباقية المشتملة على رسوم النعال.

أدوات البحث: كتب السيرة والشمائل- مصادر التاريخ الإسلامي المعتمدة- رسوم النعال النبوية المنفذة على الآثار والفنون الإسلامية- النماذج الباقية من النعال النبوية فى كل من فاس واستانبول.

الدراسات السابقة:

كتاب "فتح المتعال فى مدح النعال" للمؤرخ المغربي أحمد بن مُحَمَّد المقري، وهو كتاب مفيد فيما يتعلق بما ورد عن النعال فى كتب السنة وكتب السيرة ، لكن يعيب الكتاب الإسهاب والإطالة فى ذكر الأسانيد والأشعار.

دراستان للباحث /مُحَمَّد عبد الحفيظ خبطة الحسني ، النعال النبوية بين المشرق والمغرب، دراسة تاريخية فنية، بحث منشور بمجلة كلية الآداب والعلوم الإنسانية، العدد 23، الرباط ،2014م، الحلية النبوية والنعال الشريفة بين المشرق والمغرب، دراسة تاريخية فنية"،ط1، مطبوعات أمينة الأنصاري، فاس ،2014م.

وهاتان الدراستان اهتمتا بدراسة صور النعال النبوية من خلال المخطوطات، لكن هذا البحث يهتم بدراسة رسوم النعال النبوية على العمائر والفنون الإسلامية، كما يقدم معلومات جديدة تتعلق بمواصفات النعال النبوية وعددها ومصير كل نعل منها، كما يقدم نماذج جديدة لرسوم النعال لم ترد فى الدراسات السابقة.

تعريف النعل:

النعل: ما وُقِيتْ به القدم عن الأرض، وجمعه نعال، والنعل: ما ينتعله الإنسان أي: يلبسه في رجله، ونعل نعلًا وانتعل وتنعَّلأي: لبس نعلًا، والنعل مؤنثة على أرجح الآراء[3]، وقال بعض أئمة اللغة: النعل ما وُقِيتْ به القدم عن الأرض ولم يصلالساق[4]، وكانت العرب معروفة بلبس النعال، كما كانت النعال من لباس الأنبياء أيضًا، يؤكد ذلك ما ورد في القرآن الكريمفي قصة موسى (عليه السلام)،في قوله (تعالى:)"**فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى**"[5] .

ويتألف النعل من عدة أجزاء وهى: الطراق، أو "الطارق"، وهي جسم النعل نفسه، وقد يكون من قطعة واحدة أو من قطعتين ضُمَّ إحداها إلى الأخرى، تسمى كل قطعة منها "طاق"، ويسمى الجزء العلوي منه الذي يقع عليه القدم "سماء النعل"، وما أصاب الأرض منها يسمى "أرض النعل"، ومن أجزاء النعل أيضا : القِبال، بكسر القاف، ويقصد به السير أو الزمام الذي يوضع بين الإصبع الوسطى والتي تليها، ويسمى السير الرقيق الذي يكون في النعل على ظهر القدم أو على وجهه باسم.

"شراك النعل"[6]، ويطلق على النعل أسماء أخرى منها: "التاسومة" و"الحذاء"[7].

المؤلفات في النعال النبوية:

كان من مظاهر اهتمام المسلمين بالنعال النبوية أن كتبوا عنها مؤلفات مستقلة، تتضمن ما ورد عنها من أخبار في كتب السيرة، وأشكال هذه النعال، وعددها، ولونها، والنماذج المحفوظة منها، كما اهتمت بعض هذه المؤلفات بجمع القصائد التي قيلت في مدح هذه النعال، وقد أحصينا في هذا البحث ما يقرب من خمسة وعشرين كتابًا مستقلًا أُلفت في موضوع النعال النبوية، هذا بخلاف ما كُتب عنها من أبواب في ثنايا كتب السيرة والشمائل.

ويأتي على رأس الكتب التي أُلفت عن النعال النبوية من حيث أهميتها وشهرتها كتاب "فتح المتعال في مدح النعال"[8] للمؤرخ والفقيه والمحدث أبي العباس شهاب الدين أحمد بن مُحَمَّد المقري التلمساني المغربي المالكي المتوفى سنة 1041هـ /1632م، وتكمن أهمية هذا الكتاب في أنه قد تضمن جميع ما كتب في موضوع النعال عند المشارقة والمغاربة، جمع فيه المقري كل ما يتعلق بالموضوع من حديث ولغة وشعر وسيرة وتاريخ ووصف للنعال، ومن أهم ما يتضمنه الكتاب رسوم تخطيطية لأشكال النعال النبوية يبلغ عددها ستة أشكال أو أمثلة (لوحة)1، منها مثالان عليهما المعول والاعتماد، وأربعة أمثلة دونهما في القوة.

وللمقري مؤلفات أخرى حول الموضوع نفسه منها: "نفحات العنبر في وصف نعل ذي العلاء والمنبر"، وهو منظومة تعليمية في نعال النبي (ﷺ)، وكتاب آخر تحت اسم "النفحات العنبرية في نعل خير البرية" يتضمن نثرًا وشعرًا عن النعال الشريفة[9]، غير أن الكتاب الأول هو أهمها على الإطلاق.

وقد سبق كتاب المقري عن النعال كتب أخرى، لكنها ليست في درجة أهميته وفائدته، نذكر منها كتاب "نور العينين في تحقيق ال نعلين" للقاضي أبي عبد الله مُحَمَّد بن عيسى المغربي السبتي المالكي المتوفى سنة 505هـ/1111م، وألف الشيخ أبو إسحاق إبراهيم بن مُحَمَّد بن إبراهيم السلمي الأندلسي كتابا حول هذا الموضوع، لكن هذا الكتاب لم يصلنا ولا يعلم عنوانه، إلا أن المؤرخ والمحدث الشهير الحافظ ابن عساكر (المتوفى سنة 686هـ/1287م) صاحب كتاب "تاريخ دمشق ،"نقل أجزاء كثيرة من هذا الكتاب، حين ألف رسالة صغيرة حول هذا الموضوع عنوانها: "مثال نعال النبي ﷺ"[10]، وقد مثل فيه النعل النبوية، وذكر بعض ما يتعلق بها على سبيل الاختيار.

ومن الكتب المؤلفة عن النعال أيضًا كتاب "تمثال نعلي النبي صلى الله تعالى عليه وسلم"، للإمام الحافظ مسند خراسان أبي روح عبد المعز بن مُحَمَّد الهروي (المتوفى سنة 618هـ/1221م)، ومنها أيضا كتاب "نتيجة الحب الصميم وزكاة المنثور والمنظوم"[11] للإمام الحافظ العلامة أبي الربيع سليمان

بن موسى بن سالم الكلاعي البلنسي الأندلسي المعروف بابن سالم (المتوفى سنة 634هـ/1237م[12])، وألف شيخ الإسلام أحمد بن مُحَمَّد بن أبي بكر الفارقي كتابا سماه "صفة نعل النبي صلىالله عليه وسلم"، انتهى من تأليفه في سنة 683هـ/1264م بالحرم الشريف في مكة المكرمة، وهناك أيضا كتاب "اللآلئالمجموعة من باهر النظام وبارع الكلام في وصف مثال نعلي رسول الله عليه أفضل الصلاة والسلام" للإمام المحدث الفقيهعبد الله بن مُحَمَّد بن هارون الطائي القرطبي الأندلسي (المتوفى سنة 702هـ/1303م)، وفي العصر المملوكي وضع شيخالإسلام السراج البلقيني (المتوفى سنة 805هـ/1402م)، كتابا عن النعال اعتمد فيه على كتاب ابن عساكر السالف الذكر ،ولم يزد على ما ذكره ابن عساكر إلا قليلًا، وسماه "خدمة نعل القدم المحمدي"[13].

ومن الكتب التي ألفت في هذا الموضوع أيضا كتاب "خادم ال نعل ال شريف" للإمام جلال الدين عبد الرحمن السيوطي (المتوفى سنة 911 هـ/1505م)، ومنها أيضا كتاب "رسالة الصفا في وصف نعال المصطفى" لمؤلفه أحمد بن سليمان بن كمال باشا شمس الدين (المتوفى سنة 940هـ/ 1534م)، والكتاب ما يزال مخطوطًا، ومنه نسخة محفوظة بدار الكتب المصرية[14].

وخلال القرن التاسع عشر وأوائل القرن العشرين ظهر عدد كبير من الكتب المتعلقة بموضوع النعال، اعتمدت بصفة أساسية على كتاب "فتح المتعال في مدح النعال" للمقري، ونذكر من بين هذه الكتب كتاب "روضة الصفا في وصف نعل المصطفى "لأحمد بن سليمان زاده الطرابلسي (المتوفى سنة 1275هـ/1859م)، وتوجد منه نسخة مخطوطة بمكتبة متحف طوبقابي سراي باستانبول، يؤرخ بالفترة ما بين 1839 – 1861م[15]، وهناك أيضًا كتاب "الروض المأنوس في مدح نعال أشرف رسل الملك القدوس" كتبه هاشم بن يوسف النحريري الشافعي (توفي بعد سنة 1856م[16])، ويوجد في مكتبة جلال الدين البري في مكة المكرمة مخطوط لمؤلف مجهول تم تأليفه في القاهرة سنة 1243هـ/ 1827م عنوانه "الآثار في نعال النبي المختار"[17].

وتقدم الباحثة كريستين جروبر Christiane Gruber تفسيرًا لظهور عدد من الكتب المتعلقة بالنعال النبوية خلال القرن التاسع عشر، ومنها كتاب "روضة الصفا في وصف نعل المصطفى"، يتمثل في رغبة الدولة العثمانية في مناهضة الآراء الوهابية التي نادت بأن التبرك بهذه الآثار يعد شركًا بالله، ومن ثم قامت بدعم وتشجيع التأليف في موضوع "الآثار النبوية"، لإضفاء الشرعية الدينية على رعايتها واهتمامها بالآثار النبوية، وأن التبرك بها يتناغم مع روح الشريعة، ويتفق مع آراء الفقهاء، ولا يعد شركًا أو كفرًا[18].

واستمر الاهتمام بالتأليف في موضوع النعال النبوية خلال النصف الأول من القرن العشرين، ومن الكتب التي تعود لتلك الفترة أرجوزة: "نيل الآمال في زيارة أشرف النعال" للعلامة الشيخ عبد

السلام بن مُحَّد الطيب بن عبد الرحمن الشرقي الأندلسي الإشبيلي (المتوفى سنة 1348 هـ/ 1929م[19])، و "بلوغ الآمال مختصر كتاب فتح المتعال في مثال النعال» للإمام الفقيه الشيخ يوسف بن إسماعيل النبهاني (المتوفى سنة 1350هـ/1932م)، وكتاب "نيل الشفا بنعل المصطفى "لأشرف علي التهانوي (المتوفى سنة 1362هـ/1943م)، ومنها أيضًا كتاب "جلاء الأبصار في صفة نعل النبي المختار"، وكتاب "المرتجي بالقبول خدمة نعل الرسول" للإمام عبد الله سراج الحنفي (المتوفى سنة 1422 هـ/2002م)، وكتاب "نعلين شريف" ، (نعلي الرسول – ﷺ(للشيخ شريف)مُحَّد عبدالقادر(طبع سنة 1960م.)

ويلاحظ أن العدد الأكبر من المؤلفات التي كتبت عن النعال النبوية تعود إلى علماء المغرب والأندلس، ويعلل المقري ذلك بأن المشارقة كانت عندهم النعال الخاصة بالنبي (ﷺ)، فكانوا يبردون الحب والشوق للنبي بالنظر لها، أما المغاربة فتفجر الحب والشوق شعرًا ونثرًا[20].

ولعل كثرة الكتب المؤلفة في هذا الموضوع تعطينا دلالة قوية على اهتمام علماء المسلمين بموضوع النعال النبوية، وأن مثل هذه الكتب كانت تلقى رواجًا وقبولًا عند عامة المسلمين، لدرجة أن ظهور كتاب جديد حول هذا الموضوع، أو حتىوصول نسخة منه إلى أحد البلاد كان حدثًا يستحق الذكر لدى المؤرخين المسلمين، وعلى سبيل المثال يذكر مؤرخ اليمنعبد الله بن علي بن أحمد بن مُحَّد الحسني، المعروف بالوزير في كتابه "تاريخ طبق الحلوى وصحاف المن والسلوى" فيحوادث سنة 1066هـ/ 1656م"وفيها وصلتْ إلى اليمن نسخة من كتاب فتح المتعال في مدح النعال للشيخ العلامة أحمدبن مُحَّد المقري المالكي التلمساني الأصل، والمولد الفاسي الدار نزيل القاهرة المحروسة، وكان قد صنف قبله في ذلك ابنعساكر والسبتي، وفي هذه السنة خرج إلى اليمن أيضًا كتاب "ريحانة الألبا وزهرة الحياة الدنيا"[21]، وقد ذكر هو أيضا في النعل الشريف مبحثًا"[22].

النعال النبوية فى كتب السيرة والشمائل وكتب السنة: أمدتنا كتب السيرة والشمائل، وكتب السنة بمعلومات مفصلة عن النعال التي كان يمشى فيها النبي(ﷺ)،فقد كان النبي(ﷺ) يلبس نوعًا من النعال مصنوعة من جلود البقر المدبوغ، تسمى "النعال السِّبتية"، وهى النعال الخالية من الشعر، ومن المعروف أن جلود الأبقارأكثر الجلود المدبوغة متانة، كما لبس (النبي ﷺ) "النعال الحضرمية "– شأنه في ذلك شأن بقية العرب– والتي عرفت أيضا باسم "النعال المخصرة" التي تضيق من جانبيها، كأنها ناقصة الخصرين[23].

وقد ثبت أن الصحابي الجليل عبد الله بن مسعود(ﷺ) كان صاحب نعلي النبي (ﷺ)، وكان يُلبس النبي النعلين إذا قام، ويجعلهما في ذراعيه إذا جلس، حتى يقوم النبي (ﷺ)، كما أشارت كتب السيرة إلى أن النبي (ﷺ) كان يَخْصف نعله، قال العلامة ابن حجر: قد صح عنه(ﷺ) أنه كان

يخصف نعله، أي: يخرزها ليجمع طرائقها، ويضم كل طراق بالآخر، ويضع طاقا فوق طاق، أي: يُركب بعضها على بعض، وفى بعض الأحيان كان النبي (ﷺ) يعطى نعله لسيدنا علي بن أبى طالب ليقوم بخصفها، ومن هنا كان من ألقاب سيدنا علي "خاصف نعل النبي"[24].

وكان ﷺ يكره أن يطلع نعليه شئ على قدميه، قال المناوي، أى يكره أن يزيد النعل على قدر القدم أو ينفص، وهذا يدل على حسن الذوق، ورقة الإحساس، والمعرفة التامة وحسن الاختيار والكمال فى كل شئ[25].

وتشير كتب السيرة والشمائل، وكتب السنة إلى مجموعة من الصفات تميزت بها النعال النبوية، أمكننا حصرها في سبع صفات:

أولها: أن نعل رسول الله (ﷺ) كان لها "قِبالان مثنى شراكهما"،عن ابن عباس قال: كان لنعل رسول الله (ﷺ) قبالان مثنى شراكهما»، وعن قتادة، قال: قلت لأنس بن مالك: «كيف كان نعل رسول الله ﷺ؟ قال: لهما قبالان»[26]. والقِبال بالكسر، وهو زمام النعل أي: السير الذي بين الأصبعين الوسطى والتي تليها ،وذكر بعضهم: أنه كان يضع أحد الزمامين بين الإبهام والتي تليها، والآخر بين الوسطى والتي تليها، ويجمعها إلى السير الذي بظهر قدمه، وهو الشراك الذي على وجهها، وكان الشراك مثنى[27] .

أما الصفة الثانية: فقد كانت نعلا النبي (ﷺ) جرداوين، أي: لا شعر عليهما[28].

وثالثها: أنها كانت تُصنع من جلد البقر المدبوغ الذي يُجلب من اليمن ومن الطائف، وفى رواية لأبي ذر (رضي الله عنه): أن نعله (ﷺ) كانت من جلود البقر[29]، ويطلق عليها اسم "النعال السبتية"، أي: التي دُبغت وأزيل عنها الشعر، حتى أصبحت رطبة لينة، وتشير الأخبار الواردة في كتب الشمائل أيضًا أن النبي(ﷺ) كان له نعل من طاق واحدة، ونعل من أكثر من طاق.

أشارت كتب السيرة وكتب السنة أيضًا إلى أربعة صفات أخرى كانت تميز النعال التي كان يلبسها النبي (ﷺ)، وهي "أنها كانت معقبة مخصرة ملسنة مُخْرَثمة" والصفات الثلاث الأولى وردت في حديث رواه هشام بن عروة، قال: رأيت نعل رسول الله (ﷺ) مخصرة معقبة ملسنة لها قبالان، وعن ضباعة بنت الزبير بن عبد المطلبرضى الله عنها قالت: كان لرسول الله (ﷺ) نعل لها خصرة"[30]، و"النعال المخصرة": هي التي تضيق منجانبيها، كأنها ناقصة الخصرين، فقد قطع خصراها حتى صارا مستدقين، وهذه الميزة أخذت من "النعال الحضرمية" التيكان يلبسها العرب، كما وصفت نعال النبي (ﷺ) بأنها كانت "ملسنة" وهى التي فيها طول ولطافة علىهيئة اللسان من الأمام، وقيل هي التي جُعل لها لسان، وهو الهنة الناتئة في مقدمها، كما كانت نعال النبي (ﷺ) "معقبة" أي لها عقب من سيور تضم به القدم.

وذكر السهيلي في "الروض الأنف" أن من صفات نعل النبي (ﷺ) أنها كانت "مخرّثمة" والمخرثمة التي لها خرثمة، وفي "اللسان": خرْثمة النعل بفتح الخاء وكسرها وإسكان الراء وفتح الثاء: رأسها[31].

أما عن ألوان النعال النبوية، فيبدو من خلال الروايات المختلفة أنها لم تكن ذات لون واحد، فقال بعض الحفاظ أن نعله (ﷺ) كانت صفراء[32]، كما أشارت بعض الروايات إلى أن نعل النبي (ﷺ) كانت مصنوعة من جلود البقر المدبوغ، وهذا يقتضى –حسب ظني- أن يكون لونها مائلا إلى اللون البني بدرجاته المختلفة[33].

أما عن مقاس نعل النبي (ﷺ) فقد حددها الحافظ العراقي فى "ألفية السيرة"، فذكر أن طولها كانت شبرا واحدا، وإصبعين، وإذا أخذنا بالرأى الراجح أن الشبر يساوى حوالى 23 سم، والإصبع تساوى1,85سم، فيكون طول النعل الشريف حوالى(70,)26 سم ،أما عرض النعل مما يلى الكعبين فقد حددها بسبعة أصابع، أى حوالى(12,95)سم[34].

النعال النبوية في التاريخ الإسلامي:

أمدتنا المصادر التاريخية بكثير من الروايات والأخبار والحوادث المتعلقة بالنعال المنسوبة إلى النبي (ﷺ)،فتحدثت المصادر عن النعال التي خلفها النبي (ﷺ)، وإلى من آلت من بعده، ومصير كل نعل منها، كما تناولت بعض الأحداث التاريخية التي وقعت في المشرق والمغرب تتعلق بهذه النعال.

وتشير المصادر التاريخية إلى أنه كان للنبي (ﷺ) عدة نعال، تناقلها المسلمون عبر العصور:

أولها: النعل التي كانت عند السيدة عائشة (رضي الله عنها)، ثم انتقلت إلى أختها أم كلثوم بنت أبى بكر الصديق (رضي الله عنهما)، وكانت أم كلثوم زوجة لطلحة بن عبيد الله، فلما قتل في معركة الجمل، تزوجت بعده عبد الله بن عبد الرحمن بن أبى ربيعة المخزومي، فصارت إليه هذه النعل الشريفة، ثم صارت لحفيده إسماعيل بن إبراهيم بن عبد الرحمن بن أبى ربيعة المخزومي[35]، وقد اختفت هذه النعل لاحقًا، ولم يُعرف مصيرها، ولا أين هي حتى الآن.

ثانيها: نعل كانت بالمدينة، عند فاطمة بنت عبد الله بن عباس (رضي الله عنهما)، وقد ذكرها المقري في كتابه "فتح المتعال في مدح النعال"، لكنه لم يفصح عن مصيرها[36].

ثالثها: زوج نعل كانتا في حوزة الصحابي الجليل شداد بن أوس الأنصاري، انتقل من بعده إلى اثنين من أولاده وهما ابنه "مُحَمَّد"، وابنته "خزرج"، وكانت النعل زوج خلفها "شداد" عند ولده فصارت إلى "مُحَمَّد بن شداد"، فلما أن رأت أخته

"خزرج" ما نزل به وبأهله، وأنه لم يبق منهم أحد على قيد الحياة بعد الزلزال الذي ضرب بلاد الشام سنة 130هـ/748م جاءت فأخذت فرد النعلين، وقالت يا أخي ليس لك نسل، وقد رزقت ولدًا، وهذه مكرمة رسول الله (ﷺ) أحب أن تشرك فيها ولدي، فأعطني أحد النعلين، فأخذتها منه، فمكثت النعل عندها، فلما قدمَ الخليفة "المهديُّ "إلى بيت المقدس؛ جاءته "خَزْرَج"، وعرفته بنسبها من شدَّاد بن أوس، فعرف نسبها، وأعطَتْه النَّعل، فقَبِلهَا منها، وأعطاها ألفَ دينار، وكتبَ لها ضيعة (قرية)، ثم بعث إلى مُحَمّد بن شداد فأتي به فحمل على أيدي الرجال – للمرض الذي أصابه بعد تهدم منزلهعليه بسبب الزلزال– وطلب منه النعل الآخر، فبكى، وناشَدَه بقَرابته من رسول الله (صلى الله عليه وسلم) أن لا يفرّقَ بينهوبينه، وقال: "إنَّ الأمر قد قَرُب، فلا تفجعني فيها، ولا تسلبني مكرمة اختصنا بها ابن عمك رسول الله (ﷺ) نبي الرحمة، فَرَقَّ له المهدي، ولم يأخذها منه، ووصلهَ وأقرها على حالتها"[37].

وهذه النعل التي كانت عند شداد بن أوس (رضي الله عنه)، ثم انتقلت إلى أولاده، لا يُعلم أيضًا مصيرها بعد عصر الخليفة العباسي المهدي.

رابعها: النعل التي كانت موجودة بدار الحديث الأشرفية بدمشق، وكانت فردة واحدة، وأصل هذه النعل كانت عند أم المؤمنين ميمونة بنت الحارث الهلالية (رضي الله عنها)، فتوارثها ورثُتها من بعدها إلى أن وصلت إلى بني أبي الحديد، وقد ذكر السمعاني أنه رأى هذه النعل لما قدم دمشق عند الشيخ عبد الرحمن بن أبي الحديد سنة ست وثلاثين وخمسمائة، وقد آلت إلى نظام الدين أبي العباس أحمد بن عثمان بن أبي الحديد السلمي المولود في جمادى الآخرة سنة سبعين وخمسمائة ،وهو من بيت مشهور بالعلم، وكانت معه فردة نعل النبي ﷺ ورثها من آبائه، كان يسافر به إلى الملوك فيعطونه الأموال[38]، وكان السلطان الأشرف موسى بن السلطان الملك العادل أبي بكر بن أيوب يقربه ويجزل له العطاء؛ لأجل أن يشترى منه النعل المذكور، فلم يُسمح بذلك، فقال له الملك الأشرف: أشتهي أن تعطيني من هذا الأثر الشريف بقدر الحمصة لأجعله في كفني إذا مت، فأجابه إلى ذلك، ووعده بإعطائه ثلاثين ألف درهم، وتقرر أنه في غد ذلك اليوم يحضر العلماء والمشايخ ويقطع من ذلك مطلوبه، واغتبط ابن أبي الحديد بذلك، فلما كان في الليل انثنى عزم الملك الأشرف، وسير إلى ابن أبي الحديد بذلك فسقط في يده لتوقعه فوات المبلغ الذي سمح له به، فلما أصبح حضر بين يديه وسأله عن السبب الموجب لذلك، فقال: فكرت في أنني متى أخذت من هذا الأثر الشريف هذا القدر تشبه بي الملوك، فيُفضي الحال إلى عدم هذا الأثر الشريف من الوجود، وأكون أنا السبب فتركته لله تعالى، وأما القدر الذي سمحت لك به فخذه لا أرجع فيه، فاستطار ابن أبي الحديد فرحًا، وأخذ تلك الجملة وسافر إلى بلاد الشرق[39] ثم رتبه الملك الأشرف بمشهد

الخليل المعروف بين حران والرقة، وقرر له معلومًا، فأقام هناك إلى أن توفي، وأوصى بالنعل للملك الأشرف ففرح بها، فأخذها إليه وعظمها، ثم لما بنى دار الحديث الأشرفية إلى جانب القلعة، جعلها في خزانة منها، وجعل لها خادمًا، وقرر له من المعلوم كل شهر أربعين درهمًا[40]، وأباح للناس زيارة النعل الشريف في عصر الاثنين والخميس من كل أسبوع.

ومن الحوادث التاريخية المتعلقة بهذه النعل الشريفة، ما وقع بدمشق من الأمير سيف الدين كراي نائب الشام في زمن السلطان المملوكي الناصر مُحَمَّد بن قلاوون، وذلك أنه قرر على أهل دمشق ما عجزوا عن أدائه فأغلقوا البلد، لأنه أدخل في هذه المظلمة أهل الأسواق وحواضر البلد وأملاكها وحاراتها، فضَجَّ الناس، وأغلقوا البلد، فلما كان يوم الاثنين ثالث عشر جمادى الأولى من عام أحد عشر وسبعمائة أخذ الخطيب جلال الدين القزويني المصحف العثماني ونعل النبي (ﷺ) من دار الحديث الأشرفية، وخرج من باب الفرج، ومعه العلماء والفقهاء والقراء والمؤذنون والأئمة وعامة الناس، فلما وصلوا إلى النائب أمر بضربهم، وضرب النقباء الناس، ورموا المصحف العثماني، والنعل الشريفة النبوية ،فعندها رجمهم الناس، وأخذوا الجلال القزويني إلى القصر، وخلص العوام المصحف والنعل الشريفة ودخلوا البلد، فاتفق بعد عشرة أيام أن عوقب سيف الدين كراي المذكور، وقيد وسجن بأمر السلطان الناصر مُحَمَّد بن قلاوون، وناله من الإهانة ما ناله من جزاء تهاونه بالمصحف الشريف والنعل النبوية، وفرج الله عن أهل دمشق[41].

ويذكر المقري صاحب كتاب "فتح المتعال في مدح النعال" أنه سأل عن هذه النعل في دمشق فلم يجدها، ورجح أنها فقدت حينما دخل تيمور لنك دمشق وخربها فى سنة 803ھ/ 1401م، لكن الباحث/ مُحَمَّد الحسني يقول: إنه ربما نقلت هذه النعل —فى ظروف غامضة– إلى استانبول أيام الدولة العثمانية[42]، وإن كنا نستبعد هذا الرأي؛ لأن هذه النعل قد اختفت بالفعل بعداستيلاء تيمور لنك على دمشق، ولم يرد لها ذكر على لسان أحد من الرحالة الذين زاروا دمشق بعد هذه الحادثة.

خامسها: قطعة من نعل، كانت محفوظة لدى القاضي زين الدين عبد الباسط، كان يحملها دائما في عمامته من باب التبرك ،وكان لهذه القطعة قصة أوردها كل من السخاوي وابن تغرى بردى، فذكرا أن السلطان لما غضب على القاضي عبد الباسط حبسه في برج عند باب القلعة، وكلما هم السلطان بعقابه يتراجع عن ذلك، بعد أن نقل إليه القاضي عبد الباسط أن معه الاسم الأعظم أو أنه يسحر السلطان، وفى المرة الأخيرة طلب السلطان من الوالي أن يجرده من جميع ثيابه، فدخل عليه الوالي ،وأمره أن يقلع جميع ما عليه من الثياب والعمامة، بالإضافة إلى الخواتم التي كانت في أصابع يديه، ومضى بها الوالي إلى السلطان، فوجد في عمامته قطعة أديم (جلد)، ذكر أنها من نعل النبي (ﷺ)، ثم وجدت في عمامته أوراق فيها أدعية ونحوها[43].

ويرى العلامة أحمد تيمور باشا أن هذه القطعة من النعل الشريف ربما كانت مأخوذة من النعل الشريف التي كانت بالمدرسة الأشرفية في دمشق، فقد كان لهذا القاضي من الجاه العريض والتصرف في سلطنة المماليك في مصر والشام وما يليهما ،ما يمكنه من الحصول على قطعة من تلك النعل أو من غيرها من النعال النبوية التي كان يتوارثها من خصه الله بها، ولا يعرف مصير هذه القطعة من النعل أيضًا بعد وفاة القاضي عبد الباسط سنة 854هـ/1450م[44]

سادسها: فردة نعل كانت في المدرسة الدماغية في دمشق، يذكر النعيمي نقلًا عن العلامة بدر الدين ابن مكتوم أن النعل التي كانت في هذه المدرسة هي اليمين، وأن التي في الأشرفية اليسار، وكانت الشهرة للتي في الأشرفية لشهرة مكانها وخفاء مكان الأخرى، فأخذ تيمور لنك الفردتين عندما غزا دمشق [45].

سابعها: نعل كانت تملكها والدة السلطان منصور السعدي الحرة مسعودة الوزكيتية، وذكرها العلامة البوسعيدي في كتابه "يمن النوال في وصف النعال" فقال: "وكانت عند أم السلطان فمكنت منها بعض من يواليه، فحذا عليها وحذا الناس على حذوها"، وهذه النعل ضاعت.

ثامنها: هي التي كانت محفوظة بدار الشرفاء الطاهريين بمدينة فاس بالمغرب، يقال أنها كانت فى الأصل فى حوزة الخليفة عثمان بن عفانؓ، ثم انتقلت إلى معاوية ابن أبى سفيان ؓ، وظلت عند أفراد البيت الأموي، فلما زالت دولتهم، حملها معه إلى الأندلس الأمير عبد الرحمن الداخل، وظلت فى ملك هذا البيت إلى القرن 7هـ/13م، ثم انتقلت إلى ملك الشرفاء الصقليين الطاهريين، حملوها معهم إلى المغرب، واستقروا بفاس، ولا تزال هذه النعل بدار الشرفاء الطاهريين الصقليين بمدينة فاس، ويقام لها احتفال كبير في 27 رمضان من كل عام، ويتبرك بها فى هذه الليلة[46].

ومن الأحداث التاريخية المرتبطة بهذه النعل: ما ترويه المصادر التاريخية أن جفافًا كبيرًا أصاب المغرب في سنة 1091هـ/1680م، وأقيمت صلاة الاستسقاء مرارًا، ولم ينزل المطر، وأصاب الناسَ الهم والغم والقنوط، فنصح شيخ الإسلام عبد القادر بن علي الفاسي الفهري سكان مدينة فاس بإقامة صلاة الاستسقاء من جديد، ولكن على شرط أن يكون بجانب المسلمين المصلين النعال النبوية التي في حوزة الشرفاء الطاهريين الحسينيين، وأن يكون من بين المصلين ذرية النبي (ﷺ)، وبالفعل قام الخطيب العلامة مُحَمَّد العربي بن أحمد الأندلسي ثم الفاسي باتباع هذه النصيحة عندما أقام صلاة الاستسقاء بمصلى باب الحمراء داخل باب الفتوح بفاس، وتوسل في خطبته بالرسول (صلى الله عليه وسلم) وبآله، ولم يعد المصلون إلى بيوتهم حتى نزل المطر بغزارة، ورحم الله البلاد والعباد[47].

كما كانت تستخدم هذه النعال النبوية للاستغاثة من هول الفتن، كما حدث بفاس حين وضع أهلها أمثلة النعال النبوية على رؤوسهم أثناء الفتنة التي اندلعت في عهد السلطان أبي المعالي زيدان السعدي سنة 1020هـ/1611م[48].

ومن الحوادث التاريخية المتعلقة بهذه النعل أيضا ما حدث فى نحو سنة **1114هـ/1702م** حين فرض السلطان المنصوربالله إسماعيل بن الشريف الحسني مغارم على أهل فاس، فطلب أهل فاس من الشرفاء الطاهريين الصقليين أن يعطوهم أحدفردتي النعل النبوية يستشفعون بها للسلطان، فحملها بعض الشرفاء المذكورين، وساروا إلى السلطان، فأحضروها بين يديه ،ودفعوها له بمكناسة، فعفا عن أهل فاس، وأخذ النعل وأدخلها لداره بقصد التبرك، وبنى لها قبة بداره تسمى "قبة النعال"[49].

تاسعها: نعل محفوظة حاليا بمتحف بقصر طوبقابي سراي في استانبول (لوحة)2، ضمن مجموعة من المقتنيات النبوية المحفوظة في حجرة الأمانات المقدسة، وهذه النعل ليس مؤكدا نسبتها للنبي (ﷺ)، فالبعض يعتبرها واحدة من النعال المذكورة[50]، والبعض يرى أنها نعل مختلفة، وآخرون يعتبرونها مجرد نسخة مقلدة من النعل الأصلية التي كانت للنبي (ﷺ[51]).

وبالإضافة إلى هذه النماذج التى وردت فى المصادر التاريخية، توجد أمثلة أخرى من النعال منتشرة فى أماكن متعددة من العالم الإسلامي، فى الهند وباكستان وأفغانستان وسوريا ولبنان ،لكن ليس هناك دليل على صحة نسبتها للنبي ﷺ، وتمتلك أسرة الدندراوية – بمركز دندرة بمحافظة قنا بمصر– والتى يرجع نسبها إلى الحسن بن علي رضي الله عنه ،نعلا تنسبه للنبي ﷺ ، لكن لا يمكننا الجزم بصحة ذلك من عدمه لأنهم لا يطلعون أحدا عليه[52].

النعال النبوية في الثقافة الدينية الشعبية:

اعتنى المسلمون في المشرق والمغرب بعمل نماذج للنعل النبوي، وكان المغاربة أشد عناية بهذا الأمر من المشارقة، ويفسر المقري ذلك بأن أهل المشرق كانت النعل النبوية بعينها موجودة بين أظهرهم عند بني الحديد، ثم في المدرسة الأشرفية بالشام يتبركون بها، أما المغاربة فلم يكن متاحًا أمامهم إلا المثال، ومن ارتحل منهم إلى المشرق ورأى النعل النبوية مثل عليها، أي: صنع نموذجًا مشابهًا لها على نفس هيئتها، وقد أورد المقري ستة نماذج "أمثلة" من النعال النبوية، توجد بينها اختلافات طفيفة، وذكر المقري أن المثال الأول والثاني هما المعتمدان عنده، وأرجع سبب الاختلاف في أمثلة النعل النبوية إلى تعدد النعل النبوية التي حصل التمثيل بها، كما أن هذه الأمثلة كانت تؤخذ على وجه التقريب، وليس على وجه الدقة[53].

تناقل المسلمون أمثلة النعال النبوية جيلًا بعد جيل، واشتملت كتب الشمائل المحمدية والأوراد والأذكار بالإضافة إلى الكتب المتخصصة في موضوع الآثار النبوية بصفة عامة أو في موضوع النعال

بصفة خاصة على رسوم تخطيطية للنعال النبوية ،وترسخ لدى عامة المسلمين في المشرق والمغرب بعض المعتقدات الدينية الشعبية بشأن النعال النبوية، فقد كانت العامة تعتقد أن لمثال النعل الشريف أسرارًا وبركاتٍ وخواصَّ ،منها أن من توسل بصاحبها (ﷺ) في حاجة قضيت، وما توسل أحد بصاحبها في ضيق إلا فرج، ولا في مرض إلا شفى بشرط قوة الإيمان، ومن وضعها على محل وجع – بنية صادقة– شفاه الله من حينه، وإن أمسكها متبركا بها كانت له أمانًا من بغى البغاة، وحرزًا من الشيطان، ومن عين كل حاسد، وإن أمسكتها صاحبة الطلق بيمينها، وقد اشتد عليها الطلق تيسر أمرها في الحين، ومن لازم حملها كان له القبول التام من الخلق، ولابد أن يزور النبي (ﷺ)، أو يراه منامًا، ومن سافر به في بر أو بحر فعرضت له آفة خوف أو هلاك نجاه الله وأمَّنه[54]، ومن خواص مثال النعل الشريف أيضًا، ومنافعه أنه أمان من النظرة والسحر، وأنه لم يكن في جيش فهزم، ولا في قافلة فنهبت، ولا في سفينة فغرقت، ولا في بيت فأحرق، ولا في متاع فسرق[55].

وكان يعتقد أيضًا أن من أصيب بصداع، ووضع مثال النعل على رأسه شفى في الحال، وفى هذا يقول الشيخ عمر بن حسين بن عمر الشهير باللبقي المتوفى سنة 1189هـ/1775م:

لنِعْلِ خير البرايا ... على الرؤوس ارتفاعُ يحمله الرأس يبْرا ... إن اعتراه الصداعُ [56]

انعكست هذه المعتقدات –المتعلقة بالنعال النبوية– على العادات والتقاليد الاجتماعية في المجتمعات المسلمة، وبصفة خاصة خلال فترة حكم الدولة العثمانية والدول المعاصرة لها في إيران والهند والمغرب، فكانوا يتبركون بصورة هذه النعال فيقبلونها ويمسحون وجوههم بها، وقاموا بنقش صورة النعل النبوي على جدران البيوت، وربما صنعوا منها لوحات خطية وعلقوهاعلى الجدران، كما نقشوها على تراكيب القبور، اعتقادًا منهم أنها تشفع للمتوفى في قبره، واتخذوا تمائم وتعاويذ على صورتها، وفى ذلك يذكر أبو حامد الفاسي في إحدى شروح كتاب "دلائل الخيرات" للجزولي: "وكثيرًا ما يصنع الناس من الكاغيد وغيره، مثال النعل الكريمة، ويجعلونه على رؤوسهم وفى بيوتهم وبضائعهم تميمة"[57].

النعال النبوية فی الفنون الإسلامية:

ارتبطت النعال النبوية بالفنون الإسلامية، حيث استلهم الفنان المسلم شكل النعال النبوية كعنصر وظيفي وزخرفي على البلاطات الخزفية التي تكسو المحاريب والجدران، وعلى السجاد والمنسوجات، وعلى تراكيب القبور وعلى الساعات الشمسية، كما صنعت حلي النساء على شكل هذه النعال من باب التبرك، واشتملت مخطوطات السيرة والشمائل التي تعنى بأوصاف النبي (صلى الله عليه وسلم) على رسوم لهذه النعال، وكذلك كتب الأوراد والأذكار.

وقد لاحظ بعض مؤرخي الفن الإسلامي أن الاهتمام برسم النعل الشريف على الفنون الإسلامية قد بدأ يتزايد منذ القرن العاشر الهجري/ السادس عشر الميلادي، وبصفة خاصة في الفن العثماني والصفوي والمغولي الهندي[58]، كما يلاحظ أن مدينتي دمشق وفاس اللتين شرفتا باحتضان النعال الشريفة بين جنباتها كانتا من أكثر المدن الإسلامية تمثيلًا لشكل النعال الشريفة على مبانيها وعلى فنونها التطبيقية، حيث تركت هذه النعال بصمة قوية في الذاكرة الدينية والاجتماعية والموروثات الثقافية لهاتين المدينتين، الأمر الذي انعكس على منتجات الفنون التطبيقية فيهما.

نماذج من رسوم النعال النبوية الممثلة على الفنون الإسلامية:

رسوم النعال النبوية على البلاطات الخزفية : يلاحظ أن الكسوات الخزفية التي كانت تكسو المحاريب وجدران العمائر الإسلامية كانت أكثر الفنون استخداما لهذا العنصر الزخرفي، وأروع الأمثلة لرسم النعل النبوي نجده على بلاطة خزفية ضمن تجميعة من البلاطات الخزفية بجامع سنان باشا في حي أسكودار في استانبول (لوحة)3، الذي بني في سنة **954**هـ/**1547**–**1548**م، وقد نفذ شكل "النعلين" باللون البني الداكن، وتم تحديده بخطوط باللون الأحمر الطوبي على خلفية بيضاء قاتمة نوعًا ما، وفى مقدمة النعل رسم خط عرضي باللون الأحمر يعبر عن السير أو الإبزيم.

وتشتمل البلاطة على أربعة نصوص كتبت بخط دارج غير متقن، تقرأ كما يلي:

- في أعلى البلاطة: نعلي قدم سيد المرسلين (ﷺ.)
- في أسفل البلاطة: يا مبصرًا تمثال نعل نبيه قبل مثال النعل لا متكبرا.
- في وسط البلاطة بين النعلين: يا طالبا لمثال نعل نبيه ها قد وجدت إلى اللقا سبيلا[59]
- على اليسار: هذا مثال النعل نعل المصطفى أكرم بها نعلا علت ومثالا

ويلاحظ أن رسم النعلين غير متقن، كما أنهما غير متماثلين في الحجم، فالنعل الأيمن أكبر قليلا من الأيسر، ويبدو أن الفنان قد حاول أن يقلد المثال الثاني (لوحة)**1** من الأمثلة الستة لنعل النبي (ﷺ) التي أوردها المقري في كتابه "فتح المتعال" فجعل الخصر في نهاية النعل، وليس في وسطه.

ويرجح أحد الباحثين أن هذه البلاطات التي تحتوى على رسم النعلين لا تعود لعصر إنشاء الجامع، وإنما أضيفت إلى الجامع أثناء تجديده في القرن الثامن عشر، وربما كان ذلك في نفس السنة التي صنع فيها منبر خشبي جديد للجامع وهى سنة

1166هـ/**1752**– **1753**م، كما رجح أيضا أنها من صناعة مدينة كوتاهية وليست من صناعة مدينة إزنك[60].

مثال آخر لرسم النعل النبي (ﷺ) نجده في مسجد خوجه شمس الدين (لوحة)**4** الذي بُني في سنة **878**هـ/**1473**–**1474**م، ويوجد بهذا المسجد تجميعة من البلاطات الخزفية تعود إلى القرن الحادي

عشر الهجري/ السابع عشر الميلادي، وتشتمل على رسم الكعبة، ويتوسط تلك التجميعة بلاطة عليها رسم النعل الشريف منفذ باللون الأخضرالفاتح المائل إلى البني على أرضية بيضاء، وفى الجزء الأمامي من النعل رسم حزام باللون الأحمر مزخرف بصف منالنقاط البيضاء، ودائرتين بكل منهما نقطة نقطة مطموسة ترمزان إلى قبالي النعل، وفى أعلى البلاطة كتابة نصها: "هذا نعل النبي عليه السلام" وفى الوسط بين النعلين كتب "صاحب الخيرات حسين جلبى"، وعبارة دعائية موزعة على الجزء السفلي من البلاطة تقرأ " الهى شفاعتن (الله) ميسر آمين بحرمة سيد المرسلين سنة 1087"، ويبدو أن حسين جلبي الذي ورد اسمه على هذه البلاطة هو من أمر بترميم الجامع وصناعة هذه البلاطات[61].

وبمتحف مولانا في قونية مثال ثالث للنعل الشريف ممثل على بلاطة من الخزف (لوحة)5 تبلغ أبعادها 27×27 سم، من المرجح أنها أضيفت أثناء التجديدات التي أجريت على المبنى خلال القرن الثامن عشر أو التاسع عشر، وربما كان ذلك أثناء الترميم الذي تم في سنة 1816م في عهد السلطان محمود الثاني[62]، واستخدم خلاله بلاطات خزفية صنعت في مدينة كوتاهية، وقد نفذ شكل النعل على هذه البلاطة باللون الأخضر المائل للسمرة، وتشتمل البلاطة على كتابات بخط غير متقن تقرأ: "هذا مثال نعل النبي (ﷺ) وهذه صفة الصورة وكم منافع لها مقررة يا ناظرا لمثال نعل نبيه قبل مثال النعل لا متكبرا وامسح بوجهك نعله إذ مسه قدم النبي مروحا ومكبرا (ومبكرا.)

وإذا ما تركنا بلاد الأناضول، وتحولنا إلى بلاد الشام فسنجد أقدم الأمثلة الباقية لهذا العنصر منفذة على البلاطات الخزفية في جامع الدرويشية بدمشق الذي بناه الوالي العثماني درويش باشا، وكان الفراغ منه في سنة 982هـ/1574م، ويشتمل هذا الجامع على نموذجين فريدين لرسوم النعل النبوي (لوحة)6، نفذا على تجميعتين من البلاطات الخزفية توجدان بالرواق الفاصل بين صحن الجامع وقاعة الصلاة .

اللوحة الأولى تقع في الجهة الغربية من الرواق، وتشتمل على شكل محراب متوج بعقد نصف دائري يستند على عمودين ،وفى داخل شكل المحراب يوجد شكل شمعدانين ثبت في كل منهما شمعة، ويتدلى من قمة العقد قنديل (مشكاة)، ويشغل المنطقة الوسطى رسم يرمز لنعلي النبي (صلى الله عليه وسلم) نفذا باللون الأزرق الكوبالتي على أرضية بيضاء، وفوق صورة النعلين كتب بيتان من الشعر (لوحة)7 نفذا باللون الأزرق على أرضية بيضاء بالخط الفارسي نصهما:

يا ناظرا لمثال نعل نبيه	قبل مثال النعل لا متكبرا
وامسح بوجهك نعله إذ مسه	قدم النبي مروحا ومبكرا[63]

أما اللوحة الثانية بهذا الجامع فتقع في الناحية الشرقية من الرواق[64]، وهي تشبه اللوحة الأولى إلى حد كبير، إلا أنها لا تحتوى على شكل الشمعدانين في أسفل شكل المحراب (لوحة)6، وتتضمن اللوحة نفس شكل النعلين منفذان أيضا باللون الأزرق الغامق على أرضية بيضاء، ويعلوهما نفس الأبيات من الشعر، مع ملاحظة أن شكل النعلين في اللوحة الأولى وزع كل منهما على بلاطتين اثنتين، في حين شغل شكل النعل في اللوحة الثانية بلاطة خزفية كاملة .

ويلاحظ أن الفنان قد راعى في رسوم هذه النعال ما ورد في كتب السيرة والشمائل في صفة نعال النبي (ﷺ) أنها كانت مخصرة وملسنة، فجعل لها خصرًا مستد قًا من الوسط، وجعل لها ما يشبه اللسان من الأمام، لكنه لم يقم برسم الدائرتين في مقدمة النعل اللتين تعبران عن القبالين.

والحقيقة أن التصميم الزخرفي للوحات جامع الدرويشية – المتضمن رسوم النعال النبوية – تكرر بعد ذلك في عدة أمثلة ،تشترك كلها في وجود نفس العناصر الأساسية في التصميم الزخرفي، المتمثلة في شكل المحراب المتوج بعقد يستند على عمودين، وشكل القنديل أو المشكاة المتدلية من قمة العقد، بالإضافة إلى شكل الشمعدانين الموضوع بداخل كل منهما شمعة مشتعلة، ويبدو أن هذا التصميم قد كتب له الانتشار في أرجاء الدولة العثمانية، ويفسر بعض الباحثين وجود نعل النبي (ﷺ) بين المشكاة والشمعدان داخل شكل المحراب، بأنه يرمز إلى نور النبوة، فالنبي (ﷺ) هوالنور الذي أرسله الله للناس كافة فأضاء لهم الطريق، كما أن وجوده بصدر المحراب له دلالته على قدسية أثر الرسول ،وأنها مثل قدسية المحراب[65]، وفى رأيي فإن هذا التكوين الزخرفي ربما أراد به الفنان أن يعبر بطريقة غير مباشرة عن رحلة المعراج، وقد اشتهر لدى القصاص أن النبي(ﷺ) أسرى في ليلة المعراج بنعله، فلما ذهب إلى السماوات العلي، ووصل إلى سدرة المنتهى أراد أن يخلع نعليه تأدبا، فنودي من الملك الأعلى: يا مُحَّد لا تخلع نعليك، فلم يؤمر بخلعهما كما أمر موسى، وأيا ما كانت صحة هذه الرواية، فإن هذا المعنى كان مستقرا في نفوس العامة، وإلى هذا المعنى أشار بعض المداحين فقال:

على رأس هذا الكون نعل مُحَّد علت فجميع الخلق تحت ظلاله

لدى الطور موسى نودي اخلع وأحمد على القرب لم يؤمر بخلع نعاله

وفى رأيي أن الفنان قد رمز بالمشكاة إلى النور الإلهي، مستلهمًا المعنى الظاهري من الآية "اللهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ"، ورمز بالنعل إلى النور المحمدي أو نور النبوة، ورمز بالشمعدانين إلى نور الرسالة المحمدية التي أضاءت المشرق والمغرب.

لدينا عدة أمثلة من رسوم النعال تتشابه مع تلك المنفذة في جامع الدرويشية في دمشق، أول هذه الأمثلة نجدها على تجميعة من البلاطات الخزفية محفوظة في متحف الأغا خان، في مدينة "تورونتو" الكندية (لوحة)8، ويمكن تأريخها بالربع الأخير من القرن العاشر الهجري/السادس عشر

الميلادي، وهي تشبه لوحتي جامع الدرويشية، مع اختلاف في شكل عقب النعل ،كما أنها تختلف معهما في أن صورة النعلين في هذه اللوحة رُسمت على جانبي شكل القنديل (المشكاة) من أسفله، وبأن اللوحة لا تحتوي على البيتين من الشعر، وهذه اللوحة تتألف من ثمانية عشر قطعة من البلاطات الخزفية، ويبلغ عرضها 62 سم وارتفاعها 123 سم[66]، ويرجح أحد الباحثين أن هذه اللوحة، كانت موجودة في جامع الدرويشية، ونُقلت منه إلى المتحف المذكور[67]، لكن ليس هناك دليل يؤيد هذا الرأي، ونعتقد أن اللوحة صنعت في نفس الورشة أو المصنع التي صنعت فيه لوحتي جامع الدرويشية، حيث يعتقد أن هذه البلاطات صنعت في إحدى ورش الخزف في مدينة دمشق التي كانت مركزًا مرموقًا من مراكز صناعة الخزف خلال القرن العاشر الهجري/ السادس عشر الميلادي.

ثمة نموذج آخر لرسوم النعال على البلاطات الخزفية وجدناه على تجميعة من البلاطات الخزفية محفوظة فى متحف **Leighton House Museum** فى لندن (لوحة)9، يمكن نسبتها إلى القرن السابع عشر، وتشتمل على نفس التصميم الزخرفي الذى رأيناه على النماذج السابقة، مع اختلاف فى شكل المشكاة التى تأخذ حيزا كبيرا فى التصميم، وشكلها أقرب إلى الزهرية، بينما رسم شكل النعلين باللون الأزرق محاطا بزوج من الشماعد، وقد بالغ الفنان فى جعل خصر النعل مستدقا للغاية، مما جعل الجزء الأمامي من النعل متضخما، وغير متناسق .

ويوجد بمتحف رشيد القومي في مصر تجميعتان من البلاطات الخزفية (لوحة 11،10)[68]، يرجح صناعتهما في القرن الثاني عشر الهجري / الثامن عشر الميلادي، تضم كل منهما رسوم النعال النبوية[69]، تتشابه في شكلها العام مع تلك المنفذة في جامع الدرويشية في دمشق من حيث رسم المحراب والقنديل والشمعدانين اللذين يعلوهما رسم النعلين، ورغم تشابه التجمعيتين في التصميم العام، إلا أن بينهما اختلافًا في التفاصيل، فرسم النعال في التجميعة الأولى تبدو أكثر إتقانًا، على عكس التجميعة الثانية التي رسمت فيها النعال نحيفة غير متناسقة النسب.

وقد كانت رسوم النعال من الموضوعات التي أقبل عليها الخزافون المغاربة سواء منهم من استقر في بلده، أو هاجر منها إلى بلاد المشرق، واشتهر حي من أحياء تونس بإنتاج البلاطات الخزفية المشتملة على رسوم النعال، يسمى "حي القلالين ،"تميزت البلاطات بصغر حجمها التي تبلغ أبعادها في الغالب 15×15 سم، ومن البلاطات التي أنتجت في هذا الحي واشتملتعلى رسوم النعال تجميعة من البلاطات الخزفية محفوظة فى متحف باردو بتونس، مكونة من(66) بلاطة، تشتمل علىمجموعة من رسوم العمائر ذات القباب البصلية والمآذن النحيفة، ويتوسط تلك الرسوم صورة النعل الشريف منفذ باللون الأخضر، ومحدد باللون الأصفر، وكتب داخلهما عبارة مقتبسة من بردة

البوصيري تقرأ "يا أكرم الخلق- ما لى من ألوذ به "(لوحة)13، ويلاحظ غلبة اللونين الأخضر والأصفر على الصورة، ومن المعروف أن اللون الأصفر كان لون النعل النبوي كما ورد في بعض كتب السيرة، ويبدو لي أن رسم النعلين هنا بما كتب داخلهما، يرمز إلى التوسل بالنبي (ﷺ) وبآثاره، فهي وسيلة الوصول إلى الله تعالى والفوز بالرضا والقبول منه سبحانه .

وهناك نموذج آخر منفذ على تجميعة من البلاطات الخزفية محفوظة فى متحف جربة بتونس، من صناعة حى القلالين فى تونس فى سنة 1216هـ/1801م، رسم عليها شكل زوج النعل الشريف باللون الأخضر، يفصل بينهما زخرفة شجرة السرو ،وعلى هذه التجميعة توقيع الصانع بصيغة "عمل الخميري سنة 1216"[70] .

وطريقة تنفيذ رسوم النعال على التجميعتين السابقتين وجدت على بعض أعمال الخزف التي أنتجها الخزافون المغاربة في مصر خلال العصر العثماني، حيث انتقل أسلوب مدرسة القلالين في صناعة الخزف إلى مصر نتيجة هجرة عدد من الخزافين المغاربة الذين استقروا في مصر، وعملوا طبقا للمدرسة الفنية المغربية، ومن أبرز الأمثلة على ذلك تجميعة من البلاطات الخزفية محفوظة في متحف الفن الإسلامي بالقاهرة (لوحة)12، من إنتاج مدينة القاهرة في القرن الثاني عشر الهجري/ الثامن عشر الميلادي، وتنسب صناعتها إلى الخزاف التونسي الحاج مسعود السبع، وتتضمن رسم مسجد (ربما قصد به المسجد النبوي(ذو قبة كبيرة وأربعة مآذن، وأسفل رسم المسجد رسم شكل النعل النبوي باللون الأزرق الداكن ،والإطار باللون الأصفر.

رسوم النعال النبوية على الأوانى الخزفية: لم تقتصر رسوم النعال النبوية على البلاطات الخزفية، وإنما نفذت أيضا على الأواني الخزفية، وقد كانت الأواني الخزفية المشتملة على رسوم الحرمين الشريفين، ورسوم النعال النبوية تباع كتذكارات للحجاج في الأماكن المقدسة، وكذلك للزوار الشيعة الذين يقصدون العتبات المقدسة في النجف وكربلاء وقم وغيرها من المدن المقدسة، ومن أروع الأمثلة للأواني الخزفية المشتملة على رسم النعل الشريف طبق من الخزف الإيراني (لوحة)14 تعود صناعته للقرن الحادي عشر الهجري/ السابع عشر الميلادي، مزخرف برسوم عمائر ذات قباب بصلية، ومآذن ،ومنابر، ونفذت الرسوم باللون الأزرق على أرضية بيضاء تعكس بوضوح التأثيرات الصينية على الخزف الإيراني[71]، ويرجح أنها صنعت خصيصًا لأحد الزوار الشيعة الذين زاروا العتبات المقدسة في العراق، ومنها مشهد الإمام علي في النجف، واستخدم في زخرفة هذا الطبق رمزان دينيان: الأول، رسم النعل النبوي، والثاني: سيف ذي الفقار الذي يتميز بنصله ذي الشعبتين، هذه الرموز الدينية وضعت بطريقة مخفية بين الزخارف المعمارية التي تزخرف هذا الطبق، ويبدو أن الفنان قد أراد بوضعهما معًا الإشارة إلى فضل علي بن أبي طالب (رضي الله عنه)، فقد اختص النبي عليا دون باقي

الصحابة، وأعطاه نعله ليخصفها، كما أهداه النبي سيفه المسمى "ذو الفقار"، ويلاحظ أن "النعلين" قد رسما بطريقة تجريدية ،وأنهما ليسا متماثلين تمامًا، فالنعل الأيسر أكبر حجمًا من الأيمن.

رسوم النعال النبوية على تراكيب القبور: استخدمت رسوم النعال النبوية كعنصر زخرفي على تراكيب وشواهد القبور في أنحاء متفرقة من العالم الإسلامي، ويعكس الإقبال على استخدام هذا العنصر على تراكيب وشواهد القبور الإسلامية التقاليد والمعتقدات الدينية السائدة في تلك المجتمعات الإسلامية، حيث كان الغرض منها — حسب اعتقادهم- أنها وسيلة للتبرك واستجلاب رضا الله (عز وجل) عن الميت في قبره، وأنها مما يستشفع به، وينفع الميت فى قبره.

وكانت النعال النبوية تنقش على تراكيب وشواهد القبور إما منفردة، وإما أن تنقش ضمن صور الآثار النبوية الأخرى كالخاتموالمرود والمكحلة.

ومن أروع الأمثلة على استخدام رسوم النعال النبوية في زخرفة تراكيب القبور، تلك المنفذة على التركيبة الرخامية بمدفن الأمير عبد الرحمن كتخدا (لوحة)15 الملحق بالجامع الأزهر[72]، وتعد من أروع التراكيب الرخامية التى صنعت فى العصر العثماني، ويستلفت النظر في زخرفة هذه التركيبة وجود زخرفة النعلين على الجانب الغربي للتركيبة[73]، وضعت على جانبي دائرة تشتمل على أسماء العشرة المبشرين بالجنة، نقش في أعلاها وأسفلها أسماء أهل الكهف[74].

وبمقارنة شكل النعال الممثلة على هذه التركيبة مع أمثلة النعال التى أوردها المقري يتضح لنا أنها قد نفذت على شكل المثال الأول الذي أورده المقري نقلًا عن ابن عساكر، كما يلاحظ أن الفنان قد حرص على وضع جميع التفاصيل التي وردت في صفة النعل النبوي، فرسم النعلين لهما خصر ضيق، ولسان وعقب، كما وضع دائرتين صغيرتين فى مقدمة النعل بكل منهما نقطة للتعبير عن القبالين أو الحزامين من الجلد اللذين يثبتان في موضع النقطتين.

رسوم النعال النبوية على المزاول الشمسية : استخدمت رسوم النعال في زخرفة الساعات الشمسية المعروفة باسم "المزاول"، والتي كانت تستخدم لمعرفة الوقت خلال النهار، ومن أهم الأمثلة الباقية على ذلك رسم النعلين المنفذ على مزولة بجامع القرويين في مدينة فاس[75]، مثبتة على الجدار الشمالي لصحن الجامع (لوحة)16، قام بصناعتها الفقيه المؤقت الجيلالي الرحالي المكناسي بأمر من السلطان العلوي الحسن الأول(1311-1290هـ/1873–1893م[76])، وقد نفذت رسوم النعلين على الجص بطريقة الصب في القالب، ويشغل الرسم منطقة زخرفية متوجة بعقد مدبب تعلو اللوح الرخامي للمزولة، ويحيط بها خمسة دوائر تشتمل على لفظ الجلالة "الله"، واسم النبي "مُحَّد" (صلى الله عليه وسلم)، وأسماء الخلافة الراشدين الأربعة، ويلاحظ أن شكل النعل هنا مطابق للمثال الأول الوارد في كتاب المقري.

رسوم النعال النبوية على قمصان الطلاسم (التعاويذ:) شاع فى العصرين العثماني والصفوي نوع من القمصان مصنوعة من النسيج عرفت باسم " القمصان السحرية"، كان يلبسها السنة والشيعة على حد سواء، اشتملت على طلاسم من حروف وأرقام، وآيات قرآنية وأحاديث، وأسماء الله الحسنى، وأسماء الصحابة والملائكة، وابتهالات وأدعية سنية وشيعية، وفى بعض الأحيان يكتب عليها اسم السيدة فاطمة وابنيها الحسن والحسين[77]، وأسماء أئمة الشيعة الاثنى عشرة، كما وضعت عليها أيضا رسوم النعال النبوية، وكانت هذه القمصان تلبس أحيانا كملبس داخلي لايظهر للعيان، وبحسب المعتقدات الشائعة فى تلك الفترة، فإن هذا القميص يعطى لمرتديه راحة البال والاطمئنان والسلام الداخلي، ويحمى كذلك من يراه أو يلمسه أو يقرأه أو يحمله، كما يحمى من يرتديه من السهام والسيوف فى أرض المعركة، ويحمى صاحبه من السحر، وقيل إن مثل هذا النوع من القمصان كان يستعان فى صناعته بمتخصصين فى علوم السحر، كى تحمى أصحابها من الأخطار ومن الإصابة بالأمراض والسحر[78].

وضعت رسوم النعال على هذا النوع من القمصان على جانبي الصدر، ويحتفظ متحف طوبقابى سراى باستانبول بعدة نماذج لهذه القمصان تتضمن رسم النعل النبوي، منها قميص يحتوى على رسم النعل الشريف منفذ باللون الأخضر (لوحة)17، على جانبي فتحة القميص من أعلى فى مستوى الصدر[79]، وبالمتحف نفسه قميص آخر ينسب للسلطان مراد الثالث (1574- 1595م) عليه صورة زوجين من النعال الشريفة، وبمتحف مولانا فى قونية نموذج آخر لرسوم النعل الشريف (لوحة)18 منفذة على قميص من هذا النوع عليه صورة زوجين من النعال النبوية، أحدهما على الجانب الأيمن للقميص، والثانى على الجانب الأيسر، وضعا داخل منطقة مستطيلة متوجة بعقد مفصص، وكتب أعلى كل صورة "هذا نعلين شريف."

رسوم النعال النبوية على السجاد: نفذت أيضا رسوم النعال النبوية الشريفة على سجاجيد الصلاة العثمانية، كذلك كان شكلالمحراب الذى يتدلى منه مشكاة ، وبداخله صورة النعل الشريف من التصميمات الزخرفية التى وجدت على السجاجيدالإيرانية، وخاصة تلك التى صنعت فى مدينة أردبيل، ومن أمثلة السجاجيد العثمانية المشتملة على رسم النعل الشريف ،سجادة صلاة محفوظة فى متحف طوبقابى سراى باستانبول (لوحة)19، مزخرفة بيائكة من ثلاثة عقود، العقد الأوسط أوسعها، وتوجد صورة النعل داخل القسم الأوسط فى أسفل السجادة، منفذة باللون الأبيض على أرضية حمراء، ويلاحظ أن صورة النعل قد وضعت فى نفس الموضع الذى يضع المصلى عليه قدميه، ربما لالتماس البركة والقبول بوضع قدميه على مثال النعل الشريف، كما يلاحظ وجود شكل زخرفي يشبه شكل النخلة منفذ على النعل.

رسوم النعال النبوية فى المخطوطات[80] : كانت صفة نعل النبي (ﷺ) من المسائل التي شغلت فكر علماء المسلمين، فألفوا فيها الكثير من الكتب والرسائل، تتبعوا فيها شكل النعل النبوي وصفته، واجتهدوا للوصول إلى المثال الأقرب لنعل النبي (ﷺ)، واشتملت تلك الكتب على رسوم تخطيطية لشكل النعل النبوي عرفت بمثال النعل ،وهذه الرسوم كانت تنقل بالسند المتصل من رسوم أقدم، تم حذوها على النعال الأصلية التي كانت موجودة عند أصحابها بعد وفاة النبي (ﷺ)-

وتشتمل الكتب المتخصصة في موضوع النعال، وكذلك كتب السيرة والشمائل، بالإضافة إلى كتب الأوراد والأذكار، وكتب الصلاة على النبي (ﷺ)، على مئات الرسوم التخطيطية للنعال النبوية، بعضها رسمت منفردة (لوحة20)، وبعضها رسمت محاطة بإطارات ومناطق زخرفية (لوحة)21، وبعضها اشتملت على نصوص دينية وأشعار تتضمن وصف النبي (ﷺ)، أو نصوص من بردة البوصيري، أو أشعار في مدح نعال النبي (ﷺ) (لوحة 25،26).

ومن أقدم رسوم النعال التي وصلتنا رسم ورد في مخطوط "صفة نعل النبي (ﷺ)"، الذي ألفه أحمد بن مُحَّد بن أبي بكر الفارقي القادري فى سنة 683هـ/1284م، وتوجد نسخة من هذا المخطوط نسخت في سنة 1037هـ/1627م، تتضمن رسمين للنعل النبوي (لوحة20)، نقلهما المؤلف عن ابن عساكر، وجاء في هذا المخطوط على لسان المؤلف "أن مثال هذه النعل قد حذيت على مثال كان عند إسماعيل بن إبراهيم فأمر أبا أويس الحذاء فحذي مثال هذه النعل بحضرته على مثال نعل النبي (ﷺ) سواء لها قبالان فى موضع نقطتين"، ثم ذكر المؤلف أن هذا المثال حذي على النعل التي كان أصلها عند السيدة عائشة (رضي الله عنها)، ويظهر في هذا الرسم الذي نحن بصدده نموذجان للنعل، كل منهما له لسان وخصر وعقب، لكن مع اختلاف في التفاصيل، فالنموذج الأول (على اليمين) يتميز لسانه بالطول، وخصره في نهايته، وعقبه على شكل نصف دائرة، وله قبالان على شكل حرف(V) يتصلان بحزام أحمر – قرب العقب– به زخارف نباتية (أرابيسك)، بينما النموذج الثاني له لسان أقرب إلى الشكل الكمثري، وخصر في الوسط تمامًا، وعقب على شكل ربع دائرة، وله قبالان يتصل بهما إبزيمان يمتدان من مقدمة النعل إلى نهايته، يتقاطعان مع حزام باللون الحمر فى مقدمة النعل.

ومن بين الرسوم الرائعة للنعال النبوية رسم للنعل النبوي ورد فى مخطوط "ذخيرة المحتاج فى الصلاة على صاحب اللواء والتاج" لمحمد المعطى بن الصالح الشرقي، المحفوظ بالمكتبة الملكية في الرباط[81] (لوحة21)، ويتميز رسم النعل بمراعاة الفنان لصفة النعل الواردة في كتب السيرة والشمائل، فجعلها مخصرة ملسنة معقبة، كما تتميز بوجود إطارات زخرفية موشاة بالزهور والأوراق، ورمز الفنان لقبالي النعل بدائرتين صغيرتين، كما رمز لشسع النعل بشريط زخرفي وضع بشكل رأسي، كما زخرفت المساحة بين فردتي النعل برسوم زخارف نباتية دقيقة تكون في مجموعها شكل الكأس، كأنه

يرمز بها إلى الشوق والمحبة لرسول الله (ﷺ)، ويذكرنا ذلك بأبيات لسلطان العاشقين عمر بن الفارض يقول فيمطلعها:

شَرِبْنَا على ذكْرِ الحبيبِ مُدامَةً سكِرْنَا بها من قبل أن يُخلق الكَرْمُ

لها البدرُ كأسٌ وهيَ شمسٌ يُدِيرُهَا هلالٌ وكم يبدو إذا مُزِجَتْ نَجمُ

ويوجد في مكتبة قصر طوبقابوسراي باستانبول مخطوط عن النعل النبوي عنوانه "روضة الصفا في وصف نعل المصطفي" يؤرخ بالفترة ما بين 1839 – 1861م ، وبالمخطوط صورة للنعل النبوي (لوحة22) منفذ باللون البني على أرضية مذهبة، ومزخرف بشريطين زخرفيين يعبران عن سيور النعل، ورسم الفنان قبالي النعل يتصل به سير على شكل حرف (V).

وتحتفظ المكتبة العامة في نيويورك بألبوم يعود إلى القرن التاسع عشر، نجد من بين صوره صورة تمثل النعل النبوي (لوحة23)، كتب في أعلاها "هذا نعلين شريف" وفى أسفلها "عليه الصلاة والسلام"، لكن شكل النعل هنا مخالف لصفة النعل الواردة في كتب السيرة والشمائل، حيث جعل الفنان شكل عقب النعل ومقدمه متماثلان، بينما جاء في صفة النعل النبوي أنه "ملسن" أي أن مقدمته على شكل اللسان، كما لم يجعل للنعل قبالين في مقدمته.

رسوم النعال النبوية على اللوحات الخطية: استلهمت رسوم النعال كعنصر فني أساسي في تشكيل اللوحات الحائطية التي كانت تزين بها البيوت بغرض التبرك بها، ومن أمثلة تلك اللوحات لوحة في الخزانة العلمية الصبيحية فى مدينة (سلا) بالمغرب، أنجزها أحمد بن مُحَمَّد التادلي، وأطلق عليها اسم "الروض" استلهم معانيها ومواضيعها من كتاب "دلائل الخيرات "لمحمد بن عبد الرحمن بن أبى بكر بن سليمان الجزولي (المتوفى سنة 870هـ/ 1465م)[82]، جمع فيها بين الرسوم الرمزية للنعال النبوية، وبين الخطوط البديعة، والإطارات الزخرفية المنمقة، وفى هذه اللوحة كرر الفنان رسم شكل زوجي النعل النبوي مرتين، لإيجاد نوع من التوازن والتناغم في التصميم العام للوحة، وأحاط تلك الرسوم بإطار زخرفي يشتمل على نسب آل البيت.

ويحتفظ متحف هارفارد للفنون بلوحة فنية (لوحة 25) تشبه في بعض تفاصيلها اللوحة السابقة، منفذة بالحبر والألوان والتذهيب على الورق، تبلغ أبعادها حوالي 150سم×90 سم، أنجزت في المغرب الأقصى في أواخر القرن التاسع عشر أو أوائل القرن العشرين، وتشتمل على رسوم الحرمين الشريفين، على جانبيها زوجان من النعال النبوية، ومجموعة من البحور أو المناطق الزخرفية تضم كل منها نصوصًا دينية بخطوط مختلفة منها النسخ والمحقق والثلث والمغربي، وعبارة "بركة مُحَمَّد" مكررة ستة عشر مرة بالخط الكوفي، وأسماء أهل بدر، والعشرة المبشرين بالجنة[83].

وقد رسم الفنان زوجين من النعال على جانبي رسمين أحدهما يمثل الكعبة المشرفة والآخر يمثل الروضة الشريفة، ويحيط بكل نعل من النعال الأربعة إطار زخرفي (لوحة 26) يشتمل على أبيات من بردة البوصيري، أما الجزء الأوسط من النعل فيشتمل على منطقة زخرفية تتضمن أبياتا من الشعر في مدح النعال النبوية مكتوبة بخط الثلث المغربي نصها:

على النعل الأيمن : أفرغ في المثال بياض وجهي فقد جعل النبي لها قبالا، وما حب النعال شغفن على النعل الأيسر : قلبي ولكن حب من لبس النعالا ﷺ خير وبركة.

استلهام شكل النعل النبوي في الفنون المعاصرة: امتد استعمال شكل النعل النبوي حتى الوقت الحاضر، حيث استخدم فى عمل التمائم والتعويذات (لوحة 27)، وبخاصة فى بعض البلاد الإفريقية، مثل نيجريا والجزائر، واستلهم الفنانون المعاصرون شكل النعل الشريف كعنصر فني ورمز ديني، وتفجرت إبداعاتهم في هذا المجال فأخرجت أشكالا لا حصر لها من التصميمات الفنية البديعة، مثلت النعال النبوية فيها العنصر الأساسي في التصميم، ففي مجال العمارة صممت شبابيك على شكل النعل النبوي، وفى مجال الحلي والزينة صنعت دلايات وعقود وأقراط على شكل النعل الشريف، وقد تطعم أحيانًابالأحجار الكريمة ونصف الكريمة (لوحة 28)، واستخدم عنصر النعل كعنصر زخرفي في زخرفة الخواتم، وصنعت بعضساعات الحائط على شكل النعل النبوي، وتأكيدًا لمكانة نعل النبي (ﷺ) وأنه تاج على الرؤوس انتشر في بعض البلدان الإسلامية زخرفة الطواقي من أعلى بعنصر النعل الشريف، وكل ذلك تعبير عن الحب الذي يكنه المسلمون للنبي (صلى الله عليه وسلم) وآثاره الشريفة.

الخلاصة والنتائج:

تناول البحث أثرًا من آثار النبي (ﷺ)، وهى النعال النبوية، وتتبع البحث النصوص المختلفة التي وردت في كتب السيرة والشمائل بشأن هذه النعال، ومن خلال هذه النصوص حدد البحث بطريقة واضحة سبع صفات اتصفت بها نعال النبي (عليه السلام)، كما قدم البحث حصرًا دقيقًا للمؤلفات التي ألفت عن النعال النبوية بصفة مستقلة، اشتمل على ما يقرب من خمسة وعشرين مؤلفًا.

وكشف البحث عن وجود عدة نعال للنبي (ﷺ)، بلغ عددها تسع نعال، لكل منها رحلة طويلة، قمنا بتتبع رحلة كل نعل منها، وإلى من آلت من بعده، ومصيرها، وخلصنا إلى أن جميع النعال المنسوبة للنبي (ﷺ) قد اندثرت، ولم يبق منها إلا اثنتين، واحدة في متحف طوبقابي سراي في استانبول، والثانية في حوزة الشرفاء الطاهريين في فاس بالمغرب.

كما استعرض البحث الحوادث التاريخية المرتبطة بنعال النبي (ﷺ)، وكيف أن هذه النعال كانت مجالًا للتنافس بين الدول للحصول عليها، واقتنائها، كما استشفع بها المسلمون في أوقات الفتن، وتوسلوا بها لنزول المطر، وقدمنا نماذج من الحوادث التاريخية التي جرت في مصر وبلاد الشام وبلاد المغرب ارتبطت كلها بالنعال الشريفة.

وكشف البحث عن المعتقدات الدينية الشعبية التي ترسخت في قلوب وعقول عامة المسلمين بشأن خواص هذه النعال وفائدتها ،وقدرتها على قضاء الحاجات، وعلاج الأمراض، ودفع الضرر.

وتضمن البحث دراسة أثرية وفنية لرسوم النعال التي وردت على العمائر وعلى الفنون التطبيقية، حيث لاحظنا أن رسوم النعال المنفذة على البلاطات الخزفية في العصر العثماني كانت هي الأكثر ورودا، كما نفذت على تراكيب القبور بغرض الاستشفاع بها، وعلى المنسوجات لدفع الضر والسحر، وعلى اللوحات الخطية، وفي المخطوطات، وقدم البحث تفسيرًا لظاهرة رسم النعل النبوي مقترنا برسوم المشكاوات والشماعد، وكشف البحث عن تنوع أشكال النعل الشريف المنفذ على الآثار والفنون الإسلامية.

وتمر الأيام، وتمضى السنون، وما زالت رسوم النعل النبوي الشريف تستخدم فى الفنون المعاصرة حتى يومنا هذا، يلتمس المسلمون منها البركة، ويعبرون بها عن شوقهم وحبهم لنبيهم (صلى الله عليه وسلم)خير من لبس النعال.

المثال الأول المثال الثاني المثال الثالث

المثال الرابع المثال الخامس المثال السادس

لوحة1: الأمثلة الستة للنعال النبوية كما أوردها المقري في كتابه "فتح المتعال في مدح النعال"

لوحة2: النعل الشريفة المحفوظة فى قسم الأمانات المقدسة فى متحف طوبقابى سراى باستانبول

لوحة 3: رسم النعل النبوي منفذ على بلاطة خزفية في جامع سنان باشا في استانبول

عن: **Arli, Belgin Demirsar, Depictions of "Nalin-I Şerif"**

لوحة 4: نموذج آخر لرسم النعل النبوي منفذ على بلاطة خزفية في جامع خواجه شمس الدين في استانبول

عن: **Arli, Belgin Demirsar, Depictions of "Nalin-I Şerif"**

لوحة5: رسم النعل النبوي على بلاطة خزفية في متحف مولانا في قونية

عن: Arli, Belgin Demirsar, Depictions of “Nalin-I Şerif”
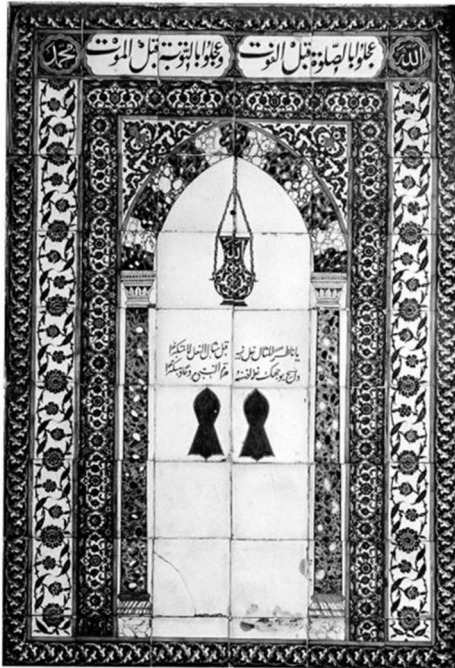
لوحة 6: تجميعة من البلاطات الخزفية مرسوم عليها شكل النعل الشريف– جامع الدرويشية فى دمشق

لوحة 7: تفصيل لرسوم النعال الشريفة والكتابات المنفذة على بلاطات جامع الدرويشية في دمشق

لوحة 8: تجميعة من البلاطات الخزفية عليها رسم النعل النبوي– متحف الأغا خان في تورنتو بكندا

عن: **Aga Khan Trust for Culture. Architecture in Islamic Arts**
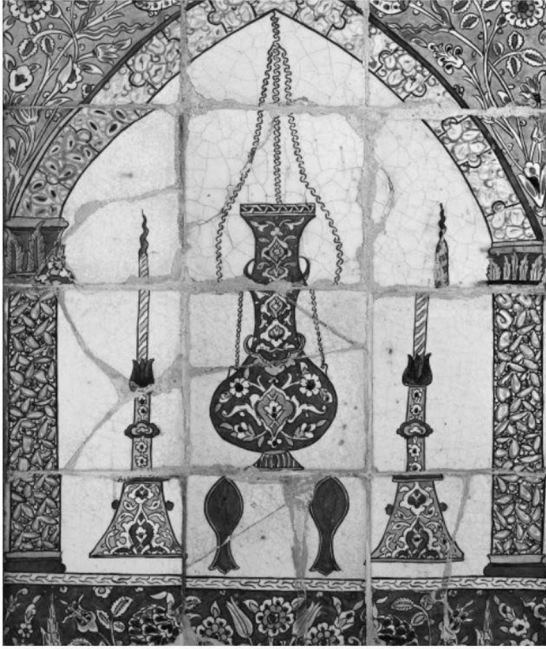
لوحة 9: تجميعة من البلاطات الخزفية عليها رسم النعل الشريف محفوظة فى متحف Leighton House فى لندن

لوحة 10: تجميعة من البلاطات الخزفية بمتحف رشيد القومي عليها رسم النعل النبوي (عن: محمود الجندي)
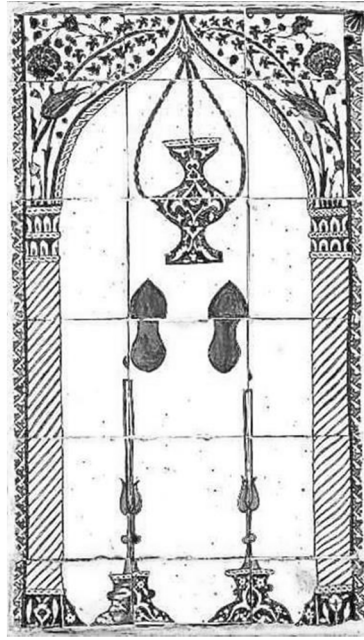
لوحة 11: تجميعة أخرى من البلاطات الخزفية بمتحف رشيد الوطني عليها رسم النعل النبوي

(عن: محمود الجندي)

لوحة 12: تجميعة من البلاطات الخزفية بمتحف الفن الإسلامي بالقاهرة من عمل الحاج مسعود السبع عليها رسم النعل الشريف
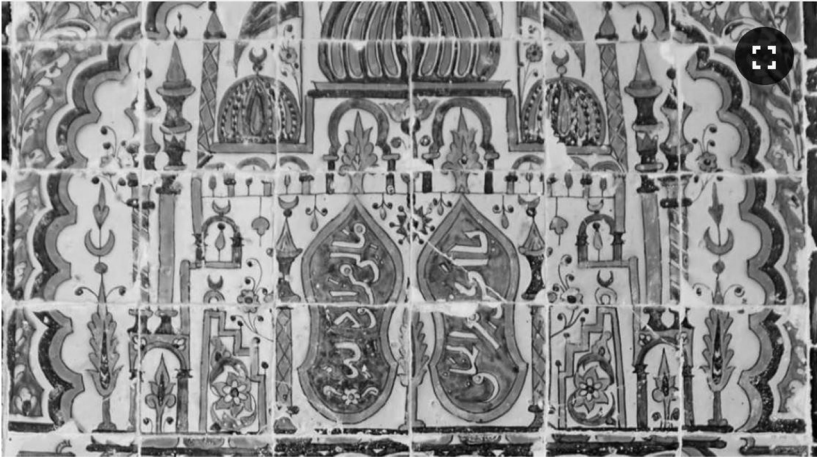
لوحة 13: رسوم النعل النبوي على تجميعة من الخزف في متحف باردو في تونس

لوحة14: تفاصيل لرسم النعل النبوي على طبق من الخزف الإيراني محفوظ في متحف الأغا خان

عن: Aga Khan Trust for Culture. Architecture in Islamic Arts

لوحة15: شكل النعل النبوية منفذة بالحفر على تركيبة قبر الأمير عبد الرحمن كتخدا بالجامع الأزهر
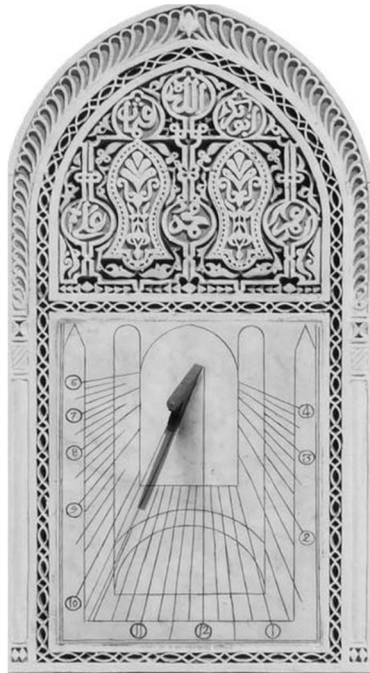
لوحة 16: رسوم النعل النبوية منفذة على ساعة شمسية (مزولة) بجامع القرويين في فاس بالمغرب

(عن: مُحَمَّد عبد الحفيظ الحسني)
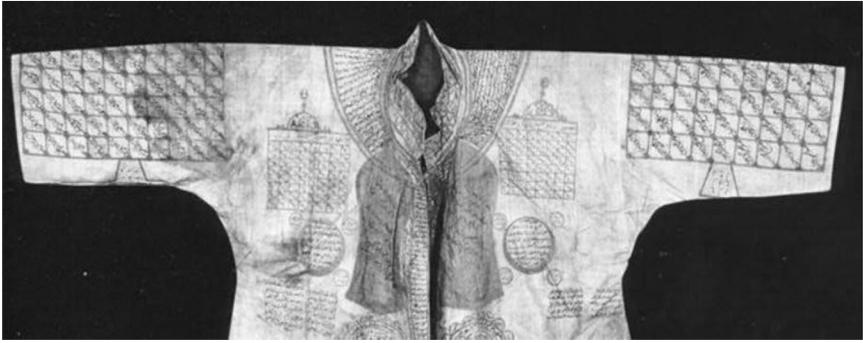
لوحة 17: قميص طلسم –العصر العثماني– محفوظ بمتحف قصر طوبقابي باستانبول عليه رسم النعل الشريف

لوحة 18: قميص طلسم عليه رسم زوج من النعال – العصر العثماني– متحف مولانا فى قونية

لوحة 19: سجادة صلاة بمتحف طوبقابي سراى باستانبول عليها رسم النعلين

عن: **Arli, Belgin Demirsar, Depictions of "Nalin-I Şerif"**
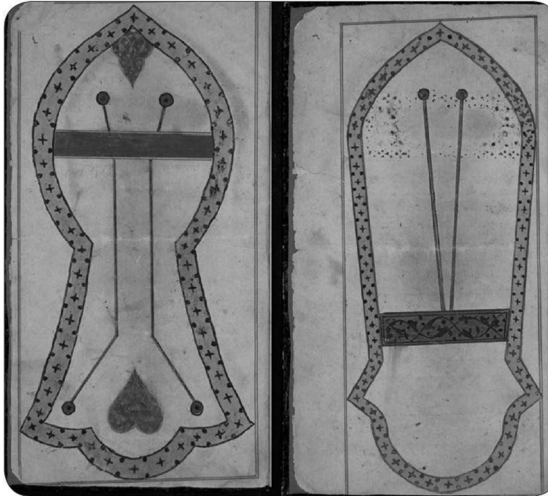
لوحة 20: صورتان لشكل النعل النبوي من مخطوط (صفة نعل النبي صلى اللّٰہ عليه وسلم)

لأحمد بن مُحَمَّد بن أبي بكر الفارقي مؤرخ بسنة 1037هـ.
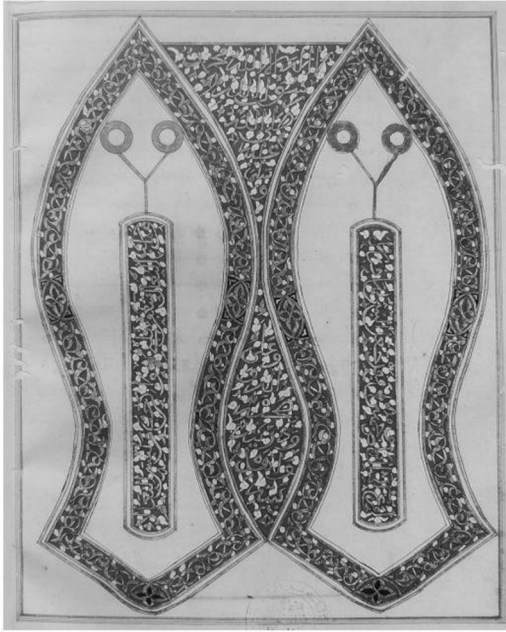
لوحة 21: رسم للنعل النبوي من مخطوط ذخيرة المحتاج – المغرب

(عن: مُحَمَّد عبد الحفيظ الحسني، الحلية الشريفة)
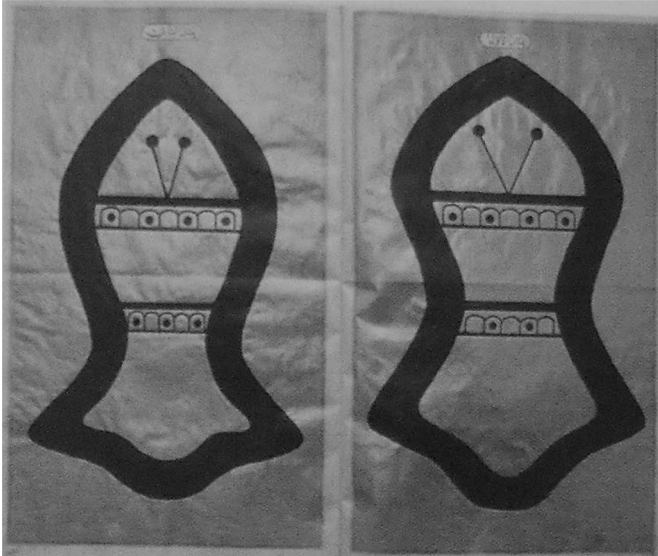
لوحة 22: صورتان لنعل النبي (ص) – مخطوط روضة الصفا في وصف نعل المصطفي – مؤرخ الفترة ما بين 1839 – 1861م – مكتبة قصر طوبقابي سراي باستانبول.

عن: Gruber (Christiane.) :The Islamic manuscript tradition.
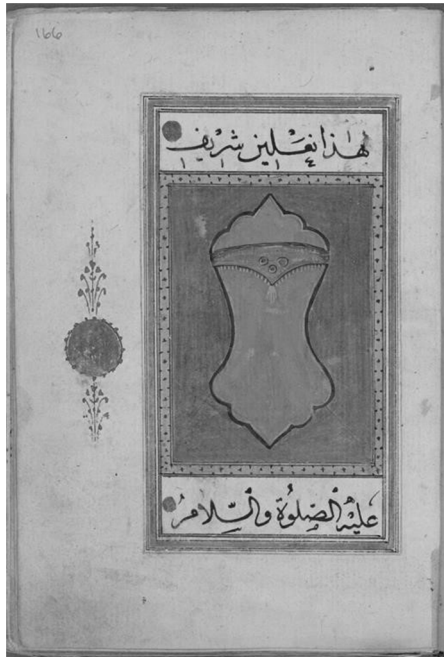
لوحة 23: صورة من ألبوم بالمكتبة العامة بنيويورك تمثل شكل النعل الشريف

عن: https://digitalcollections.nypl.org/items/f9f73930-0759-0131-221c-58d385a7bbd0
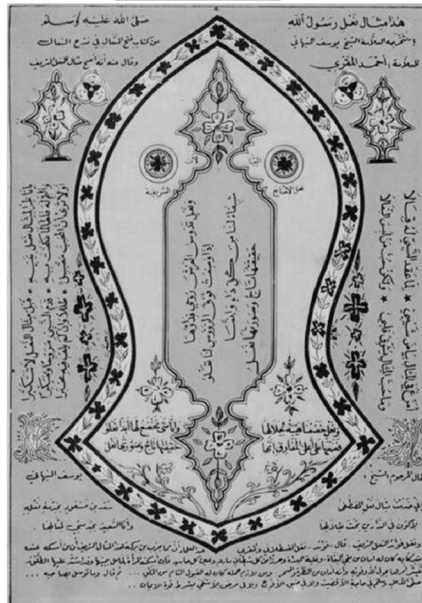
لوحة 24: صورة لمثال نعل النبي (صلى اللّٰه عليه وسلم)، استخرجه العلامة يوسف النبهاني من كتاب فتح المتعال في مدح النعال للمقري
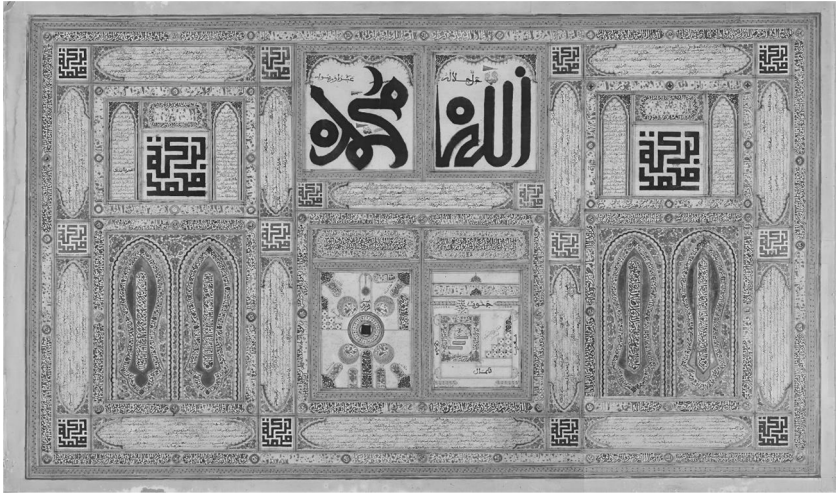
لوحة 25: لوحة خطية تتضمن رسوم النعال – محفوظة في متحف هارفارد للفنون
https://www.harvardartmuseums.org/collections/object/337002
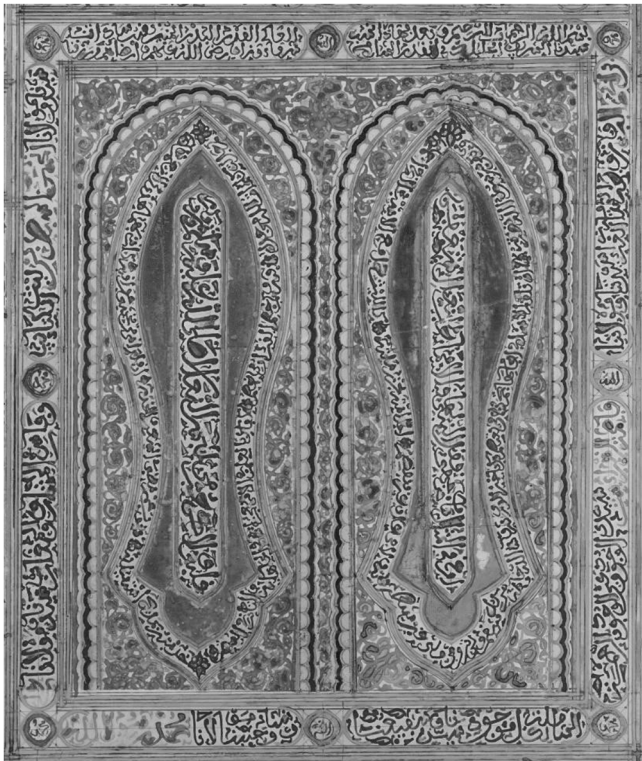
لوحة 26: تفصيل من اللوحة السابقة
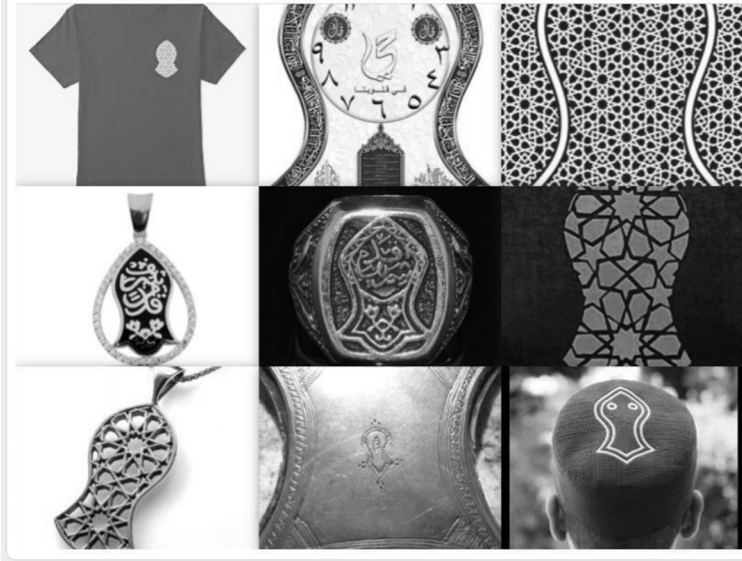
لوحة 27: نماذج من الصور التي تمثل استلهام شكل النعال في الفنون المعاصرة

لوحة 28: صورة لقرطين مطعمين بالأحجار الكريمة توضح استلهام الفنان شكل النعل الشريف في صناعة الحلي

(عن: محمّد عبد الحفيظ الحسني)

المراجع والحواشي

[1] النووي ،يحيى بن شرف النووي (المتوفى: 676هـ)، المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج، دار إحياء التراث العربي، بيروت، 1972م، ج13، ص 178.

Al-nawawi, Yahya ibn sharaf, (D.676 AH), *Almenhag sharh saheh muslim ibn al-Hagag,* dar ihea alturath , Beriut, 1972,vol 13, p 178. Alaraby

[2] الحسني ،محمد عبد الحفيظ خبطة، صور النعال النبوية بين المشرق والمغرب، دارسة تاريخية فنية، مجلة كلية الآداب والعلوم الإنسانية، العدد 23، الرباط ،2014م، الحلية النبوية والنعال الشريفة بين المشرق والمغرب. دراسة تاريخية - فنية"،ط1، مطبوعات أمينة الأنصاري، فـاس، 2014م.

Al-hosny, Mohamed Abdelhfiz, Swar Al-neal Al-nabwiya bain almashrek wa almaghreb, derasa tarekhya fanya, maglat kolyat aladab wa uloum alinsanya, no 23, al-rebat 2014, *Al- helya al-nabwiya wa al-neal al-sharefa bain almashrek wa almaghreb, derasa tarekhya fanya*. Matbwat amina al-ansary, fez, 2014.

[3] الهيتمي، ابن حجر (ت974هـ)،أشرف الوسائل إلى فهم الشمائل، تحقيق، أحمد بن فريد المزيدي، ط1، دار الكتب العلمية، بيروت–لبنان، 1419هـ / 1998م، ص 138.

Al-haytamy, ibn hagar, *Ashraf alwasael ela fahm al-shamael*, tahqeek, ahmad ibn farid almazedi, dar alkotob alelmya, Berieut, Lebanon, 1998, p 138.

[4] المقري، أحمد بن محمد (المتوفى 1041هـ)، فتح المتعال في مدح النعال، تحقيق على عبد الوهاب، عبد المنعم درويش، ط1، دار القاضي عياض، القاهرة ،1997م، ص 41.

Al-maqarri,Ahmad ibn Mohamed (D.1041 A.H) Fathu almutal fi madhe alneal , tahqeek, ali abdelwahab wa abdelmonem darwesh, dar alqadi Eyad, Cairo,1997, p41.

[5] سورة طه: من الآية12.

Swrat taha, aya 12.

[6] الصفار ،ابتسام مرهون، فهد ،بد ري محمد، صور من الحضارة العربية الإسلامية، الأحذية والنعال، مطبعة النعمان، النجف الأشرف، 1973م، ص 36- 42.

Al-saffar, ibtesam marhoon, fahd, badry Mohamed, *swar mn al-hadara al-arabyia al-islamya , alahazia wa neal*, matbat alnoman, alnajaf alashraf , 1973, pp 36-42

[7] ابن منظور، أبو الفضل، جمال الدين ابن منظور (المتوفى: 711هـ) ،لسان العرب، دار صادر، بيروت ،1993م، ج11، ص 667 .

Ibn manzour, abu alfadl, gamal aldeen ibn manzour (D. 711 A.H), *lesanu alarab*, dar sader , berieut 1993, vol 11, p667

[8] المقري ،فتح المتعال في مدح النعال، تحقيق علي عبد الوهاب، عبد المنعم درويش، ط1، دار القاضي عياض، القاهرة ،1997م.

Al-maqarri, *fathu almutal fi madhe alneal* , tahqeek, ali abdelwahab wa abdelmonem darwesh, dar alqadi eyad, Cairo, 1997

[9] المقري ،فتح المتعال، ص23.

Al-maqarri, *fathu almutal*, p23.

[10] للكتاب عنوان آخر في بعض نسخه وهو "جزء تمثال نعل النبي ﷺ".

[11] المقري ،فتح المتعال، ص 22، لكن محقق الكتاب فى ص35، أورد كلمة"الضميم"، بدلا من "الصميم"، والأخيرة هى الأصح. -.2Al-maqarri, fathu almutal, p2

[12] المقري ،فتح المتعال، ص.35.

Al-maqarri, fathu almutal, p35.

[13] المقري، فتح المتعال، ص.22.

[14]مخفوظة تحت رقم 19124ب

Al-maqarri, fathu almutal, p22. https://k-tb.com/manuscrit/daralkutob20025

[15] Gruber, Christiane, The Islamic manuscript tradition, ten centuries of book arts in Indiana University collections , p.137 .

[16] وجدت نسخة من هذا الكتاب مؤرخة بسنة 1256هـ/1840م، ورد في مقدمتها ما يفيد أن المؤلف كان حيا في تلك السنة.

[17] الرفاعي، عبد الجبار، معجم ما كتب عن الرسول وآل البيت صلوات الله عليهم، طه ران، ج1، ص 94 .

Al-refaiy, abdulgabbar, *moejam ma kutba an alrasoul wa al albeat salwat ullahi alehem*, Tehran,vol1,p94.

[18] Gruber ,Christiane, *The Islamic manuscript tradition*, p.137 , fig. 4.10.

[19] نشرها، صقلي، خالد بن أحمد، بمجلة المدونة، مجمع الفقه الإسلامي بالهند، مجلد 4، عدد14، يوليو 2017م، ص 499-527.

[20] المقري، فتح المتعال، ص168

Al-maqarri, fathu almutal, p168.

[21] الكتاب من تأليف شهاب الدين أحمد بن محمد بن عمر الخفاجي المتوفى سنة 1069هـ

[21] الوزير ،عبد الله بن علي(المتوفى: 1147هـ) ،تاريخ طبق الحلوى وصحاف المن والسلوى، تحقيق، محمد عبد الرحيم جازم، دار المسيرة – بيروت، 1985م ،ص 145- 146

Alwazer, Abdullah ibn Ali, (D.1147 A.H) *Tarekh tabak alhalwa wa sehaf almn wa alsalwa*, Tahqeeq, Mohamed Abdelrahem Jazem, Dar almasera , Beriut,1985, p 145-146

[23] المقري ،فتح المتعال، ص ص144-147

Al-maqarri*, fathu almutal*, pp 144-147

[24] البيهقي ،أحمد بن الحسين (المتوفى:458هـ)، دلائل النبوة، تحقيق عبد المعطي قلعجي،ط1، دار الكتب العلمية، 1988م، ج6، ص 436-435

Al-byhaqi, Ahmad ibn al-husain, (D.458 A.H*), Dalael al nobwaa*, Tahqeeq, Abelmuti qalaji, Dar alkotob alelmaya, 1988, vol 6,p435-436.

[25] مصطفى، خالد، آثار رسول الله ﷺ، ط2، القاهرة، 1997م، ص121

Mustafa, Khaled, Athar Rasullah sala allahu aleh wasalam, alkahera, 1997, P121

[26] الترمذي، محمد بن سورة الترمذي (المتوفى سنة 279هـ) ،الشمائل المحمدية، تعليق واش ارف، عزت عبيد الدعاس، ط3، دار الحديث، بيروت ،لبنان ،1988م، ص 40-41

Al-termezi, Mohamed ibn swra al-termizi (D.278A.H), *Al-shamael almohamadya*, taaleek wa ishraf, Obeed aldebas, dar alhadeeth, Beriut, Lebanon , 1988, p 40-41.

[27] المقريزي، تقي الدين أحمد بن علي المقريزي (المتوفى سنة 845هـ) ،إمتاع الأسماع بما للنبي من الأحوال والأموال والحفدة والمتاع، تحقيق محمد عبد الحميد النميسي، ط1، دار الكتب العلمية ، بيروت، 1999 م، ج7، ص27.

Al-Maqrezi, Taquddin Ahmad in Ali Al-Maqrezi(D.845 A.H*), Emtau alasmaa bema llnabi mn alahwal wa almwal wa alhafada wa almata*, tahqeeq, Mohamed abdel hamid alnemysi, dar alkotob alelmya, berieut, 1999, vol7, p27.

[28] ابن كثير ،أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير(المتوفى: 774هـ)، السيرة النبوية، تحقيق،مصطفى عبد الواحد، دار المعرفة، بيروت– لبنان، 1976 م، ج4، ص 709- 710

Ibn katheer, Abu alfeda ismail ibn omar Ibn katheer, (D.774 A.H), Al –serah al-nabawya, tahqeeq, Mustafa abdelwahid, dar almaerfa, Beriut, Lebanon, 1976, vol 4, p 709- 710.

29 المقري، فتح المتعال، ص 144

Al-maqarri, fathu almutal, p144.

30 رواه الطب ارني، الهيثمي، ابن حجر، مجمع الزوائد، 37/5

31 السهيلي ،عبد الرحمن بن عبد الله بن أحمد السهيلي (المتوفى: 581هـ) ،الروض الأنف في شرح السيرة النبوية لابن هشام، تحقيق، عمر عبد السلام السلامي، دار إحياء التارث العربي، بيروت، 2000م، ج1، ص 241

Al-sohaely,Abdulrahman ibn Abullah ibn Ahmad Al-sohaely, (D.581 A.H*), Al-rod alanef fi sharh alserah alnabaya li ibn Hesham*, tahqeeq, Omar Abdelsalam alsalamy, dar iheaa alturath alaraby,Beriut, 2000, p341

32 المقري ،فتح المتعال، ص141۔

Al-maqarri, *fathu almutal*, p141.

33 يؤكد ذلك النعل المحفوظة بمتحف طوبقابي س اري باستانبول۔

34 الحافظ الع ارقي ،زين الدين عبد الرحيم بن الحسين (المتوفى 806هـ)، ألفية السيرة النبوية المساة بنظم الدرر السنية في شرح السير الزكية، دار المنهاج، بيروت، 2005م، ص 88.

Alhafez Aleraqi, Zain aldeen Abdulraheem ibn Alhussain (D.806 A.H*), Alfyat alserah alnabawyia almosamah bi nazm aldorar alsanya fi sharh alsyer alzakya*, dar almenhag, Beriut, 2005, p88.

35 المقري ،فتح المتعال، ص176

Al-maqarri, *fathu almutal*, p176.

36 تيمور، أحمد ،الآثار النبوية ، دار الآفاق العربية، القاهرة ،2001م،ص87

Taymour, Ahmad, *Alathar alnabawia*, dar alafak alarabia, alkahera,2001, p 87

37 ابن عساكر، أبو القاسم علي بن الحسن(المتوفى سنة 571هـ)، تاريخ دمشق، تحقيق: عمر اليعمري، دار الفكر، بيروت ،1995م، ج22، ص410، سبط ابن الجوزي ،مرآة الزمان في تواريخ الأعيان، دار الرسالة العالمية، دمشق، 2013 م، ج7، ص 365، 366.

Ibn asaker,Abu alqasem Ali ibv Alhussain (D,571 A.H),*Tarekh Demashk*, tahqeeq Omar Alyamury, dar alfekr, Beriut, 1995,vol22,p 410, Sebt ibn Aljawzy, *Meratu alzaman fi tawarekh alayan*,dar alresala alalamya, Demashk, 2013, vol7, p365-366.

38 الذهبي ،شمس الدين محمد بن أحمد الذهبي (المتوفى: 748هـ)، تاريخ الإسلام، تحقيق ،عمر تدمري، ط2، دار الكتاب العربي، بيروت، 1993م، ج7، ص 308

Alzahabi, Shamsuddin Mohamed ibn Ahmad Alzahabi,(D.748 A.H), *Tarekh al-islam* , tahqeeq Omar Tadmury, dar alketab alaraby,Beriut, 1993, vol7.p308.

39 اليونيني ،موسى بن محمد اليونيني (المتوفى: 726 هـ) ،ذيل مرآة الزمان، ط2، دار الكتاب الإسلامي، القاهرة ،1992 م، ج2، ص 47

Alyouneny,Musa ibn Mohamed Alyouneny, (D.726 A.H), *Zael merat alzaman*,dar alketab alislamy, alkahera, 1992, vol2,p47.

40 ابن كثير ،البداية والنهاية، دار الفكر،1986م ، ج8،ص374۔

Ibn katheer, *Albedya wa alnahya*,dar alfekr,1986, vol 8, p374

41 تيمور، أحمد، الآثار النبوية،ص 96-97

Taymour, Ahmad, Alathar alnabawia, p 96-97

42 الحسني، محمد عبد الحفيظ ،الحلية الشريفة، ص 68

Al-hosny, Mohamed Abdelhfiz, *Al-helya al-sharefa*,p 68

43 ابن تغرى بردى ،النجوم الازهرة في ملوك مصر والقاهرة، وازرة الثقافة والإرشاد القومي، دار الكتب، مصر، ج15، ص 380

Ibn taghri bardy, *Alnojoom alzahera fi mlook misr wa alkahera*, wazarat althakafa wa alershad .alkawmy, dar alkotub, misr, vol15, p380

[44] تيمور، أحمد، الآثار النبوية، ص95

Taymour, Ahmad, Alathar alnabawia,P95

[45] النعيمي، عبد القادر بن محمد النعيمي الدمشقي (المتوفى: 927هـ) ،الدارس في تاريخ المدارس، تحقيق، إب ارهيم شمس الدين، ط1، دار الكتب العلمية، بيروت ، ،1990م، ج2، ص 228

Al-neamy, abdelqader bin Mohamed aldemashky, (d.927), *Al-dares fi tarekh almadares*, tahqeek, Ibrahim shams aldeen, dar alkotoob alimya, Beriut, 1990, vol2, p228.

[46] بن أحمد، خالد ،أرجوزة نيل الآمال في زيارة أشرف النعال للعلامة عبدالسلام الشرفي الأندلسي، مجلة المدونة، مجمع الفقه الإسلامي بالهند ،مجلد 4، عدد14، يوليو 2017م، ص 504

Bin Ahmad,Khaled, *Orjwzat neil al-amal fi zearat ashraf al-neal llalama abdelsalam alsharafy alandalusy* Magalat almoudwana, magma alfekeh alislamy bialhind, mugalad 4, no14, july 2017, p504

[47] بن أحمد، خالد، أرجوزة نيل الآمال في زيارة أشرف النعال، ص506۔

Bin Ahmad,Khaled, *Orjwzat neil al-amal fi zearat ashraf al-neal*, p506

[48] الحسني ،محمد عبد الحفيظ خبطة، صور النعال النبوية بين المشرق والمغرب، ص125-126

Al-hosny, Mohamed Abdelhfiz, *Swar Al-neail Al-nabwiya bain almashrek wa almaghreb*, p125-126.

[49] أحمد تيمور ،الآثار النبوية، ص99۔

Taymour, Ahmad, *Alathar alnabawia*,p99

[50] الحسني، محمد عبد الحفيظ، الحلية الشريفة، ص 68

Al-hosny, Mohamed Abdelhfiz, *Al-helya al-sharefa*,p 68

[51] عبد العزيز، عبد المجيد ،مديح وتبرك وفن ،هكذا تحولت النعال النبوية إلى أيقونة، مقال منشور على موقع أكاديميا https://www.academia.edu/35400681

[52] أمدني بهذه المعلومة القيمة صديقي أ.د/حسن نور، فلسيادته خالص الشكر والتقدير.

[53] المقري، فتح المتعال، ص168۔

Al-maqarri, fathu almutal, p168.

[54] المقري ،فتح المتعال، ص472۔

Al-maqarri, fathu almutal, p472.

[55] الم اروعي ،عبد الله بن سعيد (المتوفى: 1410هـ) ،منتهى السؤل على وسائل الوصول إلى شمائل الرسول ﷺ، دار المنهاج– جدة ،2005م، ج1، ص 585.

Almrawey, Abdullah ibn Said (D.1410A.H), *Muntaha alsoul ala wasael alwsool ala shamael alrasool*, dar almenhag, Jeddah, 2005, vol1,p585.

[56] الطباخ ،محمد ارغب (ت 1370 هـ)،إعلام النبلاء بتاريخ حلب الشهباء، تحقيق، محمد كمال، دار القلم، حلب،1988م، ج7، ص 80- 81.

Al-tabakh,Mohamed Ragheb,(d,1370 AH), *Ilam al-nubalaa bi tarekh halab al-shahbaa*, tahqeeq,Mohamed Kamal, dar al-qalam, halap, 1988,vol 7, pp 80- 81.

[57] الحسني ،محمد عبد الحفيظ، صور النعال النبوية بين المشرق والمغرب، ص 124.

Al-hosny, Mohamed Abdelhfiz, *Swar Al-neail Al-nabwiya bain almashrek wa almaghreb*, p124.

[58] Arli, Belgin Demirsar, Depictions of “Nalin-I Şerif” (Holy Patten) on Ottoman Tiles.14th International Congress of Turkish Art (Paris, Collège de France, 19-21 September 2011), P274.

[59] هذا البيت من تأليف شمس الدين أبي الخير محمد بن محمد ابن الجزري.

[60] Arli, Belgin Demirsar, *Depictions of "Nalin-I Şerif"*,P275.

[61] Arli, Belgin Demirsar, Op.cit",P275.

[62] Arli, Belgin Demirsar, Op.cit,P275.

[63] هذه الأبيات من نظم الشيخ أبو الحسن علي بن إب ارهيم بن سعد الخير، انظر، ابن الأبار، محمد بن عبد الله بن أبي بكر القضاعي البلنسي (المتوفى: 658هـ)،التكملة لكتاب الصلة، تحقيق، عبد السلام اله ارس، دار الفكر للطباعة -لبنان ،،1995م، ج2، ص 271.

[64] جددت هذه الل وحة على أصلها في سنة 2009م حسبما يشير نص مثبت بجوارها.

[65] الجندي ،محمود سعد، الخصائص والسمات الفنية لمجموعة من البلاطات الخزفية محفوظة بمتحف رشيد القومي – مصر- نشر ودارسة، مجلة الد ارسات الإنسانية والأدبية، كلية الآداب، جامعة كفر الشيخ، العدد 16، أبريل 2018م، ص 18.

Al-gendy,Mahmoud Saad, *Al- khasaes wa-alsemat alfanya lemagmoah mn alblatat alkhazafya mahfoza bemothaf Rashid alkawmy – misr- nashr wa derasa*, magalat al-derasat al-insanya wa- adabya, kolyat al-adab , gameat khafr al-sheikh, no16, April 2018,p18.

[66] Aga Khan Trust for Culture, *Architecture in Islamic Arts: Treasures of the Aga Khan Museum*. Geneva: Aga Khan Trust for Culture, 2011, p 78-79.

[67] مقال بعنوان" صور النعال النبوية في جامع الدرويشية بدمشق"، منشور على موقع https://ahmad.kateban.com/post/2459، تاريخ الدخول 2020/10/9م.

Maqal bi onwan "swar alneal alnabwia fi gami aldarweshia bi demashq, manshour ala: https://ahmad.kateban.com/post/2459

[68] التجميعتان كانتا في الأصل بمتحف الفن الإسلامي بالقاهرة ثم نقلا إلى هذا المتحف.

[69] الجندي ،محمود ،الخصائص والسمات الفنية لمجموعة من البلاطات الخزفية، ص 10.

Al-gendy,Mahmoud, *Al- khasaes wa-alsemat alfanya lemagmoah mn alblatat alkhazafya*,p10.

[70] Arli, Belgin Demirsar, Op.cit,P277.

[71]Aga Khan Trust for Culture, *Architecture in Islamic Arts*, p 86-87.

[72] نرجح صناعة هذه التركيبة قبل سنة 1174هـ، وهو تاريخ كتاب وقف عبد الرحمن كتخدا الذى ورد فيه ذكر هذه التركيبة.

[73] جاء فى كتاب "الجامع الأزهر الشريف" الصادر عن مكتبة الإسكندرية وصف هذا الشكل خطأ بأنه" شكل بيضاوى بارز يشبه السمكة، انظر،السيد ،محمد حمدى ، السايح ،شيماء، الجامع الأزهر الشريف، الإسكندرية، 2013م،ص 285-

[74] كانت أسماء أهل الكهف، واحد من "الأح ارز" التي يتبارك بها العامة، ويعتقدون أن لها أس ارار وخواص تتعلق بحصول البركة ودفع الضرر والشفاء من الأم ارض.

[75] الحسني،محمد عبد الحفيظ، صور النعال النبوية بين المشرق والمغرب، ص 124، 125، شكل 10،11.

Al-hosny, Mohamed Abdelhfiz, *Swar Al-neail Al-nabwiya bain almashrek wa almaghreb*,p124-125.

[76] التازي ،عبد الهادى، جامع القرويين المسجد والجامعة في مدينة فاس، موسوعة لتاريخها المعماري والفكري، ط1، دار نشر المعرفة، الرباط،1972م، ج3، ص 660- 661.

Al-tazi, Abdulhady, *Gami Al-qaraween al-masjid wa jamea fi madenat faz, mawsoa letarekheha almemary wa alfekhry*, dar nashr almarefa, Al-rebat, 1972,vol3, pp 660-661.

Source:[http://islamicart.museumwnf.org/database_item.php?id=object;isl;tr;mus01;18;ar&cp]

[77, 78] عليو، عبد السلام عبد الحميد ،مجموعة التمائم والأحجبة المحفوظة فى متحف الفن الإسلامي بالقاهرة، دارسة آثارية فنية، ماجستير، كلية الآداب، جامعة عين شمس ،2015م، ص 83.

Alleo,Abdelsalam abdelhamid, Magmouat altamaem wa alahgeba almahfowza fi mutahaf alfan aleslami belkahera. Derasa atharea fanya, majester, kolyat aladab,jameat ain shams, 2015, p83.

[79] Aytekin, Fatih, Topkapı Sarayı koleksiyonlarındaki şifalı gömleklerin şifrelerinin değerlendirilmesi ve yeni bir.

[80] آثرنا عدم الاستفاضة في الحديث عن رسوم النعال في المخطوطات الإسلامية، حيث سبق للباحث المغربي المجد الدكتور/مُحَمَّد عبد الحفيظ الحسني د ارسة صور النعال من خلال المخطوطات المغربية، وقد ركزنا هنا على ذكر نماذج جديدة تجنبا للتك ارر.

tasarım , Isimli araştırmada Haliç Üniversitesi, İstanbul, 2015 , p 61, pl 13

[81] الحسني، مُحَمَّد عبد الحفيظ ،الحلية الشريفة، ص88۔

Al-hosny, Mohamed Abdelhfiz, *Al-helya al-sharefa*,p 88.

[82] الحسني ،مُحَمَّد عبد الحفيظ، صور النعال النبوية بين المشرق والمغرب، ص 106.

Al-hosny, Mohamed Abdelhfiz, *Swar Al-neail Al-nabwiya bain almashrek wa almaghreb*, p106.

[83] https://www.harvardartmuseums.org/collections/object/337002

REFERENCES

(1) Tazkira-e-Mujaddid-e-Alf-e-Thani, Maktabat-ul-Madina, Karachi, ISBN 978-969-631-823-1.

(2) Irshadat-e-Imam-e-Rabbani, pp. 5 – 12, Zia-ul-Islam Publications, Karachi, 2002 CE.

(3) Glasse, Cyril, The New Encyclopedia of Islam, Altamira Press, 2001, p.432

(4) Ithbat-un-Nubuwwah (Arabic), Hakikat Kitabevi, Istanbul, Turkey, 2011 CE.

(5) Irshadat-e-Imam-e-Rabbani, p. 5, Zia-ul-Islam Publications, Karachi, 2002 CE.

(6) Ithbat-un-Nubuwwah - The Proof of Prophethood (English), p. 5, Hakikat Kitabevi, Istanbul, Turkey, 2015 CE.

(7) Ibid. p. 6.

(8) Ibid. pp. 6 – 7.

(9) Ibid. p. 7.

(10) Ibid. p. 8.

(11) Ibid. pp. 8 – 9.

(12) Ibid. p. 9.

(13) Ibid. p. 17.

(14) Ibid. p. 18.

(15) Ibid. p. 18.

(16) Ibid. p. 20.

(17) Ibid. p. 24.

(18) Ibid. p. 23.

(19) Ibid. p. 23.

(20) Ibid. p. 26.

(21) Ibid. p. 26.

(22) Ibid. p. 27.

(23) Ibid. p. 38.

(24) Ibid. p. 39.

felicity from the bad ones leading to perdition. He taught true Iman and Ibadat. Those who believed him were enlightened by this Iman and Ibadat. He rescued humanity from distorted, concocted religions. He attained the victory promised by Allah. All his enemies soon perished. Depraved, factious, provocative words and actions came to an end. People were rescued from dictators, usurpers and the cruel. Every place became illuminated with the sacred lights of the sun of Tawhid and the moon of Tanzih." (23) "Hence it has become clear that the ancient Greek philosophers were on the wrong way and that those who read the harmful books which they have written with their personal points of view on religion and prophethood will acquire wrong religious information and will drift towards perdition." (24)

newspapers about his father's achievements and knows that his father loves him very much. His father gives him some medicine and says that if he takes it, he will recover immediately, for he has tried it several times. But when he sees that the medicine will be injected and hurt him, would it be reasonable for him to react to his father by saying, "I have never tried this medicine. I don't know if it is good for me. I can't believe if your words are correct." Who in the world would approve such an answer?" (21)

In the second article of the book, Imam Rabbani has also cited Imam Fakhr-ud-Din Al-Razi's work Al-Matalib-ul-Aliyya. Imam Rabbani also talks about the importance of Tasawwuf in strengthening one's faith. He writes:

"A person who acquires knowledge of Prophethood and then studies the Qur'an and the Hadîth will perfectly understand that Hazrat Muhammad (صلی اللہ علیہ وسلم) is the Prophet and occupies the highest degree of Prophethood. And if he learns of the effectiveness of his words in purifying the heart and then obeys him, by which his own heart begins to see the truth, his belief in his Prophethood will become absolutely certain (Yaqin). He will gain continuous realization of the truth in the Hadiths, "If a person lives up to his knowledge, Allah teaches him what he does not know"; "He who helps a cruel person will suffer harm from him," and, "The person who only thinks of attaining Allah's love every morning will be given his wishes for this world and the Hereafter by Allah." Thus, his knowledge and faith will be strengthened. For the faith to become strengthened, that is, to improve it up to a state wherein one feels as if one sees the reality, requires endeavouring in a path of Tasawwuf." (22)

Finally, Imam Rabbani ends his book with these statements:

"The Prophet (صلی اللہ علیہ وسلم) sorted out the beautiful habits from the ugly ones and the good deeds leading to

intellect might face risks and harms before learning them, and it would require a great deal of time and work. They would have no time left for using their intellect in doing other necessary jobs. By giving the doctor a little recompense, however, they attain the benefits of medicines and rid themselves of their illnesses. To say that Prophets (علیہم السلام) are unnecessary is like saying that doctors are unnecessary. Since the commandments taught by a Prophet are Wahi revealed by Allah, they are all true and beneficial. The doctor's knowledge, although being the result of thought and experience, cannot be said to be wholly true."(19)

ANALYSIS OF THE SECOND ARTICLE:

In the second article of the book, Imam Rabbani writes about the proof of the Prophet Hazrat Muhammad's (ﷺ) Prophethood. In addition to the rational arguments, he mostly uses here the question-answer technique to explain the things and answer to the arguments of those who deviated from the right path. For example:

Question:

"Useful things reported by philosophers, materialists and doctors, are believed because they have been discovered by experience. Ibadat are not believed in because their usefulness has not been experienced." (20)

Answer:

"Scientists' experimentations are believed when they are heard of. The things reported and experienced by Awliya are communicated in the same manner. Also, the benefits of most things enjoined by Islam have been seen and experienced. Even if the advantages within the rules of Islam were not revealed by experimentation, it would still be reasonable to believe in them and to fulfill their requirements. Let us suppose that a physician's wise son, who does not know anything about drugs, becomes ill. He has heard from many people and has even read in

the things that are known by the power of Prophethood." (14)

- "Those who doubt the existence of the power of Prophethood doubt its possibility or, if its possibility is accepted, its occurrence. Its existence or occurrence shows that it is possible. And its existence is demonstrated by Prophets' (علیہم السلام) giving information beyond the intellect's ability. This information, which cannot be acquired through the intellect, calculation or experimentation, was acquired only from Allah's Ilham (inspiration placed upon the heart by Allah or His angels)." (15)
- "The intellect's finding something beautiful, ugly or nonsensical is not always valid." (16)
- "The inability of the intellect to grasp the benefit of the things does not show the absence of their value."(17)

In the first article of the book, Imam Rabbani has also cited Imam Ghazali's work Al-Munqidh Min-ad-Dalal. Moreover, he has replied to a series of questions raised by the so-called intellectuals. For example:

Question:

"The intellect does the thing it finds useful and does not do the thing it considers harmful. When it cannot understand whether something is useful or harmful, it does it when there is need to do it. In view of this function of the intellect, sending Prophets (علیہم السلام) is unnecessary." (18)

Answer:

"There are many things which are misunderstood or which cannot be understood by the intellect, and they have to be taught by Prophets (علیہم السلام). A Prophet is like a specialized doctor. He knows the effects of medicines well. The effects of some medicines might be found by laymen through the intellect after long experiences, but men of

- To display the wickedness and harms of a few bigots of science who attempt to suppress this fact with their personal thoughts and opinions. (12)

Besides this, Imam Rabbani has also mentioned in the preface that in this book he will cite documents from the books of Islamic scholars and add his humble thoughts too. This can be termed as the methodology that Imam Rabbani took for writing this book.

ANALYSIS OF THE INTRODUCTION

In the first part of the introduction, Imam Rabbani explains the meaning of Prophethood. He clearly describes here the difference between the understanding of the scholars of Kalam and the understanding of the Greek philosophers on the issue of Prophethood. He cites Sayyad Sharif Al-Jurjani's book Sharh-ul-Mawaqif while defining Prophethood. Finally, he points out the incoherence of the conditions the Greek philosophers have put for Prophethood.

In the second part of the introduction, Imam Rabbani explains the meaning of Mujizah. Here too Imam Rabbani cites Sayyad Sharif Al-Jurjani while explaining the meaning of Mujizah. He explains the concept point-wise and also provides answers to the questions commonly raised regarding Mujizah. He also answers to the questions that are raised on the explanation given by Sayyad Sharif Al-Jurjani.

ANALYSIS OF THE FIRST ARTICLE:

In the first article of the book, Imam Rabbani discusses the necessity of sending of the Prophets (علیہم السلام) and also supports his explanation with rational arguments. For example, he writes:

- "Denial of what cannot be comprehended is the result of not comprehending, not knowing." (13)
- "As sense organs cannot comprehend things that are known by wisdom, likewise, wisdom cannot perceive

experts in those branches of knowledge? We know what the science of medicine means. We read Calinos's books and hear some of his statements. We learn that he gave medicine to the ill and cured them. Hence, we believe that he was a doctor. Likewise, when a person who knows the science of grammar reads Sibawaih's books or hears some words of his, he knows and believes that he was a grammarian. By the same token, if a person knows well what Prophethood is and studies the Qur'an and the Hadith, he will understand thoroughly that Hazrat Muhammad (صلی اللہ علیہ وسلم) was in the highest grade of Prophethood. As one's belief in the above-mentioned scholars would never be upset, so the slanders and vilifications of the ignorant and deviated will never undermine one's faith in Hazrat Muhammad (صلی اللہ علیہ وسلم), since all the sayings and behaviours of Hazrat Muhammad (صلی اللہ علیہ وسلم) guide people to perfection, make their beliefs and behaviours correct and useful, and illuminate their hearts so as to cure them of diseases and disencumber them of bad habits. This is what Prophethood (Nubuwwah) means." (10)

IDENTIFYING THE TARGET AUDIENCE OF THE BOOK

While identifying the target audience of his book, Imam Rabbani writes:

"With the intention of removing the doubts and suspicions of those who acquired their religious knowledge from the books of religiously ignorant people and from the venomous pens of the enemies of the religion, I have thought of writing what I know." (11)

STATING THE OBJECTIVES OF THE BOOK

Imam Rabbani states that the objectives of his book are:

- To explain what Prophethood means.
- To eliminate the doubts of the unbelievers concerning the Prophethood of Hazrat Muhammad (صلی اللہ علیہ وسلم).

disease of disbelief, are falling for this disaster and drifting into calamity." (7)

STATING THE CAUSES BEHIND THE RELIGIOUS IGNORANCE AND MISGUIDANCE

While telling us the causes behind the religious ignorance and misguidance he found among the people of India, Imam Rabbani writes:

"I have studied the causes for this corruption in Muslim children's belief and have scrutinized the origin of their doubts. I have come to the conclusion that there is only one reason for the slackness in their faith. And the reason is that much time has elapsed since Rasulullah (صلی اللہ علیہ وسلم), while at the same time some fanatical, short-sighted, religiously nescient politicians and some ignoramuses, who pass themselves off as scientists, talk on religious matters and have their words accepted as true. I have spoken with people who read and believe the writings of such fanatics of science and who therefore describe themselves as enlightened, modern people. I have seen that they err mostly in comprehending the rank of Prophethood (Nubuwwah)." (8)

POINTING OUT AND REPLYING TO THE ARGUMENTS

In the preface, Imam Rabbani has also pointed out some arguments of the so-called intellectuals of his time and then replied to them. Here we quote one of those arguments along with the reply of Imam Rabbani.

Argument:

"One who has heard of the Prophet (صلی اللہ علیہ وسلم) and his miracles but who disbelieves this information because centuries have passed ever since, is like a person who lives in the mountains or in a desert and has not heard about the Prophet at all." (9)

Reply:

"We have not seen the medical scientist Calinos or the grammarian Amr Sibawaih. How do we know that they were

to Prophets (عليهم السلام) Allah has sent so that they will attain benefits beyond mind's grasp and escape calamities."(6)

HIGHLIGHTING THE DISTORTION OF ISLAMIC TEACHINGS IN INDIA

While highlighting what was happening with Islam in India, Imam Rabbani writes:

"I have seen with regret that the people of our time have become increasingly slack in believing in the necessity of Prophets' sending (بعثت), in the twenty-five Prophets (عليهم السلام) whose names are given in the Qur'an, and in obeying the religion brought by the Last Prophet (صلى الله عليه وسلم). Moreover, some powerful people with authoritative positions in India have been persecuting pious Muslims who diligently follow Islam. There have appeared people who mock the blessed name of the Last Prophet (صلى الله عليه وسلم) and substitute the blessed names given to them by their parents with absurd names. Sacrificing a cow has been prohibited in India. Mosques are either being demolished or turned into museums or stores. Islamic cemeteries are being made into playgrounds or places for rubbish. Disbelievers' churches are being restored in the name of monuments. Their rituals and festivals are being celebrated by Muslims, too. In short, Islam's requirements and Islamic customs are being abhorred or totally abandoned. They are being called "retrogressive". Disbelievers' and atheists' customs, false religions, immoral and shameless acts are being praised. Efforts are being made to spread them. Depraved and squalid books, novels and songs of the Indian disbelievers are being translated into the languages of Muslims and sold. In this way efforts to annihilate Islam and Islam's beautiful ethics are being carried on which result in Muslims' faith weakening while unbelievers and rejecters are increasing. Moreover, even men of religion, who must be healers for the

Imam Rabbani Sheikh Ahmad Farooqi Sarhindi(1) رحمة الله عليه (971 Hijri/1563 CE – 1034 Hijri/1624 CE)(2) was one of the great servants of Islam and a prominent member of the Naqshbandi Sufi order. He has been described as “Mujaddid Alf Thani”, meaning the “reviver of the second millennium”, (3) for his work in rejuvenating Islam and opposing the un-Islamic practices and customs prevalent in the time of Mughal Emperor Akbar.

Among the works of Imam Rabbani, there is a book entitled “Ithbat-un-Nubuwwah” which consists of 30 pages. (4) It was written in 994 Hijri/1586 CE. (5) It provides a precise and comprehensive explanation of the topic of Prophethood and also serves as a historical account of what was happening in India in the time of Mughal Emperor Akbar.

The book “Ithbat-un-Nubuwwah” consists of an introduction and two articles. The introduction is divided into two topics:

1. The Meaning of Nubuwwah
2. The Meaning of Mujizah

The two articles are:

1. Bithat: The Sending of Prophets (عليهم السلام) & Its Necessity
2. The Proof of Hazrat Muhammad’s (ﷺ) Prophethood

ANALYSIS OF THE PREFACE:

The preface to the book “Ithbat-un-Nubuwwah” mentions the rationale behind this work. Here are the key points and aspects of discussion found in the preface.

USING METAPHOR TO EXPLAIN THE WAY THE PROPHETS (عليهم السلام) SHOULD BE FOLLOWED

Imam Rabbani uses a metaphor to explain the way the Prophets (عليهم السلام) should be followed. He writes:

“As a blind person entrusts himself to those who will lead him or as a helplessly ill person commits himself to the care of compassionate doctors, people must submit themselves

AN IN-DEPTH ANALYSIS OF IMAM RABBANI'S (رحمۃ اللہ علیہ) WORK: "ITHBAT-UN-NUBUWWAH"

Sharjeel Ahmed

(The author is a certified Islamic scholar, professional teacher trainer, writer and independent researcher based in Karachi, Pakistan. Currently he is Chief Operating Officer at Spectrum Professional Development Centre (SPDC), Karachi)

Abstract:

"Sheikh Ahmad Farooqi Sarhindi (رحمۃ اللہ علیہ), most popularly known as "Mujaddid Alf Thani" and also as "Imam Rabbani", was one of the most influential scholars of Islam in South Asia. Also, he was a great Sufi master. His contributions to Islamic missionary work and Tasawwuf have been widely acknowledged. The present article analyzes one of his writings, entitled "Ithbat-un-Nubuwwah" (the Proof of Prophethood). This in-depth analysis brings to the fore the key discussions present in the book, the major arguments of rationalists and the counter-arguments developed by Imam Rabbani, the reference of great scholars he quoted to support his statements, his methodology and other significant aspects of the book".

Keywords: Prophethood; Criticism of Rationalists; Islamic Literature; Ilm-ul-Kalam; Mujaddid Alf Thani.

International Advisory Board

National Advisory Board

Name of the Journal:	Shahid Research Journal
Editor Name:	Prof. Dr. Dilawar Khan
Pages:	
Issue No:	14, July – December 2021
Volume No:	07
Price: (single Copy)	Rs. 300/=, $. 15/=
Publisher:	Shahid Research Foundation.

This Journal has been indexed in following international Agencies

(1)Journal Index (2) Directory of Research journal Indexing (3)Directory of abstract and Indexing for Journal (4) Cosmos Impact factor

Note:

Shahid Research Foundation

C-327/3, Block no 1, Gulistan e Johar, Karachi.
Cell no: 0322-2413267, 0333-2177442.
Email: prof.dilawarkhan@gmail.com